دائرة المعارف الحسينية

تاریخ مزارات

محمد صادق محمد

(الكرباسي)

المركز الحسيني للدراسات

لندن المملكة المتحدة

ادارہ منہاج الحسینؑ پاکستان رجسٹرڈ

شارع علی ابن ابی طالب محمد علی جوہر ٹاؤن لاہور پاکستان

حسینی انسائیکلوپیڈیا

تاریخ مزارات

امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیتؑ وانصارؑ

(جلد اوّل)

تعارف کتاب

نام کتاب	:	حسینیؑ انسائیکلوپیڈیا
		تاریخ مزارات جلد اوّل
مؤلف	:	آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادق محمد الکرباسی
مترجم	:	علامہ محمد علی فاضل
نظر ثانی	:	علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر
کمپوزنگ	:	ملک انصر عباس آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ ادارہ منہاج الحسینؑ رجسٹرڈ
ایڈیشن	:	اوّل
اشاعت	:	اکتوبر 2007ء
طباعت	:	ندیم حسین آغا سپوتنک پرنٹرز 13 فین روڈ لاہور

ISBN. 978-969-28-0227-7

ناشر

ادارہ منہاج الحسینؑ پاکستان رجسٹرڈ

301 ایچ III فیز II شارع علی ابن ابی طالبؑ محمد علی جوہر ٹاؤن لاہور پاکستان

Ph: 042-5300500 Fax: 042-5300430

E-mail:minhajulhussain@hotmail.com http://www.minhaj-ul-hussain.org

اس کتاب کی طباعت جناب الحاج رمضان اصغر صاحب کے تعاون سے اُن کی زوجہ مرحومہ بلقیس رمضان صاحبہ کے ایصال ثواب کے لیے عمل میں لائی گئی ہے خداوند عالم مرحومہ کو اپنی وسیع رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے قارئین سے سورہ فاتحہ کی تلاوت کی درخواست ہے۔

حسینی انسائیکلوپیڈیا

تاریخ مزارات

امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیتؑ و انصارؑ

(جلد اوّل)

مؤلف

محمد صادق محمد
(الکرباسی)

مترجم

علامہ محمد علی فاضل

نظر ثانی

علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر

اِدارہ منہاج الحسینؑ پاکستان رجسٹرڈ

301 ایچ III فیز II شارع علی ابن ابی طالبؑ محمد علی جوہر ٹاؤن لاہور پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم (١)

الحمدُ لِلّهِ وسَلامٌ عَلىٰ عِبادِهِ الذينَ اصْطفىٰ (٢) آدمَ وَنوحًا وآلَ ابراهيم وآلَ عمرانَ عَلى العالمين ، ذرية بعضها مِن بعضٍ وَاللهُ سميعٌ عليم (٣). انهُ لَقولُ رَسولٍ كريم (٤) ، إني لكُم رَسولٌ أمين (٥) ، أبلغكُم رِسالاتِ رَبّي و (٦) لا أسألكُم عَليهِ أجرًا إلاّ المودّةَ في القُربىٰ (٧) وآتِ ذا القُربىٰ حقّهُ (٨) ذلكَ خيرٌ لِلذينَ يُريدونَ وجهَ اللهِ وأولئكَ هُمُ المفلحون (٩)

صَدقَ اللهُ (١٠) العَليّ العَظيم (١١)

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تمام حمد اللہ کے لئے ہے اور سلام ہو اللہ کے برگزیدہ بندوں پر[1] آدمؑ نوحؑ[2] اولاد ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ پر جن کو سارے جہانوں سے برگزیدہ کیا بعض کی اولاد کو بعض سے، اور خدا سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔[3] بے شک یہ قرآن ایک معزز پیام بر کا لایا ہوا ہے۔[4] میں تمہارا یقینی امانتدار پیغمبر ہوں۔[5] میں تم تک اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچائے دیتا ہوں۔[6] میں اس تبلیغ رسالت کا اپنے قرابت داروں کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔[7] اور اپنے قرابتداروں کو ان کا حق دے دو۔[8] جو لوگ خدا کی خوشنودی کے خواہاں ہیں ان کے حق میں سب سے بہتر ہے اور ایسے ہی لوگ آخرت میں اپنی دلی مرادیں پائیں گے۔[9] سچ فرمایا۔[10] خدا وند بزرگ و برترنے۔[11]

---

(١) سورہ نحل آیت ۔۳۰
(٢) سورہ نمل آیت ۔۵۹
(٣) سورہ آل عمران آیت ۳۳۔۳۴
(٤) سورہ الحاقہ آیت ۔۴۰
(٥) سورہ شعراء آیت ۱۰۷
(٦) سورہ اعراف آیت ۶۲
(٧) سورہ شوریٰ آیت ۲۳
(٨) سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۶
(٩) سورہ روم آیت ۳۸
(١٠) سورہ آل عمران آیت ۹۵
(١١) سورہ بقرہ آیت ۲۵۵

قال الرسول الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''انّ الحسین مصباح ھُدی، سفینة نجاة، وامام خیر و یمن
وعزّ وفخر، و بحر و ذخر[1] ''
وصدق رسوله الکریم

رسول اعظمؐ نے فرمایا

حسینؑ چراغ ہدایت ، سفینۂ نجات، امام خیر و برکت ،
عزت وفخر کے رہبر وپیشوا ، علم کے سمندر اور بوقت ضرورت کام آنے والی ہستی ہیں[1]
(اور اللہ کے کریم رسولؐ نے سچ فرمایا ہے)

---

① عیون اخبار الرضا جلد اول صفحہ ۶۲ - فرائد السمطین صفحہ ۴۲

حرف اول

ادارہ منہاج الحسینؑ رجسٹرڈ لاہور پاکستان مظلوم کربلاؑ فرزند رسولؐ، جگر گوشہ علی و بتولؑ کے بابرکت نام پر قائم ہونے والا ایک عظیم بین الاقوامی ادارہ ہے جس کی عالی شان عمارت بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی پوری شبیہ ہے جسے دور سے دیکھنے والا ذہنی طور پر کربلا پہنچ جاتا ہے اور اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام اور جناب زینب علیہا السلام کی ضریحوں کی شبیہ بھی بنائی گئی ہے بیمار کربلا حضرت امام سجاد علیہ السلام کی شبیہ تابوت بھی ایمان کو تازہ کرتی ہے اسی طرح اس ادارے کی مختلف شاخیں پاکستان سمیت بیرون پاکستان بھی یورپ کے کئی ممالک میں مصروف خدمت اسلام و مسلمین ہیں جس کے کئی شعبے دن رات مصروف عمل ہیں جن میں جامعہ منہاج الحسینؑ، جامعہ زینبیہ برائے خواتین، نشرواشاعت، آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ، الیکٹرونک میڈیا سیل، روابط بین المذاہب والا دیان، ویلفیئر سوسائٹی، کاروان منہاج الحسینؑ پرائیویٹ لمیٹڈ برائے حج وزیارات اور عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کے فروغ کے ادارے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خصوصاً عزاداری مظلوم کربلا علیہ السلام کیلئے سال بھر خواتین و حضرات کے پروگرام جاری رہتے ہیں۔ ماہنامہ منہاج الحسینؑ میں ایک مستقل کالم ''منہاج الحسینؑ'' کے نام سے مخصوص ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبات اور کلمات قصار کی تشریح اور ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ کیبل نیٹ ورک کے ذریعے ''الزہرائی وی'' کے نام سے ہر روز تبلیغی اور عزائی پروگراموں کا چوبیس گھنٹے سلسلہ جاری رہتا ہے جس سے پورا علاقہ دن رات مستفید ہوتا ہے۔

اس ادارہ کے بنیادی مقاصد میں یہ بات شامل تھی اور ہے کہ ''تحریر وتقریر اور جدید وسائل تبلیغ کے ذریعے اسلامی افکار اور عزاداری سید الشہداء کے فروغ اور ثورۃ الحسینؑ کو عام کرنے کیلئے مقصد حسینیت کا پرچار کیا جائے گا اور یہ مقصد بھی روز قیام سے زیر نظر تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات اور ان کے مشن پر مشتمل علمی تاریخی کتب کو شائع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

اسی مقصد کو عملی صورت دینے کیلئے ادارہ کے شعبہ نشرواشاعت نے حضرت آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادق محمد کرباسی مدظلہ کی عدیم النظیر تالیف ''حسینی انسائیکلوپیڈیا'' کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔

الحمدللہ اس مشن کی پہلی کاوش ترجمہ وطباعت کے بعد عاشقان امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہے۔ ادارہ علامہ محمد علی

فاضل مدظلہ کاشکر گزار ہے کہ جنہوں نے اس کتاب کی جلد تاریخ المراقد کا اردو میں ''تاریخ مزارات'' کے نام سے ترجمہ کیا جس پر علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر مدظلہ نے نظر ثانی فرمائی اور آج یہ کتاب اس عظیم مشن کی عملی صورت کا آغاز واقع ہوئی ہے۔ انشاء اللہ مظلوم کربلاؑ کے توسل سے اس حسینی انسائیکلو پیڈیا کی دوسری جلدوں کا بھی مرحلہ وار سلسلہ اشاعت جاری رہے گا جس کی مؤلف بزرگوار 650 جلدیں مرتب کر چکے ہیں اور یہ کتاب اس دور کی بے مثال تالیف ہے۔

یہ بتانا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادق محمد کرباسی مدظلہ کربلا میں متولد ہوئے آپ کے جداعلیٰ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے عظیم صحابی' سپہ سالار لشکر علیؑ گورنر مصر جناب حضرت مالک اشتر علیہ السلام ہیں جن کو آپ علیہ السلام نے اپنا ایک مشہور زمانہ مکتوب دے کر مصر روانہ کیا جس میں اسلامی نظام حکومت کے تمام اصولوں کو ذکر فرمایا' جن کو معاویہ نے عمرو ابن عاص کے ذریعے ایک سازش کے تحت زہر دے کر شہید کرا دیا تھا جن کے بارے میں مولا علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ''مالک کی میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو میری رسول اللہؐ کے ساتھ تھی''۔ اسی عظیم صحابی امیر المومنین مالک اشتر علیہ السلام کے بیٹے ابراہیم بن مالک اشتر علیہ السلام نے خون امام حسین علیہ السلام کی انتقامی تحریک میں بنیادی کردار ادا کیا تھا اور رتبہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ یہ اسی خون کی تاثیر اور عشق علیؑ و حسینؑ کا نتیجہ ہے کہ سرکار آیت اللہ کرباسی لندن میں بیٹھ کر عظمت حسینؑ اور مشن حسینؑ کو اپنے زور قلم سے دنیا کے سامنے لا رہے ہیں۔ ان کے اجداد نے تلوار کے ساتھ علی و اولاد علی علیہم السلام کا ساتھ دیا تو آپ اپنے قلم سے اس جہاد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو عمر خضر عطا فرمائے اور وہ اپنی زندگی میں اپنی اس قلمی و علمی کاوش کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

یاد رہے اس حسینی انسائیکلو پیڈیا کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ساتھ ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہمیں اس عظیم حسینی انسائیکلو پیڈیا کی باقی جلدوں کو بھی شائع کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سیکرٹری نشر واشاعت

ادارہ منہاج الحسینؑ جوہر ٹاؤن لاہور پاکستان

مقدمہ ناشر

حضرت امام حسین علیہ السلام بلکہ تمام آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی قبور مقدسہ کی زیارت کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ عظیم الشان ہستیاں ہیں جن کے اجساد مطہرہ ان قبور میں مدفون ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر اطہر کی زیارت کا خاص طور پر اہتمام اس لئے کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے اندر عظیم شہید امامؑ کا جسم مبارک مدفون ہے اور یہی حال باقی آئمہ اطہار علیہم السلام اور ان کے صالح اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قبور کے ابتدائی ایام سے آج تک ان مزارات اور ان پر موجود ضریح ہائے مبارکہ کی زیارت کی اہمیت مسلم چلی آ رہی ہے بلکہ ان کی اہمیت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ ان مقدس مقامات کی زیارت ان میں آسودہ خاک ہستیوں سے برکت حاصل کرنے اور انہیں بارگاہ الٰہی کے لئے وسیلہ بنانے کے لئے کی جاتی ہے اور ان کے گنبدوں کے نیچے کھڑے ہو کر دعا مانگی جاتی ہے کیونکہ ان بزرگوار ہستیوں کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت اور عظیم مقام ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تسلسل کے ساتھ ان کی زیارت کی تاکید کا سبب ان کے وہ بنیادی اور بلند مقصد کارنامے ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا اور ان کے دفاع میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی۔ زمانے کی مصیبتوں اور حوادث روزگار کا بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ظلم کے آگے صبر کی چٹان بن کر پرچم اسلام کو اٹھایا اور رہتی دنیا تک اسے بلند کر گئے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ان مقدس اور مطہر مقامات کی زیارت کا اس قدر خاص اہتمام اور ان کی تعظیم محض اس لئے نہیں کی جاتی کہ ''بے جان مردوں' ٹھوس عمارتوں'' کی پوجا پاٹ کی جائے کیونکہ بے جان مردوں اور ٹھوس عمارتوں میں نہ تو کسی قسم کی خیر پائی جاتی ہے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی زیارت اس لئے کی جاتی ہے کہ ان مقامات میں مدفون ہستیاں ''زندۂ جاوید'' ہیں اپنے رب سے روزی حاصل کر رہی ہیں اور ان سے خیر و فضیلت کے درس لئے جاتے ہیں۔ آئمہ اطہارؑ اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کے جو مزارات اور ضریحیں ایران اور عراق میں ہیں یا جن مقامات پر ان مقدس ذوات کے کوئی اعضاء مدفون ہیں مثلاً مصر اور شام وغیرہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مبارک سر کے مدفون ہونے کا احتمال ہے۔ ان کی زیارت کو ہر سال ہزار ہا کی تعداد میں محبان اہل بیتؑ۔ خصوصیت کے ساتھ اہم مراسم میں زائرین کرام فوج در فوج قافلوں کی صورت میں حاضری دیتے ہیں وہ صرف اور صرف اس لئے کہ ان سے خیر و برکت اور فضیلت و بلندی درجات کو حاصل کیا جائے جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے۔ یہ کتاب

دائرۃ المعارف الحسینیہ (حسینی انسائیکلو پیڈیا) کے ایک باب کی حیثیت سے منصۂ شہود پر آ رہی ہے۔ جس کی آٹھ جلدیں ان اشعار پر مشتمل ہیں جو حضرت امام حسینؑ ان کے اہل بیت اور ان کے برگزیدہ اصحاب کے بارے میں عراقی شعراء یا دوسرے لوگوں نے کہے ہیں اور اس کی باقی جلدیں زیر اشاعت ہیں۔

یہ کتاب "**حسینی مزارات کی تاریخ**" پر مشتمل پہلی جلد شمار ہوتی ہے۔ جس میں مؤلف محترم ان تمام مزارات کی تاریخ کو احاطہ تحریر میں لے آئے ہیں جن کا کسی بھی حوالہ و نسبت سے حضرت امام حسین علیہ السلام سے تعلق بنتا ہے۔ مثلاً آپ کے جان نثار اصحاب و انصار کی تاریخ جو آپ کی مقدس تحریک میں آپ کے شانہ بہ شانہ جہاد کرتے رہے اور ان لوگوں کی تاریخ جن کا اس مبارک تحریک سے کسی قسم کا کوئی تعلق رہا ہے۔

اسی طرح ان مقدس ضریحوں کی تاریخ پر بھی ایک نظر ڈالی گئی ہے جنہوں نے شہداء کربلا کے کسی مقدس عضو کو اپنی آغوش میں لیا ہوا ہے۔ جیسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کی ضریحوں کی تاریخ۔ البتہ پہلے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی مزار اقدس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس پر آج تک گزرنے والے واقعات اور حوادث کو بیان کیا گیا ہے کہ اس پر کیسے کیسے سخت دور آئے۔ اسے مسمار کرنے کی کیا کوششیں ہوئیں۔ اس کے نشانات تک مٹا ڈالنے کی کیسی ناپاک سازشیں ہوئیں لیکن وہ آج بھی اس موجودہ حالت میں ہے؟

مؤلف محترم نے اس کتاب میں ان مزارات کی دینی، معاشرتی، ثقافتی، سیاسی اور سیاحتی اہمیت پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اور ساتھ ہی چند ابواب کو ان مزاروں سے متعلق قبوں یعنی گنبدوں اور گلدستہ ہائے آذان سے مخصوص کیا ہے اور تصویروں اور نقشوں کے ذریعے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہمیں مومنین کرام اور موالیان اہلبیت عظام سے توقع ہے کہ ہماری ان کوششوں کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور ہمارے حق میں دعا بھی فرمائیں گے۔ اور خداوند کریم سے ہماری دعا ہے کہ اہلبیت اطہارؑ کے صدقے میں عموماً اور سید الشہداؑ کے صدقے میں خصوصاً ہمیں اپنے لطف و کرم اور مہربانی سے اس کتاب کی تمام جلدوں کی نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرماتا رہے، کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مبارک اور مقدس تحریک کو اجاگر کرنے کے لئے یہ کتاب بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے جو صدیوں سے آج تک کی تاریخ کے صحیح خدوخال پیش کرتی ہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں کہ اس نے ہمیں اس نعمت سے نوازا ہے۔ یقیناً وہی بہترین آقا اور کیا ہی اچھا معاون و مددگار ہے۔

11 جمادی الاولیٰ 1419ھ
مطابق 2 ستمبر 1998ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے پروردگار

اے عزت و بلندیوں کے مالک اللہ تو بہت ہی بلند ہے۔

☆☆☆☆☆

اے اللہ کے رسولؐ

تمام کائنات میں سے آپ خدا کے چنے ہوئے ہیں اے مرکز ولایت

(اے اہل بیتؑ) اے میرے سردارو!

تمام جہانوں میں آپ کا مقام و مرتبہ بلند و برتر ہے۔

لندن

محمد صادق

1418ھ 1997ء

تمہید

اس کتاب کی طرف سے ''دیوان القرون'' (صدیوں کا شعری مجموعہ) کے نام سے بعض حصے شائع ہونے کے بعد قارئین محترم کی طرف سے اس بات کا مطالبہ بڑی دلچسپی، رغبت اور خصوصیت کے ساتھ شدت اختیار کر گیا کہ ادارہ کی دوسری تالیفات کی بھی اشاعت کی جائے کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ کتاب ''الحسین والتشریع الاسلامی'' (حضرت امام حسین علیہ السلام اور اسلامی شریعت) کو جلد شائع کیا جائے کسی نے ''السیرۃ الحسینیہ'' (سیرت امام حسین علیہ السلام) کے شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ کچھ لوگوں نے ''الحسین فی السنۃ'' (امام حسینؑ سنت کی روشنی میں) کے شائع کرنے کا مشورہ دیا۔ جبکہ اکثر لوگوں کا اصرار تھا کہ زیر نظر کتاب ''تاریخ المراقد'' (تاریخ مزارات) کو جلد شائع کیا جائے۔ اسی طرح کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ لیکن بعض فنی وجوہات کی بنا پر ان سب عزیزوں کی فرمائش پر یکجا عمل کرنا مشکل تھا۔ باوجودیکہ ہم نے پوری کوشش کی کہ کسی کی فرمائش کو رد نہ کیا جائے۔

جیسا کہ مثل مشہور ہے ''اگر سب کا حصول ناممکن ہے تو جو ملتا ہے لے لو'' کے تحت زیر نظر کتاب ''تاریخ المراقد'' کی اشاعت اور طباعت ہی کا انتخاب کیا گیا۔ امید ہے کہ قارئین کرام اسے پسند فرمائیں گے۔

کتاب حاضر کو بہتر طور پر سمجھنے اور اس کے ابواب کو صحیح طور پر جاننے کے لئے درج ذیل چند امور کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اول یہ کتاب صرف حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی قبر مبارک کی تاریخ ہی پر مشتمل نہیں بلکہ اس میں ان قبور کے بارے میں بھی تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ جن کا حضرت ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام اور ان کی مقدس تحریک سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہے۔ اور اس کی چند قسمیں ہیں:

الف: آپ کے ان یار و انصار کی قبروں کا تذکرہ ہوگا جنہوں نے کربلا کے معرکہ کارزار میں آپ ہی کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ مثلاً حضرت ابوالفضل العباسؑ، حبیب بن مظاہر اسدیؒ، حر بن یزید ریاحیؒ اور ان کی مانند کے دیگر شہداء علیہم السلام۔

ب: ان افراد کی قبور کا ذکر ہوگا جو امام علیہ السلام کی مقدس تحریک میں ان کے شریک کار رہے اور کربلا کی جنگ میں آپ کے ساتھ موجود تھے۔ جیسے حضرت سیدہ زینب بنت علی علیہا السلام۔

ج: ان محترم ہستیوں کے مزارات کا بیان ہوگا۔ جن کا امام عالیمقام کی تحریک میں کسی قسم کا کوئی حصہ ہے۔

د: شہداء کربلا کے بعض جسمانی اعضاء کے مدفن کے بارے میں گفتگو ہوگی اور اس سلسلے میں مذکورہ تاریخی اختلافات کوذکر کیا جائے گا۔ جیسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے مدفن کا تذکرہ اور اس بارے میں تاریخی اختلافات۔

ھ: ان مقامات کوذکر کیا جائے گا جن کو حضرت ابا عبداللہ علیہ السلام سے یا ان کی مقدس تحریک کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ جیسے عمر ابن سعد کے ساتھ امام علیہ السلام کی ملاقات کا مقام حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا مقام (جو تل زینبیہ کے نام سے مشہور ہے) وغیرہ۔

و: ان تاریخی جگہوں کا ذکر ہوگا۔ جن کا حضرت امام حسین علیہ السلام سے تعلق ہے جیسے آپ کا مقام ولادت یا جائے سکونت وغیرہ۔

دوم: اس کتاب میں صرف مزارات کی تاریخ ہی کو بیان نہیں کیا جائے گا بلکہ اس میں یہ تحقیقی بحث بھی کی جائے گی کہ مثلاً فلاں مزار یا قبر کی صاحب قبر کی طرف نسبت کس حد تک صحیح ہے اور اس کی کیا وجوہات ہیں؟ وغیرہ۔

سوم: اس بات پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے گی کہ اس مقدس مزار بالخصوص حضرت سید الشہداءؑ کے مزار مبارک سے کیا کیا تاریخی، سیاسی اور دوسرے فکر انگیز درس ملتے ہیں اور ان کی کیا اہمیت ہے؟

چہارم: اس بات پر مختصر گفتگو کی جائے گی کہ ان مزارات کے مختلف معاشروں پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں اور ان کے کس قدر گہرے نقوش ہیں جو صدیوں سے ثبت ہوتے چلے آرہے ہیں۔

پنجم: ہماری کوشش ہوگی ہر ایک مزار کے لئے ان لوگوں کا تحقیقی تذکرہ کریں اور اعداد وشمار کی روشنی میں بتائیں کے کن لوگوں نے ان کی تولیت کو سنبھالا اور کتنے اور کس قسم کے زائران کی زیارتوں سے شرف یاب ہوتے چلے آرہے ہیں۔

ششم: ان مسلم بادشاہوں اور سربراہان مملکت کا چارٹ جن کا ان مزارات کی تعمیر یا تخریب میں کوئی مؤثر حصہ ہے۔

مرقد اور مقام میں فرق

متعدد مؤلفین نے مزارات مقدسہ کے بارے میں کتابیں تحریر کی۔ اور ان میں علویوں (اولاد علی علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں تو تفصیلی گفتگو کی ہے لیکن ان مقامات اور جگہوں کا ذکر نہیں کیا جو ان اولیاء کی طرف منسوب ہیں اور جنہیں اصطلاح میں ''مقامات'' کہا جاتا ہے۔ جبکہ بعض حضرات نے ''مقامات'' اور ''مزارات'' کو ملا دیا۔ لیکن ہم یہاں ''مرقد'' (مزار)

اور ''مقام'' کے درمیان فرق واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ دونوں الفاظ مفرد ہیں اور بعض اوقات مجازی طور پر ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں جبکہ لغوی طور پر ہر ایک کا معنی مختلف ہے۔ البتہ یہ دونوں ظرف (زمان یا مکان) کے لحاظ سے مشترک ہیں اس بات کو اپنی جگہ پر ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں[1] لفظ ''مرقد'' اس مقام پر ''رقاد'' (نیند) سے اسم مکان ہے اور ''رقاد'' ''ضجوع'' اور ''سکون'' تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ البتہ ''ضجوع'' میں ''پہلو کے بل سونے'' کا معنی پایا جاتا ہے۔[2]

اور وہ اس اعتبار سے کہ مرنے والے کو۔ عام طور پر۔ قبر میں پہلو کے بل[3] اس طرح لٹایا جاتا ہے کہ اس کا سامنے کا حصہ قبلہ کی جانب ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں اسے ''راقد'' اور ''ضاجع'' بھی کہتے ہیں اور اس کے اس طرح ہونے کی جگہ کو ''مرقد'' کہا جاتا ہے۔ جس کی جمع مراقد آتی ہے۔

لفظ ''مقام'' میم کی زبر کیساتھ بھی اسم مکان ہے جو لفظ ''اقامت'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔ چنانچہ جو شخص کسی جگہ پر کچھ عرصہ یا کافی عرصے تک ٹھہرا رہے اس جگہ کو اس کا ''مقام'' کہتے ہیں اور اس کی جمع ''مقامات'' آتی ہے اور اس لفظ کا اطلاق عام طور پر ایسی جگہوں پر کیا جاتا ہے جہاں پر انبیاء، آئمہ یا اولیائے کرام ٹھہرے رہے ہوں جیسے مسجد کوفہ میں ''مقام امیر المومنینؑ اور مقام نوحؑ'' یا کربلا معلّٰی میں ''مقام امام جعفر صادق علیہ السلام'' یا مقام امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔

البتہ ایسے مواقع پر بعض حضرات مجازی طور پر لفظ ''مقام'' کو ''مرقد'' کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں اس لئے کہ وہ بزرگوار ہستی وہاں پر دفن ہونے کے لئے قیام پذیر رہی۔ جبکہ بعض دوسرے حضرات لاعلمی کی وجہ سے ''مقام'' کو ''مرقد'' کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، بنابریں جب وہ کسی کتاب کا عنوان ''مرقد'' قرار دیتے ہیں تو اس میں ''مقامات'' بھی شامل کر لیتے ہیں، اور یہ اس لئے کہ غالب طور پر اس کا اطلاق اسی طرح ہوتا چلا آرہا ہے یا پھر مولفین کرام کے نزدیک مقام اور مرقد کو ایک ہی میں معنی میں لیا جاتا ہے۔ البتہ ہم نے اس بارے میں کئی وجوہات کی بنا پر سلف صالحین کی اتباع کی ہے جن میں سے اہم ترین یہ ہے کہ غلب کے طور پر ''مراقد'' میں ''مقامات'' کو شامل کیا گیا ہے۔ اسی لئے قارئین محترم ہماری اس کتاب میں بہت سی جگہوں میں دیکھیں گے کہ مقامات کو مراقد (مزارات) میں شامل کیا گیا ہے۔

---

① اس بارے میں ادارہ ہذا کی تالیف ''قاموس نہضت حسینیہ'' کے مادہ ''مرقد'' اور مادہ ''مقام'' کی طرف رجوع کریں۔

② ملاحظہ ہو ''باب الرؤیا'' کا مقدمہ، اور نیند میں خواب کے مشاہدات اور ان کی تاویل اور ''نیند'' کے ہم معنی الفاظ۔

③ دینی فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ میت کو قبر میں پہلو کے بل اس طرح لٹایا جائے کہ وہ قبلہ رخ ہو۔

مراقد......یا......مزارات

عالم السلام کے قلب میں واقع ہونے کی وجہ سے حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کی مرقد مبارک تمام بنی ہاشم کے مزارات کے لئے مرکز اور محور کی حیثیت رکھتی ہے اور حرمین شریفین اور نجف اشرف کے بعد اس کو ایک نئے دینی مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ محل وقوع کے اعتبار سے حضرت سید الشہداءؑ علیہ السلام کا مزار اقدس دریائے فرات اور صحرائے نجف کے درمیان واقع ہے اور یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے قدیم زمانے کے مختلف مقامات کو جانے والے راستے جدا ہوتے ہیں اور مدینہ منورہ سے پھوٹنے والی نور نبوت کی شعائیں یہیں سے ہو کر دیگر اسلامی ممالک کو روشن کرتی ہیں چاہے وہ ''ہلال خصیب①'' کے علاقے ہوں یا ایران برصغیر پاک و ہند، قفقاز② ترکستان اور چین③ وغیرہ کے ممالک ہوں۔ چنانچہ کربلائے معلیٰ اور بیت الحرام کو ایک ہی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو حرم مقدس پروردگار کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکتا وہ کربلائے معلیٰ کی زیارت سے فیضیاب ہوتا ہے۔

حائر حسینی (حرم امام حسین علیہ السلام) مشرق بعید کے لئے اس بارے میں سابقہ تکالیف سے بڑھ کر ایک اور وسیع اقدام یہ ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا حرم مقدس جو خراسان میں واقع ہے اور خراسان کا علاقہ برصغیر پاک و ہند کے لئے دروازے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مدینہ منورہ نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ سے اٹھنے والی نورانی شعاعیں یہیں سے ہو کر اس خطے کی مختلف اطراف کو منور کرتی ہیں۔

---

① ''ہلال خصیب'' ایک ایسا نام ہے جس کا اطلاق عراق اور بلاد شام پر ہوتا۔ جس میں ملک شام لبنان اور فلسطین بلکہ بعض اوقات اردن بھی اس میں شامل ہیں۔

② ''قفقاز'' یا'' بلاد کوہ قاف کا اطلاق آرمینیا، جارجیا اور آذربائیجان کی جمہوریاؤں پر ہوتا ہے۔

③ ترکستان کا علاقہ وسطی ایشیاء اور بحر قزوین، ایران، افغانستان، ہندوستان اور منگولیا کے درمیان واقع ہے، سابق میں اس کا اطلاق تمام بلاد ترک اور بلاد ماوراء ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ چین اور سابق سوویت یونین کے درمیان تقسیم ہو چکا ہے۔ اس علاقے میں سب سے پہلے مسلمانوں نے 135ھ میں قدم رکھا اور چینی ترکستان میں صوبہ سنکیانگ شامل ہے۔ جبکہ سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد اس کی مختلف ریاستیں مثلاً ازبکستان اور تاجکستان وغیرہ جمہوریاؤں کی صورت میں اس سے علیحدہ ہو کر مستقل حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔

تو اس لحاظ سے بنی ہاشم کے روضوں کے سر بلند گنبد حجاز مقدس [1] فرات [2] دجلہ [3] نیل [4] اور بحر ابیض کے ساحلوں پر [5] شام میں بُردیٰ کے کنارے پر [6] خراسان [7] ہندوستان [8] چین [9] اور دیگر مقامات [10] پر جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طاغوت اموی حکومت ناکام نامراد ہو کر ہمیشہ کے لئے لعنت اور رسوائی کی مستحق ہو گئی۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

---

[1] مدینہ منورہ میں رسول اعظمؐ ان کی دختر حضرت فاطمۃ زہراؑ اور حضرت امام حسنؑ، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کے مزارات مقدس ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر بنی ہاشم کے مزارات بھی مکہ مدینہ اور حجاز کے دوسرے کئی علاقوں میں ہیں۔

[2] حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا مزار مبارک نجف اشرف میں ہے حضرت امام حسینؑ اور ان کے بھائی جناب عباس علمدارؑ کا روضہ کربلائے معلیٰ میں ہے اور دیگر اولاد ابو طالب مثلاً مسلم بن عقیل کا روضہ کوفے میں ہے اور اسی طرح مسلم بن عقیل کی اولاد کے روضے میںسیب میں ہیں۔

[3] حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور ان کے پوتے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مزارات کاظمین شریفین میں ہیں۔ امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے روضے سامراء شریف میں ہیں۔ علاوہ ازیں آل ابو طالبؑ سے ان کے پوتے نواسے مدفون ہیں۔

[4] مثلاً قاہرہ میں مسجد رأس الحسینؑ اور مزار سیدہ زینب علیہا السلام، اور ان کے علاوہ اہلبیت کے دوسرے کئی افراد کی زیارت گاہیں ہیں۔

[5] مثلاً عسقلان (فلسطین) میں جامع مسجد راس الحسین اور حلب میں (مشہد نقطہ) اور شیخ محسن ''نامی'' کے نام سے مراقد ہیں۔

[6] سیدہ زینب سلام اللہ علیہا، سیدہ رقیہ علیہا السلام اور شہدائے کربلا علیہم السلام کے مبارک سروں کی زیارت گاہیں، مثلاً جناب سیدہ سکینہؑ، جناب سیدہ فاطمہؑ اور جناب سیدہ ام کلثومؑ (ان سب پر خدا کا سلام) کے مزارات۔

[7] مشہد مقدس میں حضرت امام رضا علیہ السلام کا روضہ اور پورے ایران میں مختلف مقامات پر اہلبیتؑ کے افراد کی مزارات۔

[8] اس ملک میں آئمہ اطہار علیہم السلام کے نام سے منسوب بنائے گئے بہت سے مقامات جیسے لکھنو وغیرہ میں ان کی زیارت گاہیں۔

[9] شمالی چین میں علوی شیعہ پیشواؤں اور بادشاہوں کے مقبرے ہیں۔ جن کا تذکرہ فرانسیسی مستشرق ''آبلدشۃ'' نے اپنی کتاب ''شیعہ اور مشرق وسطیٰ میں ان کی ملکی فتوحات'' جس کا ڈاکٹر عبد الجواد کلیدار نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ موصوف نے ابھی تک خود اس کی نورانیت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔

[10] اطراف عالم ان جگہوں پر آل رسولؐ کے نام سے کئی مقامات، روضے اور عمارتیں بنائی گئی ہیں۔

[11] معاصر مصری رائٹر ڈاکٹر عمر بن موسیٰ، ان کی کتاب ''الدول المتتابعۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔

ڈاکٹر عمر پاشا کہتے ہیں "اموی حکمران تشیع کو پھلنے پھولنے کو نہ روک سکے جس کی وجہ شاید عجیب وغریب کثرت کے ساتھ اہل بیت علیہم السلام کے مزارات اور مشاہد مقدسہ ہیں جو ہمارے موقف کی واضح دلیل ہیں۔ محمد بن جبیر① اہل بیت علیہم السلام کے بعض مزارات کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت ام کلثوم کی طرف منسوب روضے کی تعریف میں کہتے ہیں۔ یہ روضہ شہر دمشق سے ایک فرسخ کے فاصلے پر راویہ② نامی جگہ پر واقع ہے اور وہاں پر ایک بڑی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

---

① محمد بن احمد بن جبیر اندلسی متوفی 614ھ۔ ان کا ایک مشہور سفرنامہ ہے۔

② راویہ کو اب "ست سیدہ زینب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو دمشق کے نزدیک ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسجد سکینہ بنت الحسین علیہ السلام کو بھی ذکر کیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سکینہ بنت الحسین نہیں بلکہ اہلبیت علیہم السلام کی کوئی اور خاتون تھیں اور یہ بھی کہا ہے کہ شہر کے مغربی حصے میں موجود قبرستان میں ایک مقام پر موجود ہے اور وہاں پر ایک مسجد بھی ہے جس میں اولاد امام حسن اور امام حسین کی اولاد میں سے دو ہستیوں کی قبریں ہیں (ڈاکٹر محمد بن موسیٰ پاشا کی کتاب "ادب الدول المتتابعہ" صفحہ ۵۵ منقول از "سفرنامہ ابن جبیر" صفحہ ۲۲۹۔)

مزارات کی تعمیر اوران کا تقدس

بعض اعتدال پسند مذہبی طبقوں کے درمیان اہل بیت علیہم السلام کے مزارات کی تعمیران کی زیارت اوران پر درود وسلام بھیجنے کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات پیدا کر دیئے گئے ہیں جس کی وجہ بعض وہ روایات ہیں جو قاطع دلائل اور صحیح روایات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں ایسی قاطع دلائل اور صحیح روایات خودسرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے اہلبیت اطہار علیہ السلام سے مذکور ہیں۔ ان میں وہ روایات بھی شامل ہیں جو حضرات مومنین کرام کو اہل بیت اطہار علیہم السلام کی قبور کو تعمیر کرنے کی ترغیب دیتی ہیں بلکہ ان کی تعمیر کو تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیتی ہیں۔ جسے سرانجام دے کر مومن اپنے لئے ذخیرہ آخرت مہیا کرتا ہے۔

رہی وہ روایات جن سے قبور کی تعمیر کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے تو فقہائے اسلام نے انہیں انبیاء، آئمہ اور اولیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے لوگوں کی قبور کے لئے ممانعت قرار دیا ہے۔

آئمہؑ کی قبور کی تعمیر کے سلسلے میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ طویل حدیث ہے جو حضرت علی علیہ سلالم سے بیان ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ حضرت علیؑ سے فرماتے ہیں

یا علی! جس شخص نے تمہاری قبور کی تعمیر کی اوران کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دیا گویا اس نے بیت المقدس کی تعمیر میں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام① کے ساتھ امداد کی اور جس نے تمہاری قبروں کی زیارت کی اس کا ثواب حجۃ الاسلام (فریضہ حج) کے بعد ستر حج کے برابر ہے اوراس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب وہ تمہاری زیارت کرنے کے بعد واپس لوٹ آتا ہے تو ایسے ہے جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔

① حضرت سلیمانؑ جناب داؤدؑ کے فرزند ہیں صاحب حکمت ہونے کے علاوہ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اور اپنے والد گرامی کے بعد چالیس سال تک پیغمبر اور بادشاہ رہے۔ باون سال کی عمر پائی، بیت المقدس کی بنیاد اور تعمیر آپ ہی کے دور حکومت میں انجام پائی۔ اس کے بعد اپنا ایک ذاتی مکان تعمیر کردہ جس کا نام ''کنیسہ قیامت'' رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات ہجرت نبویؐ سے ۱۶۰۷ سال اور عیسوی سے ۹۳۵ برس قبل مسیح ہوئی۔

پس تمہیں بھی خوشخبری ہو اور اپنے دوستوں اور حبداروں کو بھی خدا کی نعمتوں اور آنکھوں کی ٹھنڈک پیدا کرنے والے ایسے ارباب کی خوشخبری سنا دو کہ جن کو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی کے دل میں ان کا خیال تک پیدا ہوا ہے۔ لیکن کچھ پست ذہنیت [1] کے لوگ تمہاری قبروں کے زائرین کو طعن و تشنیع کا ایسے نشانہ بنائیں گے جیسے کسی زنا کار عورت کو اس کی بدکاری پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے ایسے لوگ میری امت کے بدترین اور شریر ترین لوگ ہوں گے نہ تو انہیں میری شفاعت نصیب ہوگی اور نہ ہی وہ میرے پاس حوض کوثر تک پہنچ سکیں گے۔ [2]

انہی روایات میں سے ایک وہ روایت ہے جسے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پھوپھی زینبؑ سے بیان کرتے ہیں اور وہ جناب ام ایمن [3] سے روایت کرتی ہیں کہ حضرت رسول خدا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور مدفن کے بارے میں پیش گوئی کے طور پر ایک طویل حدیث میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

---

1. حدیث میں لفظ ''حثالہ اور حثال ہے'' جس کے لغوی معنی جو یا چاول وغیرہ کا چھلکا ہے۔ اور حثالۃ الدھن'' گھی یا تیل کی کو کہا جاتا ہے اور حثالۃ الناس کے معنی رذیل اور پست لوگ ہیں۔
2. کتاب وسائل الشیعہ کی (جلد ۱۴ ص ۳۸۳ منقول از تہذیب الاحکام جلد ۶ ص ۲۲ کتاب ''فرحۃ الغری'' ص ۶۳۔ نیز بات قابل ذکر ہے کہ یہ روایات مختلف ذرائع سے بیان ہوتی ہے ملاحظہ ہو مستدرک الوسائل اور وسائل شیعہ جلد ۱۰ ص ۲۱۴۔
3. ام ایمن'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انکا نام 'برکت'' تھا ان کی تزویج ایک حبشی غلام سے ہوئی جس سے ''ایمن'' نامی لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد انکی شادی زید بن حارثہ سے ہوئی جس سے اسامہ پیدا ہوا' موصوفہ کا شمار پیغمبر کی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے پیغمبر خداؐ سے روایت کرتی ہے۔ دونوں اسلامی ہجرتوں (حبشہ اور مدینہ) میں شرکت کی عبدالملک بن عبدالمطلب کی کنیز تھیں۔ اسکے بعد آنحضرتؐ کی کنیزی میں آگئیں حضرت عثمان بن عفان کے دور خلافت (۲۳ تا ۳۵) میں وفات پائی۔

''پھر خداوند عالم تیری امت سے کچھ ایسے لوگوں کو بھیجے گا جنہیں کفار نہیں پہچانتے ہونگے۔ اور وہ لوگ ان مظلوموں کے خون ناحق بہانے میں قول وفعل اور نیت کسی طرح سے بھی شریک نہیں ہونگے وہ ان شہیدان رہ خدا کے مبارک بدنوں کو خاک میں دفن کریں گے اور سید الشہداؑ کی قبر کا نشان ریت اور کنکریوں کے ساتھ مقرر کریں گے اور وہ قبر اہل حق کے لئے مغفرت کی علامت اور مومنین کے لیے باعث نجات وفلاح ہوگی''①

ان مقدس ہستیوں کی قبروں کی زیارت اور ان پر درود وسلام کا مستحب ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہے، بلکہ حدیث کے مطابق ان کا ترک کرنے جفا اور ستم کا موجب ہے اور جفا سے روکا گیا ہے اور اس بارے میں بیان ہونے والی روایات تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور اس بارے میں بہت سے علماء نے خصوصیت کے ساتھ کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔②اور ہم بھی تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈال چکے③ ہیں یہاں پر اس کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

تربت حسینی (خاک شفاء) سے شفایابی ایک ایسا مسئلہ ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے جواز بلکہ استحباب پر علماء امامیہ کا اتفاق ہے اور اس بات پر صحیح روایات سے استناد کیا ہے اور اس باب میں اپنی فقہی کتابوں میں کئی فصلیں مخصوص کی ہیں④ اور ہم نے اس بارے میں دیگر اسلامی مذاہب کی طرف سے ہونے والے اعتراضات اسی طرح تفصیل سے شرعی جواب دیا ہے جس طرح اس کا علمی نکتہ نظر سے جواب دیا ہے۔ جس کی تفصیل اپنے مقام پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

---

① مستدرک الوسائل جلد ا صفحہ ۲۱۶ منقول از کامل الزیارات صفحہ ۲۶۵۔ کتاب ''الہدایہ ص نمبر ۴۴'' میں اس کے اور بھی ذرائع بیان کیے گئے ہیں۔

② ان میں سے ایک کتاب ''نور العین فی مشی الی زیارۃ قبر الحسین'' مولفہ ''اصطہباناتی'' اور ''شجری'' کی کتاب ''فصل زیارۃ الحسین'' نیز ملاحظہ ہو اسی ادارہ کی تالیف ''معجم المصنفات الحسینیہ''

③ ملاحظہ ہو اسی ادارے کی کتاب ''باب الاحادیث فصل حدیث الزیارہ'' اور باب الشبہات فصل الزیارۃ''

④ اسی ادارے کی کتاب باب الشبہات فصل الاستشفاء بالتربۃ۔

رہی پیغمبر اکرمؐ یا ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کی چوکھٹوں اور ضریحوں کو بوسہ دینے یا ان کے آگے سجدہ کرنے کی بات تو ہم اسے بھی تفصیل کے ساتھ اپنے مقام پر بیان کر چکے ہیں اور یہ بات اچھی طرح یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بارے میں شکوک وشبہات یا تو غلط تعبیر کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا پھر اس میں بری نیت کارفرما ہوتی ہے۔ ورنہ ہر مومن یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ کسی شک وتردید کے بغیر غیر اللہ کو سجدہ کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

لیکن اگر ان مزارات سے برکت حاصل کی جاتی ہے یا ان کی تعظیم اور احترام کیا جاتا ہے گو یہ بھی درحقیقت خداوند سبحانہ و تعالیٰ کی تعظیم اور احترام ہی ہوتا ہے۔[1] اگر صاحبان مزارات میں خداوند عالم کے لئے عبودیت مطلقہ کی صفت نہ پائی جاتی تو کوئی بھی مسلمان ان کا اس قدر احترام نہ کرتا اور نہ ہی ان کی اتنی تعظیم کرتا۔ اگر ان میں احترام اور تعظیم کی صلاحیت پائی جاتی ہے تو صرف ان کے خدا کے لئے خالصۃً عبودیت اور بندگی ہی ہے جو لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ ان کا احترام اور تعظیم کی جائے۔

---

① بحارالانوار جلد ۹۷ صفحہ ۱۱۸: حدیث میں ہے کہ پیغمبر خدا نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا 'میرے بیٹے! ایسے لوگ میری امت کے مختلف گروہ ہوں گے جو تمہاری زیارت کریں گے اور اس کو ثواب سمجھ کر برکت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور مجھ پر فرض بن جاتا ہے کہ بروز قیامت میں ان کے پاس خود چل کر جاؤں اور قیامت کی ہولناک گھڑیوں میں انہیں گناہوں سے نجات دلاؤں اور اللہ انہیں بہشت میں پہنچائے گا۔

ہم نے اس بارے میں جو تفصیلی بحث کی ہے اس میں آیات قرآنی صحیح روایات، سیرت علماء کے فتاویٰ اور عقل کا سہارا لیا ہے اور ساتھ ہی علمی باتوں کو بھی پیش کیا ہے جن کے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[1] اور ساتھ ہی ہم نے وہاں پر ''بدعت'' اور ''شرک'' کے لغوی اور شرعی معنی بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں جن میں شک وشبہ کی کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے اور اس بات میں بھی شک نہیں ہے کہ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ ''انما الاعمال بالنیات''[2] اگر اعمال کا دارومدار نیت پر نہ ہوتا تو جو بھی شخص اپنی اولاد یا بیوی کے بوسے لیتا اسے مشرک سمجھا جاتا یا کسی بزرگ، استاد یا عالم کی تعظیم کرتا وہ فعل حرام کا مرتکب جانا جاتا۔

قارئین کرام اور بحث کرنے والوں سے میری یہی خواہش ہے کہ وہ ہر قسم کے تعصب سے پاک ہو کر غیر مشروط طور پر دلائل کے ساتھ بات کریں اور ایسی کسی قسم کی تحریر یا تقریر سے اجتناب کریں جس میں دلائل کا فقدان ہو اور ہم سب کو خواہشات سے ہٹ کر دلائل سے کام لینا چاہیے۔ سنت کی اتباع کرنا چاہئے تا کہ بدعت کی اور ہمیں سنت میں ہر تعصب سے خالی عقلوں اور کھلے دل کیساتھ دراصل ہونا چاہئے تا کہ ہمیں صحیح طور پر دینی اور دنیوی معلومات حاصل ہوں اور حلال وحرام سے واقفیت حاصل ہو اور راہ خدا میں کسی ملامت گر کی ملامت ہمارے آڑے نہ آنے پائے۔

---

① ملاحظہ ہو اسی ادارے کی کتاب متعلقہ باب الشبہات فصل التقبیل، السجود اور فصل التبرک۔

② وسائل الشیعہ جلد اول صفحہ ۳۴۔

مختلف قبائل کی تحریک میں مزارات کا کردار

مزارات کی تاریخ پر بحث اور گفتگو کرنے والا جس اہم چیز پر گفتگو کرتا ہے وہ ہے ان مزارات کی وہ مثبت تاثیر جو تاریخی لحاظ سے قومی معاشروں میں رونما ہوتی چلی آرہی ہے اس کی وجہ قبائل اور معاشروں کا ان مزارات کے ساتھ وہ گہرا اعتقادی تعلق ہے جو صدیوں سے ان کے ساتھ روحانی طور پر قائم ہے اور یہ ایک ایسا تعلق ہے جو زندگی کے مختلف ادوار میں قبائل کے افراد کے اندر جرأت پیدا کرتا رہا ہے اور آج تک اس کا سلسلہ جاری ہے چاہے وہ تعلق دینی لحاظ ہو یا ثقافتی، علاقائی، سیاسی، اقتصادی، فنی اور سماجی لحاظ سے اور اس طرح کے تعلقات مفصل علمی بحث اور نقد و نظر کے متقاضی ہیں اور حق تو یہ ہے کہ مذکورہ تعلقات کے ماہرین کو اس بارے میں معاشرتی اور علمی نقطہ نظر سے ہر ایک موضوع پر تفصیلی کتابیں تحریر کرنی چاہیں۔ کیونکہ بحث صرف مذکورہ موضوعات ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ انفرادی[1] طور پر بھی ان کے بارے میں تفصیلی بحث ہونی چاہئے اور علمی طور پر بھی اور یہ اس قدر زیادہ امور ہیں کہ ان کے بیان کے لئے جلدی میں لکھے جانے والے اس مقدمہ میں ان کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور ہم تو صرف اصل موضوع پر گفتگو کریں گے جس کے لئے یہ باب مخصوص کیا گیا ہے اور آگے چل کر بھی اگر کچھ گفتگو ہوگی تو صرف مختصر صورت میں جو صحیح معنوں میں مطلوبہ مقصد کو پورا نہ کر سکے بلکہ اس کی طرف صرف ایک طرح کا اشارہ ہوگا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگ پیدا کردے جو تفصیل کے ساتھ ان موضوعات پر خامہ فرمائی کریں۔

---

① بہت سے لوگ جب ان کے لئے ہر طرف سے راستے بند ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں مزارات کی طرف پناہ لیتے اور وہاں پر خدا سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں اور اپنی دعا اور مناجات میں صاحبان مزار کو خدا کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خداوند سبحانہ کے نزدیک ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور وہ خدا سے ہماری مشکلات کو حل کرا سکتے ہیں۔ ایسے موذی امراض جن کے معالجے سے ماہر معالجین عاجز آجاتے ہیں یا شدید ترین مصائب و مشکلات جن کو دور کرنے کی کسی میں سکت نہیں ہوتی اور اس طرح کی دوسری حاجات کو اللہ تعالیٰ ان بزرگوار ہستیوں کی بدولت پورا فرماتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے انہیں اپنی کرامت سے نوازا ہوا ہے اور وہ اولیاء خدا ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام حسینؑ اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''الٰھی ترکت الخلق طرافی ھواك۔وایتمت العیال لکی اراکا'' میرے معبود میں نے تیری محبت میں تمام مخلوق کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے بچوں کو تیرے دیدار کے لئے یتیم کر رہا ہوں۔ ''فلو قطعتنی بالحب اربا۔ لما مال الفنوا دالی سواکا'' محبت میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کردے پھر بھی دل تیرے غیر کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ ملاحظہ ہو اسی ادارے کی کتاب ''دیوان امام حسینؑ جلد دوم۔
ابن عباسؓ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حق میں رسول خداؐ کی ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا حسینؑ کے قبہ کے نیچے دعائیں قبول ہوتی ہیں اس کی تربت میں شفا ہے اور اس کی اولاد سے آئمہ ہوں گے۔ بحار الانوار ج نمبر ۳۶ ص ۲۸۶ منقول از کفایۃ الاثر ج نمبر ۱۷ جو تفصیل دیکھنا چاہتا ہے وہ اسی ادارہ کی کتاب ''باب فی ظلال الحسینؑ'' میں معجزات اور کرامات کو ملاحظہ فرمائے۔

سیاست میں مزارات کا کردار

جابر اور ظالم حکومتوں کی بنیاد پہلے ہی دن سے جھوٹ، فریب، مکر و دغا، حقائق کو مسخ کرنے اور عوام کو دھوکہ دینے پر رکھی گئی ہے اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ہر قوم اور قبیلے کے اپنے کچھ خاص عقائد، مفاہیم رسوم و رواج اور مقدسات ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی ان کے اس کائنات اور دینی امور و عقائد کے بارے میں اپنے مخصوص تصورات بھی ہیں، جب غیر شرعی حکومتیں جو انسانی اور الٰہی بنیادوں کی پرواہ نہیں کرتیں ان کے بارے میں مختلف قسم کے حیلوں بہانوں سے کام لے کر لوگوں کے شعور اور جذبات و احساسات کو اپنی مخصوص سیاسی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھاتی رہتی ہیں اور اسی بات ہی میں وہ اپنی حکومتوں کی بقا اور استحکام کا راز مضمر سمجھتی ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عوام الناس کے جذبات کو مثبت یا منفی صورت میں بھڑکا کر اپنا کام چلاتی رہتی ہیں حالانکہ وہ اس کے دوررس برے انجام سے بے خبر ہوتی ہیں، کیونکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ عرصہ دراز کے بعد اس کے کیا نتائج نکلیں گے اور نہ ہی انہیں مستقبل کی فکر ہوتی ہے اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ تاریخ انہیں کس نام سے یاد کرے گی وہ تو بس ایک نقد نہ تیرہ ادھار کے مصداق وقتی مصلحتوں کا شکار ہوتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ہاتھ میں آئی ہوئی ایک چڑیا، درخت پر موجود دس چڑیوں سے بہتر ہے اس لئے ہر طرح کے برے نتائج اور معاشرتی برائیوں اور مظالم کا شکار آنے والی نسلیں ہوتی ہیں کیونکہ حاسد حکومتیں عوام کو اس ڈگر پر چلاتی رہتی ہیں جس میں ان کے مفادات کارفرما ہوتے ہیں۔ اور ان کی سیاست کا محور قتل و غارت اور جلاوطنی ہوتی ہے جو وہ عوام کے لئے ایک لائحہ عمل کی صورت میں مرتب کرتی ہیں۔ اس بارے میں ہمارے پاس بہت سی مثالیں موجود ہیں جو ہمارے دعوے کی صداقت کا بین ثبوت ہیں، لیکن ہم ان کے ذکر سے اس لئے اجتناب کرتے ہیں تاکہ انہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو کیونکہ مثل مشہور ہے ''الحق مرٌّ'' (حق کڑوا ہوتا ہے)۔

اگر یہ حکومتیں برحق ہوتیں اور عوام الناس اور ان کی آنے والی نسلوں کے مفاد میں قدم اٹھائیں تو پھر یہ بے رحمانہ ظلم و ستم، قتل اور قید و بند کی صعوبتیں، ملک بدری اور جلاوطنی کی سزائیں کیسی؟

آمدم برسر مطلب جس موضوع کے تحت ہم نے یہ باب کھولا ہے اور جس کا آسانی کے ساتھ بند کرنے مشکل ہے وہ ہے مزارات مقدسہ اور عتبات عالیات کے ہر دور میں تشکیل پانے والی حکومتوں پر مرتب ہونے والے اثرات۔

شاید بادی النظر میں اس تاثیر کو ہم نہ دیکھ سکیں یا دیکھ بھی پائیں تو اس کی نسبت ماضی بعید کے ساتھ تعلق رکھنے والی

حکومتوں کی طرف دیں، اس لئے کہ دور حاضر میں حکومتوں کی پالیسیاں اور طریق کار بدل چکے ہیں، لیکن اگر موجودہ حکومتوں کے حالات پر تھوڑا سا بھی غور وفکر کیا جائے اور ان کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جو حقائق ماضی میں تھے وہی حال میں بھی ہیں اور ان میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی البتہ انداز بدل چکے ہیں اور وہ یہ کہ معاصر حکومتیں عوام کی سیڑھی استعمال کر کے برسر اقتدار آتی ہیں، لیکن ان کے سیاسی نظریات وہی پہلے ہیں یعنی عوام کے جذبات سے کھیلنا اور ان کے عقائد وافکار پر ڈاکے ڈالنا۔

جب ہم ماضی اور حال کی تاریخ کا تقابل کرتے ہیں اور بنظر غائر ان کا جائزہ لیتے ہیں ان کے سیاسی انداز کے بارے میں غور وفکر کرتے ہیں ان کے برسر اقتدار آنے کے طریقوں کو غور سے دیکھتے ہیں تو ایک ایسی حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے جس کا انکار قطعی ناممکن ہوتا ہے اور وہ یہ کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے یعنی ان کے وہی مستقل اور اٹل نظریات کہ جن میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ البتہ اسلوب کار اور انداز بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔

مندرجہ ذیل گفتگو سے پہلے ہم قارئین محترم کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس ادارہ کی تالیف ''تاریخ روضہ حسینی'' کا مطالعہ فرمائیں تا کہ بحث میں پیش آنے والے بعض پیچیدہ مسائل پہلے ہی حل ہو جائیں۔

چنانچہ جب ہم مذکورہ کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حکومتوں نے اسلامی سرزمین شرق اوسط پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہا خواہ وہ ساری حکومتیں تھیں یا ان میں سے کچھ حکومتیں، اسلامی تھیں یا غیر اسلامی، سنی تھیں یا شیعہ، مستقل تھیں یا غیر مستقل، سب نے لالچ یا دھونس دھاندلی کا سہارا لیا[1] اور اس قسم کی سیاست کا آغاز اموی دور حکومت سے ہوا۔ اور عالم اسلام پر اس طرح کے ظلم کا سلسلہ وہیں سے شروع ہوا اور اس کی انتہا ان استعماری حکومتوں پر ہوئی جو اس علاقے میں اپنے قبضے کی غرض سے آدھمکیں اور علاقے کی مادی اور معنوی وسائل پر قابض ہوئیں چنانچہ پہلے ہی دن سے کہ جس میں امام مظلوم سید الشہداء حسین بن علیہ علیہما السلام شہید ہوئے، اموی حکومت کے کارپردازوں نے ہر ممکن وسیلے سے آپؑ کی قبر مبارک کی زیارت سے لوگوں کو روکنا شروع کر دیا اور اس بارے میں مختلف سزائیں مقرر کیں، لالچ اور دھونس کے ذریعہ آپؑ کی قبر کی زیارت کے لئے لوگوں کو روکتے رہے۔ اور اس کا اصل سبب یہ تھا کہ اموی حکمران اس قبر میں محو استراحت شخصیت

---

① سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ لوگوں نے لفظ ''سیاست'' کو غلط معانی میں استعمال کیا ہے۔ اور ہر طرح کی برائی کا نام سیاست رکھ لیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اسی ادارہ کی کتاب ''حسینی تحریک کے سیاسی عوامل'' کا باب۔

یعنی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی عظمت کو جانتے تھے اور انہیں اس بات کا بھی اچھی طرح علم تھا کہ اس زیارت کے کس قدر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور انسان کس طرح ظالموں کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لئے لوگوں کے دلوں پر کیونکر وہاں سے عزم واستقلال اور قوت وطاقت کا درس حاصل کرتا ہے! لہٰذا بنی امیہ کے نزدیک قبر سید الشہداءؑ پر بجا لائے جانے والے اعمال اور وہاں پر مانگی جانی والی دعاؤں کا شمار بھی سیاسی اعمال میں ہوتا تھا جسے وہ ہر ممکن طریقے سے ختم کرنے کے درپے رہے۔

اس زندہ جاوید اور نورانی قبر اطہر کے بہت سی تبدیلیوں، کثیر واقعات اور انقلابات کے برپا کرنے میں گہرے اثرات ہیں جو ہر دور اور زمانے میں رونما ہوتے رہے، چنانچہ اس کی ایک جھلک ہمیں ''جماعت توابین''[1] کے اس اقدام میں نظر آتی ہے جو وہ امام عالی مقامؑ کی قبر مبارک پر کھڑے ہو کر آپ سے مخاطب ہوتے ہیں اور آپ سے معافی مانگ کر خدا کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں اور دشمن کے ساتھ جنگ کے لئے پختہ عزم کرتے ہیں اور خدا سے اس عظم کی تکمیل کے لئے دعا مانگتے ہیں کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ افکار اور عقائد کی زندگی اجسام واجساد کی زندگی سے زیادہ پائیدار اور بادوام ہوتی ہے۔ پھر مختار ثقفی[2] کے انقلاب کا دور آتا ہے، چنانچہ اس انقلاب نے لوگوں کی حضرت سید الشہداءؑ اور ان کے یار وانصار کی عظمت سے محبت، گہری وابستگی اور پختہ ایمان کا خوب فائدہ اٹھایا اور اسی کے بل پر اموی اقتدار جو جبر وتشدد اور ظلم واستبداد کی بنیادوں پر استوار تھا، کے خلاف انقلاب برپا کر کے اس کی چولیں ہلا دیں۔

---

① ''توابین'' کی جماعت کا تعلق شیعیان اہلبیتؑ سے تھا اور جب اموی لشکر نے سید الشہداء علیہ السلام کا گھراؤ کر کے انہیں شہید کر دیا تو اس وقت یہ لوگ امام مظلومؑ کی نصرت سے قاصر رہے تھے لیکن بعد از واقعہ کربلا یہ لوگ مظلوم کربلاؑ نصرت نہ کرنے پر پشیمان ہوئے اور سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب فزاری، عبداللہ ازدی، رفاعہ بجلی اور عبداللہ تمیمی کی قیادت میں اکٹھے ہوئے اور بنی امیہ کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، البتہ یہ واقعہ یزید کی ہلاکت کے بعد ۶۴ھ میں پیش آیا مزید تفصیل کے لئے اسی ادارے کی کتاب ''اضواء علی مدینۃ الحسینؑ'' اور باب ''الحسین حرکۃ تلد اخری'' کا مطالعہ کیا جائے۔

② مختار ثقفی یعنی ابو اسحاق مختار بن ابی عبیدہ بن مسعود ثقفی بنی امیہ کی حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنے والے قائدین میں اس کا شمار ہوتا ہے اور بہت بڑا بہادر انسان تھا امویوں کے خلاف انقلاب برپا کیا حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کا تعاقب کر کے ان لوگوں کو چن چن کر قتل کیا جن کا مظلوم امامؑ کے قتل میں کسی قسم کا حصہ تھا اور وہ اس جرم میں کسی بھی طرح شریک تھے مصعب بن زبیر کے ساتھ جنگ میں ۶۷ھ میں جام شہادت نوش کیا اور سولہ مہینے حکومت کی مزید تفصیل کے لئے ادارہ ہذا کی کتاب کا باب ''الحسین حرکۃ تلد اخری''

جب بنی مروان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو انہوں نے سید الشہداءؑ کی قبر مطہر کی زیارت پر نئے آنے والے زائرین پر پابندی لگا دی لیکن عوامی ردعمل کے خوف سے کہ کہیں ان کے عقائد کو ٹھیس نہ پہنچے، قبر مطہر کو کسی قسم کے نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی حکومت کے دوام اور بقاء کے لئے مختلف نیرنگیوں اور حیلہ سازیوں سے کام ضرور لیتے رہے اور کمال بے شرمی اور کینہ توزی کے تحت امام مظلوم کی ذات پر سب وشتم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حالانکہ امام مظلوم ان کے پایہ تخت سے کوسوں دور کربلا کی خاک میں محو استراحت تھے۔ اس سے ان کا مقصد عوام الناس کے دلوں سے آپؑ کی یاد مٹانے اور ان کے ذہنوں میں آپ نورانی تصویر کو خدشہ دار کرنا تھا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ ہمہ خاک شدہ کے مصداق یہ حکمت عملی بھی ان کے کسی کام نہ آئی، حالات نے ان کا پھر بھی ساتھ نہ دیا کیونکہ اسی اثنا میں ایک طرف تو حضرت زید[1] کی تحریک نے انقلابی صورت اختیار کر لی اور دوسری طرف سے ''صاحب فخ''[2] کی تحریک نے سر اٹھا لیا اور یکے بعد دیگرے دوسرا انقلاب رونما ہوتا چلا گیا[3] اور اس قسم کی تمام انقلابی تحریکیں کربلا کی سر زمین میں آسودہ خاک کے خون کا انتقام لینے کے لئے معرض وجود میں آتی گئیں۔ اموی دور اقتدار کے خاتمہ کے بعد عباسیوں نے جب زمام اقتدار سنبھالی تو اس مظلوم کے پیروؤں اور حبداروں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے اور اس قدر مظالم ڈھائے کہ اموی دور حکومت کے مظالم شرم سار ہو گئے۔ حالانکہ بنی عباس نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے قرابت کی بنا پر ان کے خون کا بدلہ لینے کا نعرہ لگایا اور اسی منشور کا اعلان کر کے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا، کیونکہ لوگوں کو اس شہید راہ خدا کے ساتھ محبت، خلوص اور خصوصی تعلق تھا، مگر جب بنو عباس کو حکومت مل گئی اور اسے استحکام حاصل ہو گیا اور عوام پر ان کی گرفت مضبوط ہو گئی تو مکر و فریب اور کذب افتراء کے تمام پردے چاک ہو گئے۔ اور ان کا اصلی چہرہ کھل کر سامنے آ گیا۔ منصور عباسی[4] نے سید الشہداءؑ کی قبر کو منہدم کرانے کی کوشش کی اور آپؑ کے دوستوں کو آپؑ کی قبر کی زیارت سے روکنے کی تا حد امکان کوشش کی۔

---

① حضرت زید جنہیں زید شہیدؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے فرزند ہیں (٦٦ھ تا ١٢١ھ) اموی حکومت کے خلاف قیام کیا اور ان سے لڑتے ہوئے کوفہ میں شہید ہوئے۔

② ''صاحب فخ'' حضرت حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ علیہم السلام نے ١٦٩ھ میں مکہ کے قریب ''فخ'' کے مقام پر عباسی لشکروں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

③ ملاحظہ ہو اسی ادارے کی کتاب ''الحسین حرکۃ تلد اخری''

④ منصور کا اصل نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس دوسرے عباسی خلیفہ ١٣٦ھ سے ١٥٨ھ تک حکومت کی۔

اس کے بعد ہارون① نے زمام اقتدار سنبھالی اور منصور ہی کے منشور کو اپنایا اور یہ سلسلہ متوکل② عباسی تک جا پہنچا اور اس شخص نے تو مظلوم کربلا کی قبر کے نشانات تک مٹا دینے اور لوگوں کے دلوں سے یاد ختم کر دینے کے لیے چار مرتبہ قبر مبارک پر ہل چلوائے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بجائے قبر کے نشانات مٹانے یا دلوں سے یاد ختم کرنے کے لوگوں کے غیظ وغضب اور غم وغصے میں شدت پیدا کر دی اور اس سے نفرت کی بنا پر ہر طرف لوگوں کی جانب سے اس کے قبیح افعال کی وجہ سے اس پر اشعار کے تیر اور باتوں کے پتھر برسنے لگے۔③ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اسے اس کے اپنے ہی④ بیٹے نے بڑے برے طریقے سے قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچا دیا اور اسے اپنے اس جرم کی سزا مل گئی جو اس نے میدان کربلا میں شہید کربلا کی قبر پر ہل چلوانے کی کوشش کی تھی۔

دیکھا آپ نے! مختلف حکومتوں اور بادشاہوں نے اس مقدس قبر کے بارے میں کیسی کیسی پالیسیاں بنائیں، کچھ تو وہ تھیں جنہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس کی تعظیم واحترام کیا اور اسے آباد کرنے کی کوشش کی اور کچھ وہ جو اسے منہدم کرنے اور اس نور کو خاموش کرنے کی سعی لا حاصل کرتی رہیں۔ لیکن

ع...... فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے............ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

کئی عربی، ترکی، فارسی اور ترکمانی حکومتیں برسر اقتدار آتی رہیں جو اس قبر مبارک کی عزت واحترام اور تعظیم اکرام اور تقدس کے اظہار کے لیے ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں لگی رہیں۔ اور اس کی آبادکاری کے لیے طلائی دینار اور اشرفیاں خرچ کرنے میں اپنی سعادت سمجھتی رہیں۔ جبکہ کچھ ایسی حکومتیں بھی اقتدار پر قابض ہوئیں۔ جو اس پر لگا ہوا سرمایہ لوٹ کا فوجوں اور سامان حرب وضرب پر خرچ کرتی رہیں۔

یہ سب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالم اسلام کے اس حساس اور اہم خطے میں اس قبر منور کی انتہائی سیاسی اہمیت ہے اور یہ اہمیت یا تو صاحب قبر کے ساتھ محبت اور ولاء پر مبنی ہے یا پھر بغض وعناد پر۔

---

① ہارون جو ہارون الرشید کے نام سے مشہور ہے۔ محمد محسن عباسی خلیفے کا بیٹا اور پانچواں عباسی حکمران ہے ۱۷۰ھ سے ۱۹۳ھ تک حکومت کی اور بغداد اور رقہ کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔

② متوکل جو متوکل علی اللہ کے نام سے مشہور ہے اس کا نام جعفر اور باپ کا نام محمد معتصم ہے (۲۰۶ تا ۲۴۷ھ) دسواں عباسی خلیفہ ہے۔ ۲۳۲ھ میں تخت حکومت کو سنبھالا۔

③ اس کی تفصیل اس کتاب کے باب ''قبر حسینؑ کی تاریخ'' کے تیسری صدی کے حالات میں بیان ہوگی۔

④ اس کے بیٹے کا نام محمد لقب منتصر باللہ ہے، گیارھواں عباسی خلیفہ ہے ۲۴۷ھ تا ۲۴۸ھ حکومت کی۔

اسی طرح سے سلاطین برسر اقتدار آتے رہے۔ تخت حکومت گرتے اور سنبھلتے رہے اور بادشاہ اور فوجی حکام مرتے اور مارتے رہے۔ چنانچہ مولف ''کلیدار''[1] سلطان سلیمان قانونی کی حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے والد بزرگوار حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی قبور مطہرہ کی زیارت اور اس کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ جب وہ ان مقدس مقامات کی زیارت کو تشریف لے گئے تو بڑے خشوع وخضوع کا اظہار کیا اور دور دراز کے مقام سے پیدل چلنا شروع کر دیا۔ جب ان کی نگاہ ان مزارات کے نورانی گنبدوں پر پڑیں۔ تو جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور گھوڑے پر سوار رہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ گھوڑے سے اترے اور فی البدیہ یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا

تزاحم تيجان الملوك ببابه   ويكثر عند الاستلام ازدحامها

اذا مارأته من بعيد ترجلت   وان هي لم تفعل ترجل هامها

ان کے دروازے پر بادشاہوں کے تاج ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور انکی قدم بوسی کے لیے لوگوں کا جم غفیر ہوتا ہے۔
جب بادشاہ دور سے انہیں دیکھتے ہیں تو پیدل چلنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو انکے سر ہی مجبوراً پیدل چلنا شروع کر دیں۔

اس بات سے بخوبی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عراق میں موجود عتبات عالیات کا اسلامی خطے مشرق وسطی میں عالمی توازن برقرار رکھنے میں کس قدر ہاتھ ہے اور یہ کس حد تک مؤثر اور طاقتور ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ سلطان سلیمان قانونی[2] بذات خود کس قدر جنگجو، فاتح اور مرد میدان تھا۔ وہی شخصیت ہی تو ہے جس نے ایک طویل عرصے تک یورپ کو اپنے زیر نگیں رکھا ہوا تھا اور مشرقی یورپ کی بساط لپیٹ کر رکھ دی تھی اور اس وقت کی عظیم سلطنت کے پایہ تخت ''ویانا''[3] تک جا پہنچی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف میں موجود عتبات عالیات کے تقرب اور ان کی رضا کے حصول اور عوام الناس

---

① ''کلیدار'' عبد الجواد بن علی آل طعمہ جن کی وفات ۱۳۷۹ھ میں ہوئی، کتاب کربلا وحائر الحسینؑ'' کے مؤلف ہیں اور بغداد سے روزنامہ ''الاحرار'' شائع کیا کرتے تھے۔

② ''سلیمان قانونی'' دسویں عثمانی خلیفہ ہیں، سلیمان اول کے نام سے مشہور تھے بایزید ثانی کے فرزند ہیں ۹۲۶ھ سے ۹۷۴ھ تک حکومت کی۔

③ ''ویانا'' موجودہ دور میں آسٹریا کا دار الحکومت ہے، عثمانیوں نے ۱۰۹۴ھ بمطابق ۱۶۸۳ء میں ایک طویل جنگ کے بعد اس کا محاصرہ کرنے کے بعد اس پر قابض ہو گئے۔ اس جنگ میں عثمانیوں کو بہت سے مقامات پر فتح حاصل ہوئی جن میں سے زیادہ مشہور ''موہاکس'' کا واقعہ ہے جو ۹۳۲ھ بمطابق ۱۵۲۶ء میں رونما ہوا۔ جس میں سلطان سلیمان قانونی نے آسٹریا کے سامنے والی حکومت کے محاذ پر کامیابی حاصل کی۔

کے دلوں میں جگہ بنانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا؟ آپ خود ہی اب قبور مقدسہ کی معنوی اور روحانی طاقت کا اندازہ لگائیں! اور یہ دیکھیں کہ ان میں کس قدر تاثیر کی قوت موجود ہے! سلطان سلیمان نے عتبات مقدسہ کی کس حد تک جلیل القدر خدمات انجام دیں ارواح آئمہ سے نصرت کی درخواست کی، دور سے گنبد مبارک کو دیکھ کر گھوڑے سے اترے اور روضہ انور تک پیدل چلتے رہے۔ جس شخص نے ''مرۃ بن قیس''[1] کی داستان میں غلط بیانی کی اور اسے جھٹلایا تو اسکی زبان کٹوا دی، جس نے سلطان کو زندہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام پر فضیلت دی اسے قتل کرا دیا۔ یہ سب کچھ کس لیے تھا؟ فقط اس لیے کہ شیعہ عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی جائے اور روضہ ہائے منورہ کی محبت حاصل کی جائے تا کہ عراق میں اپنی حکومت کو مضبوط و مستحکم بنایا جا سکے۔ مشرق اوسط میں عالمی توازن کو برقرار رکھنے میں یہی عتبات مقدسہ ہی مؤثر اور کارگر اور ''حکمران طاقتوں کے نفوذ کو مضبوط کرتی ہیں''[2] ان علاقوں پر سلطان سلیمان کا طرز حکومت اس طرح کا تھا اور جن حکومتوں اور حکمرانوں نے اس کے ساتھ جنگ کرنے کی کوشش کی اس طریقے سے اس نے ان کے تمام حربے ناکام بنا دیئے برطانوی فوجوں کی پیش قدمی روک دی اور برطانوی فوجوں کے ڈر سے عثمانی فوج سے بھاگ جانے والوں کو جنوبی عراق کے باشندوں کے ساتھ آ ملنے کی دعوت دی، اس طرح اس نے عراقی عوام اور مسلم امہ کی نگاہوں میں برطانوی فوجوں کے قبضے کو قابل نفرت بنا دیا اور اس کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا اور عثمانی حکومت نے انگریزوں کی سیاہ کاریوں سے پردہ اٹھا کر اس کا اس کا خوب چرچا کیا۔[3]

---

① ''مرۃ بن قیس'' شاید اس کو غلطی سے مرۃ بن قیس کہا گیا ہے۔ جبکہ اصل میں ''قرۃ بن قیس حنظلی ہے یہ وہ شخص ہے جو واقعہ کربلا میں عمر بن سعد کے لشکر میں تھا۔ اور یہ بھی امکان ہے کہ اس سے مراد مرۃ بن منقذ بن نعمان عبدی قیسی ہو جس نے کربلا میں شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کو شہید کیا تھا۔ ملاحظہ ہو اسی کی کتاب ''معجم بن قاتل الحسین''

② ملاحظہ ہو کتاب ''اربعۃ قرون من تاریخ العراق الحدیثۃ''

③ ملاحظہ ہو کتاب ''تاریخ کربلا و حائر الحسین'' ص ۲۵۸ قدر تصرف کے ساتھ۔

مؤلف ''طعمہ'' ① کہتے ہیں ۔عراق میں'' سرکاری اخبار'صدائے اسلام کے مطابق انگریز لوگ ڈاکٹروں اورنرسوں پر مشتمل ٹیمیں مسلم ممالک میں لے آتے ہیں ۔تاکہ مریض کے علاج کے بہانے مسلمانوں کوعیسائی مذہب اختیار کرنے کی تلقین کریں اور وہ لوگ اذان کے وقت زور زور سے ناقوس بجاتے تاکہ مسلمان اذان کے کلمات ''لا الا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' کی آواز نہ سن سکیں۔جب مسلمانوں نے اس بات کی شکایت فوجی حکام سے کی تو انہوں نے جواب دیا'' آپ کیا کہتے ہیں ہم تو عنقریب یہ ناقوس کربلا اور نجف اشرف کے منبروں اور شیخ عبدالقادر جیلانی③ کے گنبد پر بجائیں گے اور عنقریب ہم اسلامی عبادت گاہوں کے اوقاف پر قبضہ کرکے ان کے اموال کو گرجوں④ پر خرچ کریں گے ''اور ساتھ ہی قابض انگریز حکومت نے لوگوں کے اذہان پر عراق پر عثمانیوں کی حکومت کے عیوب ونقائص بڑے زور وشور سے ثبت کرنے کی کوشش کی۔

---

① ''طعمہ'' ان کا اصل نام'' سلمان ہادی آل طعمہ'' ہے۔معاصر عراقی شاعر اور اور صاحب تحریر ہیں ۔اس کی تالیفات میں سے ہے کربلاء فی الذاکرۃ'' تراث کربلا'' اور'' تاریخ مرقدین''

② ''صدائے اسلام'' اخبار کا نام ہے جسے عثمانی فوج بغداد سے دو زبانوں عربی اور ترکی میں شائع کرتی تھی۔''رؤف چادر چی'' اس کے مدیر تھے اس کا پہلا شمارہ ۲۳ جولائی ۱۹۱۵ء مطابق ۱۱ رمضان ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوا یہ ایسا ہی روزنامہ تھا جو جمعہ کے علاوہ ہر روز شائع ہوتا تھا جب انگریزوں نے بغداد پر قبضہ کیا تو اس کی اشاعت کو بند کردیا۔

③ شیخ عبدالقادر جیلانی یا گیلانی ابن موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ بن محمد گیلانی (۴۷۰۔۔۵۶۰ھ) سلسلہ قادریہ کے بانی ہیں عظیم صوفیاء کرام میں شمار ہوتے ہیں بغداد میں رہے اور وہیں پر مدفون ہیں ان کی تالیفات میں سے ''فتح ربانی'' ''الغنیۃ لطالبی طریق الحق'' (المعروف غنیۃ الطالبین) زیادہ مشہور ہیں بغداد میں ان کی زیارت گاہ ہے۔

④ ملاحظہ ہو''الاحتلال البریطانی والصحافۃ العراقیۃ'' (انگریزوں کا قبضہ اور عراقی صحافت) صفحہ ۴۷ منقول از اخبار صدائے اسلام بغداد مندرجہ ذیل تاریخوں کے شمارہ جات۔۱۳ ستمبر ۱۹۱۵ء، ۳۰ ستمبر ۱۹۱۵ء۔۱۲ اپریل ۱۹۱۶ء۔۱۵ اپریل ۱۹۱۶ء۔

چنانچہ انگریزوں کے سرکاری اخبار ''العرب''[1] نے عثمانیوں کی تنقیص اور قابض انگریزوں کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ انگریز دینی مقدسات اور عبادت گاہوں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی چیز کے پیش نظر عثمانیوں کے دور میں کربلا معلیٰ میں رونما ہونے والے حوادثات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اخبار لکھتا ہے۔ ''ترکوں (عثمانیوں) نے (حضرت امام حسینؑ) گنبد مطہر پر گولہ باری کی اور حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے روضہ مقدسہ کی بڑی گھڑی پر سینکڑوں گولے داغے'' عوام کے جذبات کو مزید بھڑکانے کے لئے اخبار نے اپنی اشاعت میں ترک کمانڈر انچیف خلیل پاشا کی طرف ایک بیان کو منسوب کیا کہ پاشا نے کہا تھا اور میں ''حسینؑ ابن علیؑ اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ضریحوں کو تباہ کر دوں گا اور انہیں جڑ سے اکھیڑ دوں گا اور ان میں موجود ہر شئے کو مدینہ منورہ منتقل کر دوں گا''۔ اخبار کا مقصد لوگوں کے جذبات کو ابھارنا اور یہ بتانا مقصود تھا کہ عثمانیوں نے ان مقدس روضوں کی کوئی خدمت نہیں کی چنانچہ اخبار آگے چل کر قارئین کو متوجہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کبھی آپ نے اپنی زندگی میں سنا ہے کہ ان لوگوں (عثمانیوں) نے ان مقدس اور مطہر روضوں کی کوئی قابل ذکر خدمت کی ہے؟[2] اب ہم ایران کے بادشاہوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ ان مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے آتے تو سب سے پہلے شہر سے باہر قیام کرتے اور رات وہیں پر گزارتے تاکہ ان مقامات پر کربلا کے خونین معرکہ کے بعد آسودہ خاک ہستیوں کی زیارت کے لیے مکمل طور پر تیار ہو کر شہر میں داخل ہوں چنانچہ جب وہ کسی حرم مقدس میں داخل ہونا چاہتے تو نہایت ہی خضوع و خشوع اور عاجزی و انکساری کے ساتھ ان مقدس حرموں کی طرف جاتے سب سے پہلے چوکھٹ کا بوسہ لیتے اذن دخول پڑھ کر اندر جاتے اور ساری ساری رات دعا اور توسل میں مشغول رہتے ہم خصوصیت کے ساتھ سلاطین دیلمہ بویہی[3]

---

① اخبار ''العرب'' انگریزوں کا پہلا عربی اخبار جو بغداد سے شائع ہوتا تھا۔ اس کا پہلا شمارہ ۴ جولائی ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۴ رمضان ۱۳۳۵ھ کو دو صفحات پر شائع ہوا۔ پہلے سہ روزہ اخبار تھا بعد میں روزنامہ کی صورت میں شائع ہونے لگا۔ یہ ایک عمومی سیاسی اخبار تھا جو ''جان فلپ'' کے زیر ادارت شائع ہوا اس کا آخری شمارہ ۳۱ مئی ۱۹۲۰ء بمطابق ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ کو شائع ہوا اور اس کے بعد بند کر دیا گیا۔

② ملاحظہ ہو کتاب ''انگریزوں کا قبضہ اور عراقی صحافت'' (صفحہ ۲۵۶)۔ منقول از اخبار ''العرب'' بغداد۔ شمارہ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۱۷ء بمطابق ۲۴ محرم ۱۳۳۶ھ

③ ''دیلمہ بویہی'' ایرانی قبیلہ جس نے ایران پر ۳۲۰ھ تا ۴۴۷ھ حکومت کی اور انکی حکومت کا سلسلہ بغداد تک جا پہنچا۔ اس کے موسس ابوشجاع بویہ دیلمی تھے۔ سلجوقی خاندان نے ان کی حکومت کا خاتمہ کیا۔

اور صفوی① وغیرہ کا تذکرہ کریں گے۔②"وہابیوں" نے جب نجد اور حجاز③ پر حکومت حاصل کی تو کربلائے معلیٰ کو اپنی غارت گری کا نشانہ بنایا، مظلوم کربلا کی قبر کو مٹا دیا اور اس کے تمام خزانے اور نفیس اور قیمتی چیزیں اپنے ساتھ لے گئے۔ تاکہ وہ اس مال سے جزیرہ نمائے عرب میں قائم اپنی حکومت کو مضبوط و مستحکم کر سکیں اور اپنی بنیادی تعلیمات پر خرچ کریں④ جبکہ اس سے پہلے "قرامطہ"⑤ اور "شعشاعیون"⑥ نے بھی غارت گری اور سرقت کے ذریعے حرم حسینی کو تاراج کیا تھا۔

---

① "صفوی خاندان" کا تعلق علوی سادات سے ہے۔ انہوں نے ایران اور عراق پر ۹۰۷ھ تا ۱۱۴۹ھ تک حکومت کی۔ صفی الدین اردبیلی کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے یہ "صفوی" کہلاتے ہیں۔ اس سلسلے کا بانی سلطان اسماعیل اول بن حیدر اردبیلی تھا۔ ان کی حکومت کا پایہ تخت پہلے تبریز تھا پھر قزوین اور آخر میں اصفہان تھا۔ نادر شاہ افشاری کے ہاتھوں اس خاندان کی حکومت زوال پذیر ہوئی۔

② فرقہ "وہابیہ" (یا وہابی ٹولہ) کا حنبلی فقہ سے تعلق ہے جس سے "سلفی" گروہ بھی منظر عام پر آیا ہے۔ وہابی ٹولے کے داعی محمد بن عبدالوہاب تمیمی متوفی ۱۲۰۶ھ ہے۔ اس فرقے کی ساری کاوشیں "ابن تیمیہ" کی تعلیمات پر مبنی ہیں جزیرہ نمائے عرب میں محمد بن سعود نے اس کے پروان چڑھانے میں کافی مدد کی ہے۔

③ "نجد اور حجاز" جزیرہ نمائے عرب میں دو مستقل ریاستیں ہیں۔ عبدالعزیز بن سعود نے ۱۲۹۸ھ تا ۱۳۷۲ھ کے دوران ابن رشید سے نجد اور سلطان شریف حسین سے حجاز کی حکومتیں چھین کر ۱۳۵۱ھ میں اپنی مستقل حکومت کا اعلان کر دیا۔

④ کربلائے معلیٰ پر فرقہ وہابیہ نے چار مرتبہ دھاوا بولا۔ پہلی مرتبہ ۱۲۱۶ھ میں دوسری مرتبہ ۱۲۲۳ھ میں تیسری مرتبہ ۱۲۲۵ھ میں اور چوتھی مرتبہ ۱۲۲۶ھ میں۔ بلکہ بعض روایات کے بقول اس سے بھی زیادہ مرتبہ انہوں نے کربلا معلیٰ کو تاراج کیا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اس ادارہ کی کتاب کی فصل "سیاسی تحریک" باب "اضواء علی مدینۃ الحسین"

⑤ "قرامطہ" مذہب کے نام پر غیر مذہبی تحریک کا نام ہے جس کا بانی ابوسعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی۔ متوفی ۲۸۶ھ ہے۔ اس تحریک کی حکومت بہت سے اسلامی اور عربی علاقوں پر قائم رہی اور بحرین کبریٰ کے علاقے میں ۴۱۸ھ میں عیونی حکام کے ذریعہ اس کا خاتمہ ہوا۔

⑥ "شعشاعیون" فلاح بن محمد مشعشعی یا بقولے منصور مشعشعی نے عراق اور ایران کے جنوب میں ایک حکومت قائم کی جسے "مشعشعی حکومت" کہا جاتا تھا۔ اس کی بنیاد ۸۴۰ھ میں رکھی گئی اور اس کا خاتمہ ۱۰۲۵ھ میں ہوا۔

لیکن اس کے بالکل برعکس ہندوستان میں تحریک آزادی کے ایک ہیرو مسٹر گاندھی (جو مسلمان نہیں بلکہ ہندو تھے) نے اپنی تحریک آزادی کا سبق سرور آزادگان حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے سیکھا اور ظالم کے ساتھ ٹکرا جانے کا درس انہی سے لیا چنانچہ مسٹر گاندھی کا ایک مشہور جملہ ہے کہ "میں نے مظلوم بن کر ظالم پر فتح پانے کا سبق حسینؑ سے سیکھا ہے"[1] زمانہ گزرتا رہا اور ہم نے اپنی معاصر تاریخ میں دیکھا کہ جب ایران میں تیل کی صنعت کو قومیانے کے لیے ڈاکٹر "مصدق"[3] نے انقلاب برپا کیا تو "پہلوی دوم"[2] کو ملک سے راہ فرار اختیار کرنا پڑی اور وہ سیدھا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کو جا پہنچا اور آپؑ کی ضریح اقدس کے سامنے سرنگوں ہو کر کھڑا ہو گیا اور زار و قطار رونے لگا اور وہاں پر گڑگڑا کر اپنی حکومت کی واپسی کی آپؑ کے توسل سے دعائیں مانگیں۔ اس وقت کے ذرائع ابلاغ خصوصاً اخبارات نے اس کی اس خبر کو تصویروں کے ساتھ شائع کیا۔ کہ کس طرح ذلت اور خشوع کے ساتھ سر جھکائے دعا مانگ رہا ہے۔ اس سے اس کا اصل مقصد ایرانی عوام کی ہمدردی حاصل کرنا تھا، اور یہ اظہار کرنا تھا کہ وہ ایک دیندار اور محب اہل بیت اطہارؑ ہے۔ چنانچہ جب وہ وطن واپس لوٹ آیا تو آتے ہی خوابوں کے قصے کہانیوں کا پروپیگنڈا شروع کر دیا اور عالم خواب میں آئمہ اطہار علیہم السلام اور ان کی اولاد امجاد کے ساتھ ملاقاتوں کی نشر و اشاعت کرنے لگ گیا تا کہ وہ اس طرح سے عوام کی ہمدردی اور ان کا وثوق حاصل کر سکے۔ چنانچہ ان پروپیگنڈوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ "حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے میرے اعمال وافعال کی مبارک باد پیش کی" اس طرح سے گویا وہ یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اسے حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی بھی تائید و حمایت حاصل ہے۔ اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت عباس علیہ السلام کی عظیم قدر و منزلت ہے۔[2] رسالہ "التوفیق تہران ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء اور دیگر ایرانی اخبارات و رسائل۔

---

[1] ملاحظہ ہو ادارہ ہذا کی مطبوعہ کتاب "قالوانی الحسینؑ" کا باب۔

[2] پہلوی دوم سے مراد محمد رضا بن رضا بن عباس المعروف شہنشاہ ایران (۱۳۳۸۔۱۴۰۰ھ) اپنے باپ کے سلطنت سے معزول کئے جانے کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا (۱۳۶۰۔۱۳۹۹ھ)

[3] مصدق سے مراد محمد بن ہدایت آشتیانی المعروف ڈاکٹر مصدق ہے۔ ۱۲ رجب ۱۳۰۰ھ میں ایران میں پیدا ہوئے ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۰ھ میں ایران کا وزیر اعظم بنا۔ اسی سال شاہ ایران کی حکومت کا تختہ الٹا اور برطانوی حکومت کے ساتھ تیل کی صنعت کے معاہدے کو منسوخ کر کے پٹرولیم کی صنعت کو قومی تحویل میں لے لیا۔ لیکن ۱۹۵۳ء مطابق ۱۳۷۲ھ کو وزارت عظمیٰ سے معزول کر دیا گیا اور تین سال تک جیل میں بند رہا۔ ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ بروز بدھ جیل میں ہی وفات پائی۔

ان سب ظاہری امور اور کیفیات کا صحیح طور پر سمجھنا اور حقیقت تک رسائی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہم صاحب قبر کے عظیم سیاسی اثرات کا اچھی طرح ادراک نہ کرلیں۔

دنیا بھر کی اسلام کی عظیم شخصیتیں خواہ وہ بادشاہ ہوں یا سربراہ مملکت، صدور ہوں یا وزرائے اعظم جب بھی عراق کا دورہ کرتے ہیں وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو ضرور جاتے ہیں۔ تاکہ اس طرح سے وہ اپنی مملکت کے عوام کے لئے یہ ثابت کرسکیں کہ انہیں سید الشہداء علیہ السلام سے عقیدت ہے اور ان کی ولاء کے حلقہ ارادت میں ہیں اور یہ بھی انہیں بتاسکیں کہ وہ ان کے اور ان کے جد امجد حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کے والد گرامی حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ شاید اس طرح سے ان کی حکمرانی قائم رہ سکے یا اس کے حصول میں کامیاب ہوسکیں۔

دوسری جنگ خلیج[1] میں ''جارج بش''[2] نے عوامی جذبات کے احترام کے پیش نظر یہ بات زور دے کر بیان کی کہ عراق کے روضہ ہائے مقدسہ کا مکمل طور پر احترام پیش نظر رکھا جائے گا۔[3] اور ساتھ ہی اس بات کی تاکید بھی کی کہ اتحادی فوجیں ان مقدس مقامات کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔

---

(1) ''خلیج کی دوسری جنگ'' کا اطلاق اس لڑائی پر ہوتا ہے جو امریکہ کی زیر قیادت اتحادی فوجوں اور عراقی صدر صدام حسین کی زیر قیادت عراقی فوجوں کے درمیان ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۴۱۱ھ میں ہوئی جس کا اصل سبب عراق کی کویت پر جارحیت تھی۔ امریکہ نے اس جنگ کو ''صحرائی جھکڑ'' کا جبکہ عراق نے اسے ام المعارک'' (لڑائیوں کی ماں) کا نام دیا تھا۔ جبکہ ''خلیج کی پہلی جنگ کا اطلاق'' عراق کی ایران سے جنگ پر ہوتا ہے جو ۱۴۰۰ھ تا ۱۴۰۸ھ بمطابق ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۸ء تک مسلسل آٹھ سال تک جاری رہی۔

(2) ''جارج بش'' ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوا۔ امریکی صدر رونالڈ ریگن کے دور صدارت میں نائب صدر بنا۔ ۱۴۱۰ھ تا ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۳ء ملک کے منتخب صدر کی حیثیت سے امریکہ پر حکومت کی۔ ۱۴۱۱ھ میں دوسری جنگ خلیج میں عراق کے خلاف عربی اور یورپی اتحادی فوجوں کے سربراہ کی حیثیت سے جنگ کی قیادت کی۔

(3) ملاحظہ ہو لندن سے شائع ہونے والا اخبار ''الشرق الاوسط'' صفحہ ۲ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۹۱ء بمطابق ۱۳ رجب ۱۴۱۱ھ اور اس سے کچھ عرصہ قبل شائع ہونے والے دوسرے مقامی اور بین الاقوامی اخبارات''

لیکن اس کے برعکس اسی جنگ کے دوران ① صدام حسین نے اتحادی فوجوں پر سید الشہداء علیہ السلام کے روضہ مقدسہ پر گولہ باری کا الزام لگایا۔ ② پھر ہم دیکھتے ہیں کہ خلیج کی جنگ میں شکست کھانے کے بعد اسکے فوجیوں نے بھی روضہ ہائے منور کے مقدس گنبدوں پر گولہ باری کی اور مقدس روضوں کی حرمت کو پامال کیا اور اس کی حکومت کے ایک اعلیٰ رکن حسین کامل ③ نے بڑے فخریہ انداز میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا۔

① صدام ابن حسین بن مسلط المجید، ۱۳۶۰ھ میں عراق کے شہر تکریت میں پیدا ہوا سیاسی طور پر بعث پارٹی کی رکنیت اختیار کی۔ ۱۳۹۹ھ میں اپنے قریبی دوست احمد حسن البکر کے خاتمے کے بعد اس پارٹی کی صدارت پر قبضہ کرلیا۔ اس نے اپنے عہدہ صدارت میں دو جنگیں لڑیں۔ ایک تو ۱۴۰۰ھ میں ایران کے خلاف جو تقریباً آٹھ سال جاری رہی۔ اور دوسری ۱۴۱۱ھ میں کویت کے خلاف جو درحقیقت اتحادی فوجوں کے ساتھ وجود میں آنے کا سبب بنی۔ اس طرح اس کے عہد صدارت میں اس کے خلاف کئی عوامی انقلابی تحریکیں وجود میں آئیں جن میں سے ایک تو شعبان ۱۴۱۱ھ کی اور دوسری اسی سال نیں وجود میں آنے والی کردوں کی تحریک زیادہ شہرت کی حامل ہیں۔ تب سے اب تک عراقی عوام نہایت ہی ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ادارہ کی کتاب ''الحرکۃ السیاسیۃ من باب اضواء علی مدینۃ الحسین''

② یہ الزام تراشی جنگ کے ساتویں دن یعنی ۱۲ فروری ۱۹۹۱ء میں کی گئی۔ جیسا کہ اسی تاریخ کے مقامی اور عالمی اخبارات نے اس خبر کو شائع کیا۔ ملاحظہ ہو بیروت سے شائع ہونے والا اخبار ''العہد'' صفحہ ۱۱ مورخہ ۸ شعبان ۱۴۱۱ھ میں لندن سے شائع ہونے والا اخبار ''العرب'' شمارہ ۴۲۷۷ صفحہ اول، تاریخ ۹ شعبان ۱۴۱۱ھ

③ لندن سے شائع ہونے والا اخبار ''الحیات'' شمارہ ۸۴-۱۲ صفحہ ۸ مورخہ ۶ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ اس کا اصل نام حسین بن کامل ابن حسن المجید ہے۔ عراقی صدر، صدام حسین کا داماد تھا، صدام نے اسے ملک کے کئی اعلیٰ عہدے سونپ رکھے تھے۔ عوام الناس کو کچلنے کے لئے یہ چوتھا شخص تھا جس نے انقلابی تحریک کو کچلنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کربلائے معلیٰ میں اس کے ہاتھوں سینکڑوں بے گناہوں کا خون بہایا گیا۔ صدام سے اختلافات کے نتیجہ میں ۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ میں عراق چھوڑ کر اردن چلا گیا۔ پھر اسی سال یکم شوال کو واپس آ گیا۔ لیکن واپس آتے ہی بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر اسے قتل کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔ اسی ادارہ کی تصنیف ''الحرکۃ السیاسیۃ من باب مدینۃ الحسین''

''تو بھی حسینؑ ہے اور میں بھی حسین ہوں اب دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے زیادہ طاقتور کون ہے؟۔اس سے اس کا اصل مقصد ان انقلابی لوگوں کے حوصلے پست کرنا تھا جو اس صاحب قبر یعنی سید الشہداء علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر ظالم حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکے تھے۔[۲] اس مقدس شہر (کربلا معلیٰ) کے سینہ بسینہ بیان کی جانے والی روایت کے مطابق جو بھی ظالم و جابر حکمران خواہ وہ کوئی بادشاہ ہو یا صدر مملکت اپنی حکومت کے دوران اس قسم کی غرض سے قبر مبارک پر آیا ہے وہ یا تو ہلاک اور برباد ہو گیا یا پھر اقتدار اور حکومت سے معزول کر دیا گیا خواہ اس میں کچھ دیر ہو جائے۔حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے لئے کئی مقامات مثلاً سر مبارک کے متعلق متعدد مقامات کے بارے میں احتمالات کا شاید ایک راز یہ بھی ہے کہ یہ امر، متبرک و مقدس ہونے سے زیادہ سیاسی ہے۔

اس لئے کہ ظالم اور جابر حکمرانوں اور افراد کے خلاف جنگ اور ان کی شان و شوکت کو خاک میں ملانے کا یہ ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ہے۔

کربلا کے مقامات مقدسہ کے کھولنے اور بند کرنے میں عثمانی اور ایرانی سلطنتوں کے مسلسل سیاسی اختلافات کا بھی بڑا عمل دخل رہا ہے۔مثلاً بغداد کے حکمران ''مدحت پاشا''[۳] ہی کو لیجئے کہ اس کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ مقدس شہر کربلا کو رونق بخشی جائے چنانچہ اس نے عثمانی سلطنت کے سرکاری خرچ پر[۴] ایرانی شہنشاہ کو اس شہر کی زیارت کی دعوت[۵]

---

① ملاحظہ ہو اخبار ''الحیات'' مطبوعہ لندن۔شمارہ ۱۱۸۶۲ صفحہ ۱۷ مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ۔

② فروری ۱۹۹۱ء کے اواخر یعنی شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ کے دوسرے ہفتے سے کچھ دن پہلے جبکہ عراقی فوجیں، اتحادی فوجوں سے شکست کھا چکی تھیں عراقی عوام نے سید الشہداء علیہ السلام کے شہر کربلائے معلیٰ سے صدام کے خلاف تحریک آغاز کیا۔لیکن یہ تحریک ''صفوان کیمپ'' نامی معاہدہ کے بعد جو کہ عراقی عوام کے خلاف ایک گہری سازش تھا اور جس میں امریکی اتحادیوں کی طرف سے ''نارمن شوازرکوف'' اور عراقی حکومت کی طرف سے سلطان بن ہاشم تکریتی نے دستخط کئے تھے۔اس تحریک کو عراقی جلادوں نے بڑی بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ کچل دیا۔

③ مدحت پاشا ابن حافظ محمد اشرف۔الحاج علی روجغی کی اولاد سے تھا۔اس کا شمار ملک کے قاضیوں میں سے تھا۔۱۲۳۸ھ میں پیدا ہوا اور ۱۳۰۲ھ میں قید خانے میں گلا دبا کر ہلاک کر دیا گیا۔عثمانی حکمرانوں کے مشہور افراد میں سے تھا۔۱۲۸۹ھ تا ۱۲۹۴ھ صدر اعظم رہا اور ۱۲۸۵ھ میں عراق کا گورنر بنایا گیا۔

④ ۱۲۸۷ھ میں شاہ ایران ناصر الدین شاہ قاچار نے عثمانی حکومت کی سرکاری دعوت پر عراق کا دورہ کیا اور اس دوران اس نے کربلا معلیٰ جا کر سید الشہداء علیہ السلام کے حضور خراج عقیدت پیش کیا۔اس کی مزید تفصیل اسی باب میں تیرہویں صدی ہجری کے واقعات کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔

⑤ ملاحظہ ہو اسی باب کی اقتصادی قسم کہ جس میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

پر بلایا گیا جبکہ ایران کا بادشاہ رضا پہلوی سیاسی وجوہات کی بنا پر اپنے ملک کے شہریوں کو مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے عراق جانے سے روکا کرتا تھا اور اپنے اس اقدام کیلئے وہ مختلف تاویلیں کیا کرتا تھا تاکہ رائے عامہ اس کے خلاف نہ ہو جائے۔ چنانچہ ''حسن علوی''② اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ رضا شاہ پہلوی کے علاوہ کسی بھی ایرانی حکمران کو لوگوں کو عراق کے مقامات مقدسہ جانے سے روکنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ بھی اپنے موقف کو درست قرار دینے کے لئے عراقی حکومت کی طرف سے زائرین کو درپیش مشکلات کے غلط اور باطل دلائل پیش کیا کرتا تھا۔③

ان مقدس مقامات اور عتبات عالیات کے جو دوررس اور مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے حکام وقت کی سیاست اور رفتار و کردار میں گہرے نقوش مرتب ہوتے ہیں اور انہیں اعتدال پر رہتے ہوئے حکومت چلانے کا پابند بناتے ہیں۔ اسی سلسلے میں شاہ فیصل اول④ کی سیرت و کردار کے بارے میں معروف رائٹر ''رہیمی''⑤ مسٹر ''فلپ''⑥ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔'' شاہ فیصل نے عراق میں قدم رکھتے ہی نجف اشرف، کربلا معلیٰ اور کاظمین شریفین کے علماء سے قریبی تعلقات قائم کرنا شروع کر دیئے اور اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرنا شروع کر دیا اور شیعہ مذہب کے

---

① رضا شاہ پہلوی ابن عباس قلی خان (۱۲۹۶-۱۳۶۳ھ) ۱۳۴۳ھ میں قاچار خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کر کے ایرانی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ جب اتحادی فوجیں ایران میں داخل ہوئیں تو اسے تخت سلطنت سے معزول کر کے اس کے بیٹے محمد رضا پہلوی کو ۱۳۶۵ھ میں ملک کا حکمران بنا دیا اور اسے موریشس کے ایک جزیرے میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ اور یہیں پر ہی اس کی موت واقع ہوئی۔ اسی نے ہی اپنے ملک میں خواتین کے لئے پردے کو ممنوع قرار دیا تھا اور دوسری دینی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی تھی۔

② حسن علوی معاصر عراقی صاحب قلم ۱۳۵۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوا۔ صحافت کے پیشے سے منسلک رہا۔ بہت کتابیں تالیف کیں جن میں سے ''الجواھری دیوان العصر'' اور ''التاثیرات الترکیۃ فی المشروع العربی فی العراق'' زیادہ مشہور ہیں۔

③ ملاحظہ ہو کتاب ''شیعہ اور عراق میں قومی حکومت'' صفحہ ۳۳۱۔

④ فیصل اول سے مراد عراق کے شاہ فیصل ابن شریف حسین حسنی ۱۳۰۱ھ میں طائف میں پیدا ہوئے اور ''انقلاب عشرین'' کے بعد عراق کے پہلے بادشاہ تھے جنہوں نے عراق پر حکومت کی ۱۳۳۹ھ تا ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۳ء اپنے بعد اپنے بیٹے غازی اول کو اپنا جانشین بنایا۔

⑤ رہیمی سے مراد عبدالحلیم بن احمد رہیمی ہیں ۱۳۶۲ھ میں عراق کے شہر ''حلہ'' میں پیدا ہوئے عراق کے مشہور رائٹر اور صحافی تھے بغداد یونیورسٹی میں پڑھتے رہے۔ ۱۳۹۸ھ میں لبنان یونیورسٹی سے ''علم تاریخ'' میں ڈگری حاصل کی ۱۴۱۰ھ میں دمشق کے بعد لندن میں سکونت اختیار کی۔

⑥ فلپ کا اصل نام ''فلپ ایرلینڈ (PHILIP IRLAND)'' ہے' امریکی دانشور ہے جس نے عراق کے بارے میں کتاب ''عراق کا سیاسی مطالعہ'' لکھی (IRAQ A STUDY IN ITS POLITICAL DEVELOPMENT LONDON 1937) صفحہ ۲۹۰

مطابق مقامات مقدسہ کی زیارات اور نماز ادا کیا کرتا تھا''[1] مصنف ''نفیسی''[2] عراق میں سیاسی نشیب وفراز، عراق میں برطانوی غاصبانہ قبضہ کے خلاف شیعی تحریک اور ''انقلاب عشرین'' اور مزارات مقدسہ کے کردار پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''بادی النظر میں یہ مقدس مقامات محض ایک دینی مرکز کی صورت دکھائی دیتے ہیں جن کا ایک خاص وسیع دینی اثر و رسوخ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں انسان اس بات سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ ان کا ایک وسیع سیاسی اثر بھی ہے اور یہ ایک ایسی پناہ گاہ ہیں کہ جب سیاسی راہنماؤں اور دوسرے سیاسی گروہوں کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوئے تو ان راہنماؤں نے انہی مزارات کی پناہ حاصل کی''[3]

مصنف ''خیاط''[4] رقمطراز ہیں: ''چاہے وہ بادشاہ ہوں یا دیگر حکمران۔ اگر وہ ان مقامات مقدسہ کی فنی تعمیر وترقی اور پختہ کرنے میں دلچسپی لیتے تھے تو اس کا اصل سبب ایک دینی اور روحانی جذبہ تھا یا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ ان مقدس روضوں کی تعمیر وترقی پر خرچ کرتے تھے تو اس کا اصل مقصد عوام کو اپنے قریب کرنا یا لوگوں کی مختلف جماعتوں کو راضی رکھنا ہوتا تھا چنانچہ اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو یہ عمارات ہمیں ایسی مختلف اور خوبصورت انداز میں دکھائی نہ دیتیں''[5]

حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہر (کربلا معلی) کی سیاسی اہمیت اور معنوی قدر ومنزلت ایک یہ بھی ہے کہ اسی شہر سے ''انقلاب عشرین'' کا شرارہ اٹھا اور انقلابی لیڈروں نے اس شہر ہی کو اپنا مرکز قرار دیا۔ جس سے عراق کو استقلال نصیب ہوا اور ملک میں ایک نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی گئی اور استقلال کا علم بلند ہوا۔ اور اسی شہر نے پہلی مرتبہ عراق کی جدید حکومت[6] کے

---

(1) ملاحظہ ہو رہیمی کی کتاب ''عراق میں اسلامی تحریک'' منقول از مصنف فلپ کی کتاب ''عراق کا سیاسی مطالعہ'' صفحہ ۲۵۷۔ مزید براں رہیمی کہتے ہیں کہ شاہ فیصل نے اپنی تاجپوشی کی رسم جان بوجھ کر ''عید غدیر'' کے دن منعقد کی۔

(2) نفیسی کا اصل نام عبداللہ بن فہد نفیسی ہے، معاصر کویتی رائٹر اور نقاد ہیں۔ عراق کی جدید سیاست میں شیعوں کا کردار نامی کتاب لکھی ہے۔ جس کی بنا پر انہیں کیمبرج یونیورسٹی سے ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی۔

(3) ملاحظہ ہو نفیسی کی مذکورہ کتاب ''عراق کی جدید سیاست میں شیعوں کا کردار'' صفحہ ۲۷

(4) خیاط کا اصل نام عبدالحمید ہے۔ عراق کے دانشور جن کا تعلق بغداد میں مقیم معروف صاحب فضل وادب خاندان سے ہے

(5) ملاحظہ ہو ''امام حسین کے روضہ کی مصور تاریخ'' صفحہ ۵

(6) ملاحظہ ہو اسی ادارہ کی تالیف ''الحرکۃ السیاسیۃ من باب اضواء علی مدینۃ الحسین''

ملک کے سرکاری اداروں کی عمارتوں پر پرچم کو سر بلند ہوتے دیکھا، جبکہ ۱۳۳۸ھ میں عید غدیر کے دن عظیم الشان جشن منایا گیا اور ملک کے اطراف سے مختلف وفود نے شرکت کی۔ ① ایران میں اسلامی انقلاب کے رہبر امام خمینی ② کئی بار اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے اپنی اسلامی تحریک کا الہام حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی مقدس تحریک سے لیا ہے اور جب میں (مولف کتاب ہذا) نے ان کی پیرس ③ میں عارضی قیام گاہ پر ان سے ملاقات کی تھی تو انقلابی تحریک کے عروج کے زمانے میں بنفس نفیس ان کو دیکھا کہ پابندی کے ساتھ ''زیارت عاشور'' ④ کے ختم کا ورد کر رہے تھے اور پہلوی حکومت کے خاتمے اور اپنی تحریک کی جلد کامیابی کے لیئے چالیس دن تک اسی زیارت کو پڑھتے رہے۔

چنانچہ جب اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ۱۴۰۱ھ میں تہران میں ''اسلامی جمہوریہ'' پارٹی کے دفتر میں بم دھماکہ ہوا تو شہداء اور مقتولین کی تعداد شہداء کربلا کی مشہور تعداد کے مطابق بہتر ۷۲ بتائی گئی اور یہ صرف اس لئے کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظیم قدر و منزلت ہے۔

---

① ملاحظہ ہو کتاب ''الحرکۃ الادبیۃ المعاصرۃ فی کربلا (صفحہ ۴) اور الثورۃ العراقیۃ الکبریٰ (صفحہ ۲۱۲)''

② امام خمینی کا اصل نام سید روح اللہ بن سید مصطفیٰ بن سید احمد موسوی ہے ۱۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۰۹ھ میں وفات پائی سنہ ۱۳۸۰ھ میں قم میں سید حسین بروجردی کی وفات کے بعد شیعہ امامیہ کی مرجعیت ان کے پاس آ گئی۔ ایران میں شاہی نظام کے خلاف اسلامی انقلاب کی قیادت فرمائی اور ۱۳۹۹ھ میں شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے ملک کو اسلامی جمہوریہ بنانے کا اعلان کیا۔ آپ کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے ایک ''کتاب البیع'' ہے اور اشعار پر مشتمل ایک دیوان بھی ہے۔

③ پیرس میں آپ کا قیام اسی شہر کے قریبی گاؤں ''نوفل لوشاتو'' میں تھا جہاں سے آپ نے شہنشاہیت کے خاتمہ کے لئے اسلامی انقلاب کی قیادت کی۔

④ زیارت عاشورا کہ جس کا تعلق حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہے۔ اس کے متعلق مذہب امامیہ میں مشہور ہے کہ سخت مشکل کے وقت چالیس دن تک اس کا ورد کر کے اسکا ختم کیا جائے۔ اس کا شمار مجرب اعمال میں ہوتا ہے جسے علماء اور مراجع کی تائید حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو اسی ادارہ کی تالیف ''الاعمال من باب الزیارات الحسینیۃ''

مختلف اقوام وقبائل کے درمیان تعلقات قائم کرنے میں مزارات کا کردار

جزیرہ نمائے عرب، عراق، ایران، مصر، شام، مقبوضہ فلسطین، بالخصوص مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلا معلیٰ، کاظمین شریفین، مشہد مقدس، سامراء شریفہ، دمشق، قاہرہ، اور بیت المقدس میں موجود مزارات مقدسہ، اسلامی اقوام وقبائل کے رنگ، نسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود اخوت' بھائی چارہ اور الفت ومحبت کا ایک بہترین ذریعہ ہیں۔

سالانہ لاکھوں کی تعداد میں عتبات عالیات کی زیارت کے لیے افراد کا آنا جانا اور ایک طویل عرصے تک ان مقدس شہروں میں قیام پذیر رہنا بلکہ بعض اوقات وہاں کی طرف ہجرت کر کے دائمی طور پر مقیم ہو جانا مختلف اسلامی اقوام وقبائل کے درمیان مضبوط تعلقات کا سبب بنتا ہے اور ایک حقیقی اسلامی معاشرے کی تشکیل کا موجب ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اقوام اور قبائل کسی بھی معمولی سی عصبیت اور قومی نزاع کے بغیر ایک دوسرے سے الفت، محبت اور پیار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جب پہلی جنگ عظیم میں فاتح ملکوں نے عالم اسلام کے عظیم حصوں پر قبضہ کر لیا تو انہیں اپنی نو آبادیات قرار دے کر ان کے حصے بخرے کر دیئے۔ ان کی قومی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور اس طرح ان کو تقسیم کر ① دیا گیا کہ عالم اسلام مختلف حکومتوں اور ریاستوں میں بٹ کر ایک دوسرے کی دشمن حکومتوں کا روپ اختیار کر لیا اور چھوٹے چھوٹے اور معمولی اسباب کی بنا پر حکومتیں ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں اور بڑی بڑی جنگوں کی صورت میں خطرناک حد تک تباہی کے کنارے پہنچ گئیں۔ ② جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی سرحدیں بند کی ہوئی ہیں۔ نسلیں تباہ ہو رہی ہیں اور ان اسلامی ملکوں کو قدرت نے جس نعمت سے نوازا ہوا ہے یعنی مسلمانوں کی اقتصادی ثروت برباد ہو رہی ہے۔

① ۱۹۱۶ء/۱۳۳۵ھ میں انگلینڈ اور فرانس کے درمیان ''سائکس بیکو'' نام کا ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت مشرقی اسلامی خطے کو حصوں بخروں میں تقسیم کرنے کا پلید منصوبہ تیار کیا گیا۔ اور دونوں ملکوں نے عالم اسلام میں بندر بانٹ کا طریقہ اختیار کر کے اسے اپنے نو آبادیات قرار دے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم ریاستیں آج تک ایک دوسرے کے ساتھ مختلف صورتوں میں نبرد آزما ہیں۔ کبھی سرحدی جھگڑے اور کبھی کسی بہانے سے ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار ہیں اور بڑی بڑی طاقتوں کے اشارے پر دیگر اسلامی علاقوں کو تقسیم کر رہی ہیں۔

② عراق ایران جنگ، مغربی صحرا کا تنازعہ۔ قطر اور بحرین کے درمیان سرحدی تنازعہ۔ کویت پر عراق کی چڑھائی۔ یمن اور سعودی عرب کے درمیان سرحدی جھگڑا اور اسی قسم کی بیسیوں دیگر مثالیں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ان اقوام وقبائل کے باہمی رابطے اور ایک دوسرے کے ساتھ قریبی تعاون اور اخوت اور بھائی چارے کی وجہ سے استعمار کو ان ممالک میں اپنے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سخت مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور آج تک بڑی طاقتوں کو اس علاقے میں اپنی شیطانی سازشوں کو کامیاب بنانے کے لیے بہت بڑی رکاوٹیں درپیش ہیں اور یہ علاقہ ڈٹ کر ان سازشوں کا مقابلہ کرتا چلا آ رہا ہے۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض بڑی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ سے کسی مسلم ملک کے حکمران نے دوسرے اسلامی ملک سے سیاسی تعلقات منقطع کر بھی لیے تو یہ قطع تعلق زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا بلکہ اسے اپنے ملک کے مسلمان عوام کے شدید مطالبات کی وجہ سے تعلقات کو دوبارہ بحال کرنا پڑا اور دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان مثل سابق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تعلقات بحال اور مستحکم ہوئے کیونکہ ان کے درمیان تعلقات کی اصل بنیاد ایک تاریخ ایک دین اور ایک مشترکہ نظریہ ہے۔

مختلف اسلامی قوموں اور قبیلوں کے قومی، نسلی، لسانی، اور دیگر اختلافات کے باوجود ان کے درمیان باہمی تعلقات کو استوار کرنے۔انہیں خوشگوار بنانے، پروان چڑھانے اور مستحکم کرنے میں ان مزارات مقدسہ کا کردار واضح اور مؤثر ہے۔اور شاید آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ جب دو ملکوں کے درمیان سیاسی تعلقات منقطع ہونے کے بعد دوبارہ بحال ہوئے اور دونوں ملکوں کی بند سرحدوں کو دوبارہ کھولا گیا تو زائرین کے قافلوں کے قافلے ان مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے رواں دواں ہونا شروع ہو گئے۔ [1]

---

(1) بطور مثال آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ روزانہ ہزاروں ایرانی زائرین قافلوں کی صورت میں شام میں حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اور سیدہ رقیہ بنت الحسین علیہ السلام اور دیگر مقدس زیارات کے لئے سفر کی دوری اور دیگر مشکلات اور پریشانیوں کی پرواہ کئے بغیر آ اور جا رہے ہیں۔اور ان مقامات مقدسہ کی زیارت نے ہی دو مسلم اقوام یعنی ایرانی اور شامی مسلمانوں کے تعلقات میں استحکام پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔علاوہ ازیں کربلا معلیٰ نجف اشرف، قاہرہ، دمشق اور دیگر مختلف اسلامی علاقوں میں موجود زیارت گاہوں کی زیارت کے لیے پاکستان، ہندوستان، خلیج فارس اور افریقہ وغیرہ سے مسلمان قافلوں کی صورت میں ان علاقوں میں آ جا رہے ہیں۔گویا ان زیارت گاہوں کو خیمہ کے اطراف میں لگی میخوں کی حیثیت حاصل ہے۔

عام طور پر دو متحارب ملکوں کے درمیان جو عسکری اور سیاسی ملاقاتیں اور میٹنگیں ہوتی ہیں تو ان میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ دونوں ملکوں کے درمیان موجود رکاوٹوں کو دور کرنے علاقائی مسائل کو پیش نظر رکھ کر دونوں حکومتیں .کے مفاد کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔[۱]

دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان جو گہرے تاریخی رابطے ہوتے ہیں[۲] اور جنگ وجدال نے ان رابطوں کے درمیان رکاوٹیں ڈالی ہوتی ہیں وہ صلح برقرار ہوتے ہی بہت جلد بحال ہو جاتے ہیں اور ایک طویل عرصے کی دشمنی اور لڑائی محبت اور بھائی چارے میں بدل جاتی ہے۔اور اگر اس سلسلے میں قبر منور کا کردار ایک شفاف اور صاف ستھرے چشمے کا سا ہوتا ہے جس سے دونوں ملکوں کے مسلمان بھائی رحمت، صلح وصفائی اور محبت واخوت کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور قبر منور کی برکت ہوتی ہے کہ دلوں پر اختلاف ونزاع، کینے اور دشمنی کے پکڑے ہوئے غبار دھل جاتے ہیں جو برسوں سے جاری جنگوں اور لڑائی جھگڑوں نے ڈال دیئے ہوتے ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہولندن سے شائع ہونے والا رسالہ ''الموجز جلد ۴ عدد ۸ مورخہ دسمبر ۱۹۹۲ء بمطابق ۱۴۱۲ھ صفحہ ۱۶۰'' ۔منقول از رسالہ ''کلمہ'' مجموعہ تہران عدد ۱۱ مورخہ نومبر ۱۹۹۲ء بمطابق ۱۴۱۲ھ

(۲) ایران اور عراق کی حکومتوں کے درمیان کبھی محبت کی فضا پیدا نہیں ہوئی خواہ حکومتیں بدلتی بھی رہیں ۔ بلکہ ان کے باہمی تعلقات میں ہمیشہ نشیب وفراز آتے رہے۔جس کا منفی اثر علاقے کی دونوں مسلم قوموں پر پڑا۔لیکن یہ مزارات مقدسہ ہی کا کارنامہ ہے کہ پانی اپنے رخ پر چلتا رہا اور ان کے باہمی برادرانہ تعلقات قائم رہے۔اور دونوں قوموں کے درمیان تعلقات مستحکم رہے۔جس کا اصل سبب دونوں قوموں کا صاحبان مزارات مقدسہ کے ساتھ دلی تعلق اور گہرا قلبی لگاؤ اور ان سے خلوص اور محبت ہے۔

مزارات کا ثقافتی کردار

'' ثقافت'' ایک عمومی اور وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے جو اپنے دامن میں بہت سے معانی کو لئے ہوئے ہے۔جن میں ایک اہم تعلیم ،تہذیب غور وفکر ،ذہنی تربیت ،علم اور ادب جیسے معانی مراد ہو سکتے ہیں جو''ثقافت'' کے زیر دامن پروان چڑھتے ہیں اور اسکی اصل غرض و غایت انسان کی ذہنی تربیت اور اس کی نشو ونما ہے۔اور جیسے معاشرہ کی تشکیل کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے اور اس کے بغیر نہ تو انفرادی زندگی کی راہوں کو طے کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اجتماعی زندگی کو۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم ،ثقافت کی ابجد کو تشکیل دیتی ہے اور اس کے بغیر ان کے لیے مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ ثقافت کے اغلب معانی اور اطراف کو درک کر سکے۔اور تعلیم کو عام کرنے کیلئے مزارات مقدسہ ایک فعال کردار ادا کرتی ہیں۔کیونکہ مذہب امامیہ میں مقدس مقامات کی زیارت کا مرتبہ اگر چہ واجب سے کم ہے لیکن مستحب اور سنت سے زیادہ ہے اس لیے کہ آئمہ اطہار نے مشکل ترین اوقات میں بھی زیارت کو پابندی کے ساتھ بجالانے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔اور ترک زیارت کو ایسی جفا قرار دیا ہے جو ان مقدس ہستیوں کی ناراضگی کا موجب بنتی ہے۔اور پھر یہ کہ زیارت کرنے کے مختلف دینی اور مذہبی طریقے ہیں۔جن میں سے اہم طریقہ یہ ہے کہ ان مقامات پر مقررہ نص کے ساتھ وارد ہونے والی زیارات کو پڑھا جائے جو کہ ہر موقع کے لیے اس کی مناسبت سے پڑھی جاتی ہے۔اور روایات نے اس بات پر زور دیا ہے کہ زائر کو حد امکان کوشش کرنی چاہیے کہ ان زیارات کے متن کو خود پڑھے اور اگر نہیں پڑھ سکتا تو ان کا پڑھنا سیکھے،تا کہ ہر موقع کی مناسبت سے وہ پہلے مرحلہ میں انہیں پڑھے اور دوسرے میں ان کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔تا کہ وہ زیارت کے اصل مقصد تک پہنچ سکے اور بعض زیارتوں کی نص کے مطابق ''عارفا بحقك ''(اے امامؑ! میں آپ کے حق کو پہچانتے ہوئے زیارت کر رہا ہوں) کے مقصود پر پورا اترے اور ان فضائل اور دیگر امور کو جان سکے جو زیارت کے اندر مذکور ہیں۔تو اس طرح سے انسان'' ناخواندگی'' کے مرحلہ سے گزر کر''متعلمین '' کی صف میں داخل ہو جائے گا اور اس وقت وہ اسکی چاشنی کی لذت کو محسوس کرے گا اور مزید گہرائیوں میں جانے کے لیے علم و معرفت کے حصول کے لیے مزید کوشش کرے گا۔اور چونکہ پورے سال میں زیارت کے لیے عمومی اور خصوصی مناسبتیں ہوتی ہیں ان مناسبتوں کی وجہ سے بھی اور اطراف عالم سے زیارات کے لیے آنے والے قافلوں کی وجہ سے بھی زائرین کرام میں عربی زبان کی تعلیم کو فروغ حاصل ہوگا۔

زائرین کے قافلوں کی آمدروفت خاص کر دنیا کے گوشے گوشے سے سیدالشہداءحضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے مقدس شہر کربلا آنے والے زائرین کے قافلوں کی وجہ سے اس کو مزید فروغ حاصل ہے۔ کیونکہ کربلا معلیٰ کا شمار اسلامی دنیا کے مقدس ترین شہروں میں ہوتا ہے اور اس شہر میں دنیا سے سب سے زیادہ زائرین آتے ہیں۔ جیسا کہ بعض سرکاری، ذرائع ابلاغ نے بتایا ہے کہ صفر ۱۴۱۷ھ میں حضرت سیدالشہداءعلیہ السلام کے چہلم کی مناسبت سے دنیا کے ہر گوشے سے ستر لاکھ زائرین نے مظلوم کربلا کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔[1] چنانچہ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو اس قسم کی آمدروفت سے اسلامی ثقافت کو فروغ حاصل ہوا اور تمدن کو ایک نئی جہت ملی جس کے نتیجے میں ایک فکری تحریک نے جنم لیا اور عملی طور پر کئی مکاتب فکر اس سے وجود میں آئے اور پروان چڑھے، جو مختلف اوقات میں فکری اور عملی طریقوں کی راہیں تبدیل کرنے میں بہت اہمیت کے حامل ثابت ہوئے اور ان فکری تحریکوں میں سے ایک اخباری تحریک بھی ہے جو اپنی دونوں قسموں[2] کے ساتھ اس مقدس شہر (کربلا) سے اٹھی اور مختلف ادوار میں نشیب وفراز کا شکار ہوتی رہی۔ البتہ یہ تحریک کہ جن کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں۔ بطور مثال بیان کی گئی ہیں نا کہ بطور حصر۔ جبکہ اس سے جو اصولی تحریک پیدا ہوئی کہ جسے امامیہ میں مضبوط بنیادوں کو استوار کرنے کے لیے بہت بڑی فضیلت حاصل ہے، اس کا ذکر ''مدینۃ الحسینؑ''[3] سے متعلق تفصیلی بحث کے ضمن میں بیان ہو گا کہ جس سیاسی اور عقیدتی تحریکوں کو رہنمائی ملی۔

---

① ملاحظہ ہو تہران سے شائع ہونے والا اخبار ''بدر'' شمارہ ۲۴۹ صفحہ ۶ مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ بمطابق ۲۱ جولائی ۱۹۹۷ء، مجھے ایک موثق اور با اعتماد شخص نے بتایا کہ اس نے زائرین کے اعداد وشمار ریڈیو مونٹی کارلو (جرمنی) یا ریڈیو بی بی سی (لندن) سے خود سنے ہیں۔ جنہیں ۸ جولائی ۱۹۹۶ء میں نشر کیا گیا اور ہم نے ان نشریاتی اداروں سے تاریخ اور اعداد وشمار کے بارے میں بھی رابطہ قائم کیا تو متعلقہ اداروں کے ذمہ دار حکام نے بتایا کہ ''ہم خبروں کا ریکارڈ کافی عرصے تک محفوظ نہیں رکھتے'' اسی طرح لندن سے شائع ہونے والے اخبار ''شاہد'' مورخہ محرم ۱۴۱۸ھ صفحہ ۳ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۴۱۷ھ میں سیدالشہداءعلیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کرنے والوں کی تعداد تقریباً ساٹھ لاکھ تیس ہزار تھی۔

② اخباری تحریک کی دو قسمیں ہیں اجمالی اور بحرانی، ملاحظہ ہو اسی ادارے کی شائع کردہ فصل ''النھضۃ الفکریۃ من باب اضواء علی مدینۃ الحسینؑ''

③ ملاحظہ ہو ادارہ ہذا کی کتاب کا باب ''اضواء علی مدینۃ الحسین''، فصل ''نھضت فکری''

فکری تحریک کے منجملہ امور سے یہ امر حتمی ہے کہ اس سے ایک عملی تحریک جنم لیتی ہے۔ اور اس شہر نے وہ پروان چڑھتے متعدد علمی مناظر دیکھے ہیں جو کسی دوسرے شہر نے کم دیکھے ہوں گے۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری میں اکابر علماء اور راویوں نے مختلف اطراف سے کر کے سبط رسول اعظمؐ یعنی حضرت سید الشہداءؑ امام حسین علیہ السلام کے مرقد منور کے جوار میں آ کر سکونت اختیار کی تو اس شہر کی علمی بنیادیں مضبوط ہوگئیں اور آنے والی صدیوں نے اسے علمی لحاظ سے ترقی یافتہ شہر کی حیثیت سے دیکھا اور اس میں تشکیل پانے والی یونیورسٹی کو ایک بلندترین مقام حاصل ہوا۔ البتہ مخصوص سیاسی حالات کے نتیجے میں اس کی علمی حیثیت بھی مدوجزر کا شکار رہی۔ کیونکہ سیاسی حالات دوسرے مقدس مقامات پر عمومی صورت میں اور اس شہر میں خصوصی طور پر اثر انداز ہوتے رہے۔ اس علمی تحریک کی بنیاد تو حضرت سید الشہداءؑ علیہ السلام کی مرقد مبارک کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی رکھ دی گئی تھی اور زمانے کی رفتار کے ساتھ علماء کرام، راویان حدیث، صاحبان قلم، اور دانشوران گرامی کی آمد کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا جس سے روضہ انور، اس کے اطراف میں موجود حجرے، مختلف رواق مبارک مذکورہ اصحاب سے بھر گئے حتی کہ روضہ اطہر کا صحن مقدس بھی مفکرین معلمین اور متعلمین کی علمی صداؤں سے گونجنے لگا۔ اور ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ جس میں سلطان عضد الدولہ ① کو ایک باقاعدہ علمی مدرسہ ② تعمیر کرنا پڑا۔ تاکہ اس علمی تحریک کو باقاعدہ شکل دی جاسکے اور تاریخ عراق میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس قسم کے علمی مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور یہ واقعہ چوتھی صدی ہجری کی آخری چوتھائی کا ہے۔ چنانچہ اس مقدس شہر کی یونیورسٹی نے اپنی ابتدائی صدیوں سے ہی سینکڑوں علماء و مفکرین اور بیسیوں مراجع دین پیدا کرنا شروع کئے۔ ③

---

① عضد الدولہ کا نام "فنا خسرو ابن حسن بویھی دیلمی ہے آل بویہ کے پانچویں حکمران ہیں جنہوں ۳۶۶ھ تا ۳۷۲ھ حکومت کی۔

② عضد الدولہ بویھی نے کربلا میں دو مدرسے قائم کئے پہلا ۳۶۷ھ میں جو مدرسہ عضدیہ اولی کے نام سے ہے اور دوسرا ۳۷۱ھ میں جو مدرسہ عضدیہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ملاحظہ ہو باب "اضواء علی مدینہ الحسین" "فصل نهضت علمی"

③ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب "مدینہ الحسینؑ" "نهضت علمی"

اور اس شہر کی علمی لائبریریوں کو ہزاروں کتابوں سے سجایا گیا① جنہیں اسی شہر کی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل علماء نے مختلف علوم وفنون میں تالیف وتصنیف کیا اور اسی کے نتیجے ہی سے علاقہ کے دوسرے مقامات پر تحریر اور کتابت کی تحریک کو رونق بخشی اور اسی شہر کی سرزمین نے تاریخی طور پر عراق میں سب سے پہلی مرتبہ پرنٹنگ پریس کے قیام کا منظر دیکھا۔②

علمی اور فکری لحاظ سے بارھویں اور تیرھویں صدی ہجری اس مقدس شہر کے لئے سنہری دور شمار ہوتی ہیں اور اس شہر کی یونیورسٹی نے ان دو صدیوں میں صرف علم فقہ، حدیث اور اصول پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام معقول ومنقول اسلامی علوم کو حتی کہ علوم عربیہ میں پیشرفت کی اور علوم طبیہ، فلکیہ اور طب وغیرہ کو بھی ترقی دی، اور عربی واسلامی علوم کی نشر واشاعت میں خواتین کا بھی موثر کردار رہا۔ اور علمی لحاظ سے انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ان کا شمار بھی علماء اسلام کی صف میں ہونے لگا اور بعض خواتین کو تو اعلیٰ علمی مدارج تک رسائی حاصل ہوئی۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر اسی بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔③

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مزارات مقدسہ کو الہامی مراکز اور علمی منابع میں شمار کیا جاتا ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جو بھی مزار، اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افراد میں سے کسی فرد کی طرف منسوب ہے وہ اپنے اطراف میں بہت سے صاحبان علم وفکر اور ادبی شخصیات کو ضرور لئے ہوئے ہے۔ اور وہاں پر بلند وبالا علمی عمارتیں ضرور موجود ہیں چاہے وہ مدینہ منورہ ہو یا نجف اشرف اور کربلا معلیٰ، کاظمین شریفین ہو یا مشہد مقدس، سامراء مشرفہ یا دمشق میں حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے مزار مقدس کا علاقہ، مصر میں قاہرہ ہو یا ایران میں قم مقدسہ اور تہران میں حضرت عبدالعظیم کا مزار مبارک۔ اسی طرح دیگر مقدس مقامات ہیں۔④ جس سے ہمیں اس بات کی راہنمائی ملتی ہے کہ یہ مزارات مقدسہ ہی کی برکت ہے کہ جن کی وجہ سے علماء ومفکرین اور صاحبان علم وادب نے ان مقامات کو اپنا مسکن قرار دیا ہے اور جن کے وجود سے علم وادب اور غور وفکر کے مراکز وجود میں آئے ہیں۔

---

① ملاحظہ ہو کتاب ہذا کا باب ''مدینۃ الحسین''، ''فصل نہضت ثقافی''

② ملاحظہ ہو کتاب ہذا کی قسم ''مولفات کربلانیہ'' ''فصل نهضت ثقافی''

③ ملاحظہ کتاب ہذا کا باب ''اضواء علی مدینۃ الحسین''، فصل ''نہضت علمی''

④ ملاحظہ ہو کتاب ہذا کی فصل ''الحسین والتشریع الاسلامی'' کے باب ''المراکز العلمیہ'' کی فصل

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہر علمی مرکز ایک ایسا طبقہ پیدا کرتا ہے جو ادب کو عمومی اور شعر کو خصوصی طور پر بڑے اہتمام کے ساتھ ترویج دیتا ہے اور وہ علمی قافلے کے ساتھ ساتھ رواں دواں رہتا ہے اور اس کا مشاہدہ ہر ایک علمی مرکز میں کیا جا سکتا ہے اور جب بھی علمی تحریک کی چمک میں تیزی آتی ہے تو ادبی تحریک بھی اس سے پیچھے نہیں رہتی بلکہ اپنی رونق اور رعنائی کے لحاظ سے اس کے شانہ بشانہ چلنا شروع کر دیتی ہے۔ لیکن جو بات مزار سید الشہداء علیہ السلام کو اہلبیتؑ کے دوسرے افراد کے مزارات سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ خود حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کی ذات والا صفات ادب اور نظم اشعار کے لیے فیاضی کے جوہر لٹاتی اور بے دریغ سخاوت سے نوازتی ہے۔ چنانچہ اس وقت آپ کی مرقد مطہر عاشقوں کی محبتوں کا محور اور بے مثال ادبی شعاعوں کا مرکز بن چکی ہے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک ایسے بے نظیر چشمہ زلال کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ جس سے ہر دور و نزدیک کا شخص اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ قریب کے ہمسائے اور دور کے زائرین اس چشمہ فیض سے ہر وقت مستفیض ہوتے رہتے ہیں اور اسی بات کی طرف ہم اس کے مقام پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں۔ ①

اسی طرح جیسا کہ ہم ان مزارات کے مختلف کرداروں پر روشنی ڈال چکے ہیں یہ بات بھی اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان مزارات کا نشر و اشاعت کے سلسلے میں بھی بہت بڑا کردار ہے۔ کیونکہ یہ مزارات زائرین کی باہمی ملاقات اور نئے تحرک کا مرکز ہوتی ہے اور خاص کر زیارات کے خصوصی ایام تو نشر و اشاعت کے حقیقی اسباب فراہم کرتے ہیں۔ جنہیں علماء، مفکرین اور شرفاء غنیمت سمجھ کر ان سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان ایام میں منعقد ہونے والے بھرپور اجتماعات سے فائدہ اٹھا کر اسلامی افکار اور نظریات کی خوب نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس چودہویں صدی ہجری کی آخری چوتھائی میں اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے اور حسین علیہ السلام کے شہر (کربلا) میں اسلامی افکار و عقائد پر مشتمل مشرقی اور مغربی زبانوں میں پمفلٹوں اور چھوٹی چھوٹی کتابوں سے لے کر ضخیم کتابیں تقسیم ہوتی دیکھی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی خطیب اور اہل منبر حضرات کو اس فرصت کو غنیمت جان کر عوام الناس کو اپنے خطابات اور تقاریر سے نوازتے دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں مرقد مطہر سید الشہداء علیہ السلام اور دیگر مزارات مقدسہ اور روضہ ہائے اطہر کے زیر سایہ علمی اجتماعات، کانفرنسیں اور سیمینار منعقد ہوئے اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب انگریزوں اور عثمانیوں نے عراق پر قبضہ کر لیا اور بغداد و بصرہ سے سرکاری اخبارات شائع کیے تو ان کے مقابلے میں کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف سے سب سے پہلے قومی اخبارات شائع کیے گئے۔ ②

---

① ملاحظہ ہو اسی کتاب کا باب ''اضواء علی مدینۃ الحسین''، فصل ''الحرکۃ الادبیۃ'' باب الشعر (شرقی والغربی)

② ملاحظہ ہو اسی کتاب کی فصل ''الحرکۃ الثقافیۃ'' باب ''اضواء علی مدینۃ الحسین''

مزارات کا دینی کردار

دینی لحاظ سے مزارات کا کردار بالکل واضح اور روشن ہے کیونکہ ان کے آثار وعلائم بالکل روشن ہیں۔اس لیے کہ آئمہ علیہ السلام کے مزارات کے شہروں میں منعقد ہونے والے اسلامی اجتماعات کے دینی مظاہروں کی فوقیت دوسرے اجتماعات سے نمایاں حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔جس سے انسانوں کے باہمی تعلقات، آپس کے معاملات اور رہن سہن کو دینی اور مذہبی سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے اور اس امر سے کوئی باشعور آدمی انکار نہیں کرسکتا اور یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ایک بافضیلت معاشرہ کی تشکیل کے لیے دینی اور مذہبی عنصر کی تخلیق کا موجب لوگوں کا مختلف اطراف سے ہجرت کر کے ان مزارات مقدسہ کے جوار میں سکونت اختیار کرنا ہی ہے۔چنانچہ مقدس شہر کربلا کی تشکیل ،نشوونما، اور تمدن ہمارے اس قول پر شاہد صادق ہے۔اس مقدس شہر کے باشندوں نے بافضیلت معاشرے کی تشکیل کے لیے اپنے آپ کو دینی اور شرعی احکام کا پابند بنا کر اور ان احکام اور قوانین کی پابندی اختیار کر کے بہت سے فوائد حاصل کیے ہیں۔جن میں اہم صفت جو معاشرتی اور خاندانی تعلقات کو استوار رکھنے کے لیے مؤثر ثابت ہوئی ہے۔وہ ہے لوگوں کا آپس میں مہر ومحبت، پیار والفت، عفوودرگزر، اور صلح وصفا سے رہنا اور یہ سب کچھ اس مقدس سرزمین میں آسودہ خاک ہستی کی بدولت حاصل ہوا ہے۔جس کا بیج اس نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے لوگوں کے دلوں میں اگایا اور مستحکم کیا۔چنانچہ لوگوں کے درمیان باہمی نزاع اور معاشرتی مشکلات بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں اور وہ اپنی باہمی مشکلات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرانے کے لیے بہت کم سرکاری محکموں اور عدالتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔بلکہ بوقت ضرورت وہ اپنے مقدمات اپنے علماء اور بزرگوں کے پاس لے جاتے ہیں۔اور وہ دین ومذہب اور شریعت کی روشنی میں ان کے تنازعات کا فیصلہ کرتے ہیں۔چنانچہ مصنف ''نفیسی'' حضرت سیدالشہداء علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے مزارات کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔کہ لوگوں کے باہمی تنازعات کے حل کیلئے ان مزارات کا کیا کردار ہے۔وہ لکھتے ہیں ان مزارات مقدسہ کا فیصلوں کے سلسلے میں بھی بڑا احترام کیا جاتا ہے۔کیونکہ جیسا کسی قاضی شریعت کے پاس کوئی حل طلب مقدمہ پیش کیا جاتا ہے۔اور اس میں حلف (قسم) کی ضرورت ہوتی ہے۔تو قاضی وہ حلف حرم مقدس کے اندر ہی لیتا ہے۔کیونکہ یہ اقدام حقیقت کی وضاحت کے لیے زیادہ موثر اور حقیقت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اور ساتھ ہی وہ اس بات کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں دریائے فرات کے درمیانی اور

نچلے علاقے میں موجود آئمہ اطہارؑ اور اولیاء کرام...... کے مزارات اپنی حرمت اور احترام کی وجہ سے حلف (قسم) اٹھانے کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں اور حرمت کے لحاظ سے کربلا معلّٰی میں حضرت عباس علیہ السلام کے مزار مقدس کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔لوگوں کے نزدیک حضرت عباس بن علی علیہ السلام نہایت ہی غیرت مند شخصیت ہیں اور لوگ اپنی زبان میں انہیں ''جلال والی شخصیت'' کہتے ہیں۔اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی جرم کے ارتکاب پر جھوٹی قسم کھاتا ہے تو وہ اسے معاف نہیں کرتے۔①

ان لوگوں کا یہ طرز تفکر اور ان کے نزدیک مزارات کا یہ تقدس ان کے درمیان ایک ایسی روحانی اور مقدس فضا کی ایجاد کا سبب بن جاتا ہے جو جھوٹ اور نفاق جیسی آلودگیوں سے پاک اور صاف ہوتی ہے۔جس سے لوگوں کے اندر صدق وصفا کی صفت پیدا ہوتی ہے اور ان کے معاشرتی تعلقات بہت سی معاشرتی آلودگیوں سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ سرکاری محکموں، عدالتوں، اور سزاؤں اور دیگر مشکلات اور برے نتائج سے محفوظ رہ کر اطمینان کی زندگی گزارتے ہیں۔② اور دوسرے شہروں کی نسبت کہ جو اس نظریئے کے حامل نہیں ہیں اپنے مال اور جان کو محفوظ تصور کرتے ہیں۔

مصنف نفیسی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔شیعی حلقہ اثر سے خارج کوئی بھی شخص ان مزارات مقدسہ کی خوبیوں اور فوائد سے انکار نہیں کرسکتا خصوصاً شرعی عدالتوں کے بارے میں کہ جب لوگوں کو اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور نوبت قسم تک جا پہنچتی ہے۔جس کی وجہ سے مجرم کو اپنے کیئے کی سزا ملتی ہے اور بے قصور کو بری کیا جاتا ہے اور ان مزارات کا مختلف مقامات پر ہونا وہاں کے تجارتی اور قبائلی معاہدوں پر سختی سے عملدرآمد کرانے کا موجب ہوتا ہے اور معاشرتی تعلقات میں باہمی اعتماد کی فضا قائم کرتا ہے۔③

ایسے محفوظ اجتماعی معاشروں میں فحاشی، بدکاری، اور برائی کی دوسری مختلف صورتوں کا تقریباً فقدان ہوتا ہے۔اور اس طرح مقدس شہروں میں شراب کی دکانوں، اور اس کے استعمال اور نائٹ کلبوں جیسی چیزوں کو عرفاً اور قانوناً ممنوع سمجھا جاتا ہے۔جبکہ بعض سرکاری اور حکومتی نظاموں نے مختلف وسائل اور ذرائع سے اپنے پاکیزہ معاشروں اور اپنے دینی عقائد سے ہٹانے اور انہیں برائی کے معاشروں میں تبدیل کرنے کی بڑی حد تک کوشش کی لیکن وہ اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب نہیں

① ملاحظہ ہو کتاب ''جدید عراقی سیاست میں شیعوں کا کردار''

② عراقی حکمرانوں نے کئی مرتبہ اور مختلف اوقات میں عوام کو ان کی دینی اور قبائلی سرگرمیوں سے باز رکھنے کیلئے سزاؤں کے کئی قوانین وضع کیئے۔

③ ملاحظہ ہو کتاب ''جدید عراقی سیاست میں شیعوں کا کردار''

ہو سکے۔ بطور مثال عراقی حکومت نے چودہویں صدی ہجری کے اواخر میں مقدس شہر کربلا کے لئے مختلف ملکوں سے[1] کام کرنے والے لوگوں کو منگوانے کا اقدام کیا جو اس مقدس شہر کی عظمت اور اس کے تقدس کے شایان شان نہیں تھا۔ بلکہ اس محفوظ فکری اور دینی شکل وصورت کو بگاڑنے اور اس کے تقدس کو پامال کرنے کیلئے تھا۔ چنانچہ حکومت نے ایسے لوگوں کیلئے کربلا معلیٰ کے نزدیک ''بحیرہ رزازہ'' میں فحاشی اور بدکاری کے اڈے قائم کر دیئے۔ تاکہ اس طرح سے اس شہر کے مکینوں خاص کر نوجوان نسل کے اخلاق کو بگاڑ کران سے محفوظ دینی ثقافتی صفت کو سلب کیا جا سکے اور مقدس شہر کے حلیہ کو تبدیل کرنے اور اس کی ہیبت وحرمت کو پامال کرنے کیلئے فاحشہ عورتوں کے مختلف وفود بھیجے، لیکن ہر مرتبہ اس قسم کے اقدام کو عوامی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا[2] جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان مزارات مقدسہ کا دینی اجتماعات کی تشکیل کے لئے بہت بڑا کردار ہے اور ان اجتماعات کی ایسی احسن خصوصیات ہیں جن میں انسان، راحت، اطمینان اور سکون محسوس کرتا ہے اور وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے خالی ہیں۔

یہ علوی اور حسینی مزارات ہی کے گہرے اور وسیع اثرات ہیں جن کی وجہ سے جنوبی عراق میں تشیع کی داغ بیل ڈالی گئی اور اسے فروغ حاصل ہوا اور علاقہ اس کی نورانیت سے جگمگا اٹھا۔ اسی بنا پر حنا بطاطو[3] کہتے ہیں۔ آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے ابوبکر خوارزمی[4] ہو گزرے ہیں۔

---

① بیسویں صدی عیسویں کی ستر کی دہائی میں عراقی حکومت نے ملک میں کام کرنے کیلئے مصر''ہندوستان'' جنوب مشرقی ایشیاء اور بہت سے دوسرے ملکوں سے لوگوں کو منگوانے کا اقدام کیا۔ ایک ایسے ملک کے لئے جس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ نہیں تھی۔ وہاں کے لئے پچاس لاکھ غیر ملکی لوگوں کو بھرتی کیا۔ (خوب غور کیجئے!)

② یہ بات قابل ذکر ہے کہ کربلائے معلیٰ کے علماء اسی شہر کے لوگوں پر مشتمل انجمنیں تشکیل دیں جن کی اہم غرض وغایت اس شہر کے تقدس کو پامال ہونے سے بچانا، اسلامی رسومات کو محفوظ رکھ [illegible] پر آزادی کے آگے بند باندھنا ہے۔

③ حنا بطاطو۔ فلسطینی محقق ہے، جس کی ولادت ۱۳۴۷ھ بمطابق ۱۹۱۲ء مغربی فلسطین میں ہوئی۔ اسی جگہ پر اس کی پرورش ہوئی یونیورسٹی کی ابتدائی تعلیم بیروت میں امریکن یونیورسٹی میں حاصل کی ۱۹۵۲ء میں اسے اپنی کتاب لکھنے کے لیے عراق بھیجا گیا۔ پھر وہ اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے امریکہ چلا گیا اس وقت جارج ٹاؤن یونیورسٹی امریکہ میں شعبہ تحقیقات عربی کا سربراہ بنا ''طبقات اجتماعیہ'' کتاب کا مصنف ہے۔

④ ابوبکر خوارزمی کا اصل نام ''محمد بن عباس'' ہے ادیب، لغت نویس اور صاحب قلم ہو گزرے ہیں، خوارزم کے فخر اور مشہور رسالہ (کتاب) کے مصنف ہیں ۳۹۳ھ میں وفات پائی۔

جنہوں نے ملت عراق سے حسد کا مظاہرہ کیا۔ اس لئے کہ بقول ان کے لوگوں کے دلوں میں امیر المومنین علی علیہ السلام اور سید الشہداء[1] حضرت امام حسین کی قدر و منزلت پائی جاتی ہے اور ان ایام میں عراق کا نام ان حدود پر نہیں بولا جاتا تھا جن پر آج اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بلکہ صرف اس خطے کا نام عراق تھا جو جنوب میں اس علاقے کے درمیان تھا۔ جو فرات پر واقع شہر انبار[2] اور دجلہ پر واقع شہر تکریت[3] ہے۔ گویا ان دنوں میں عراق اس علاقے کا نام تھا جو شیعہ نشین اور پورے خطے کا دل تھا۔ جس طرح کہ آج بھی فرات کا وسطی علاقہ شیعہ نشین ہے اور کربلا میں ۶۸۰ء میں مظلوم کربلا کا ناحق خون بہایا گیا، جس کی وجہ سے اس علاقے میں شیعی عقیدے کا بیج بویا گیا۔[4] علاوہ ازیں اس میں تسلسل کا عمل بھی جاری رہا جو کہ ادیان خصوصیت کے ساتھ مظلوم دینوں کی فطرت ہے۔ پس ان واضح عوامل میں سے ایک عامل جس نے شیعی اثر و نفوذ کو دوام اور بقا بخشی ہوئی ہے شیعیت کے نجف اور کربلا میں مقامات موجود ہیں۔

---

① رسائل ابی بکر خوارزمی ص ۴۵۔

② ''انبار'' بغداد کے شمال مغرب میں واقع شہر کا نام ہے جو اس سے ۱۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

③ ''تکریت'' عراق کے شمال مغرب میں دریائے دجلہ کے دائیں کنارے پر واقع شہر کا نام ہے جو صلاح الدین ایوبی کا مرکز حکومت تھا۔ تیمور لنگ نے ۷۹۷ھ میں اسے منہدم کر دیا تھا۔ سریانیوں کے لاٹ کا پادری کا پایہ تخت تھا۔

④ اصل کتاب میں ہے۔ ''حقیقی شیعہ دین کا بیج بویا گیا'' اور ہم نے اس عبادت میں تصرف کرتے ہوئے اسے ''حقیقی شیعی عقیدے'' کا نام دیا گیا کیونکہ اصل عبارت صحیح معنی کی ترجمانی نہیں کر رہی تھی۔

⑤ کتاب العراق ص ۵۹۔

مزارات کے اقتصادی فوائد

دنیا کے کسی بھی خطے میں مزارات مقدسہ کا وجود خواہ ان کی طرف نسبت حقیقی ہے یا نہیں اس خطے کی حکومت اس مبارک بقعہ کے امور کی نگرانی کرتی ہے ایک اہم اقتصادی اور مالی ذریعہ آمدنی ہوتا ہے اور وہ علاقہ اقتصادی طور پر خوشحال اور مرفہ ہوتا ہے اور یہی اقتصادی خوشحالی اس وقت اور شدت اختیار کر جاتی ہے جب اس صاحب مزار کی کوئی خصوصی مناسبت ہوتی ہے۔ یعنی اس کا یوم ولادت یا یوم وفات وشہادت ہوتا ہے۔ یا کسی عید کا موقع ہوتا ہے۔ کیونکہ اس یادگار دن کو منانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں زائرین کے وفود جوق در جوق امڈ آتے ہیں اور وہ اس دن کو برکت کے حصول، دعاؤں اور زیارتوں میں گزار دیتے ہیں۔ چونکہ زائرین کے دل میں اس مناسبت کی عظمت اور احترام زیادہ ہوتا ہے لہذا وہ اس کے لئے خرچ کرنے میں دریا دلی سے کام لیتے ہیں اور دل کھول کر خرچ کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس مزار کے علاقہ کی رونقیں دوبالا ہو جاتی ہیں ہوٹل، بازار، ریسٹورنٹ، بنک، تفریحی اور سیاحتی دفاتر، اسی طرح تمام وہ دفاتر جو زائرین اور سیاحوں کی راہنمائی اور سہولیات کے لئے کھولے جاتے ہیں غرض سب کی رونقوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ انسان فطری طور پر گھر کی نسبت سفر میں زیادہ خرچ کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمان عام طور پر اور شیعیان اہل بیت اطہار علیہم السلام میں خاص طور پر یہ حالت کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کا ایمان اور عقیدہ ہوتا ہے کہ عطا و بخشش، معاونت اور کمک، اعمال خیر میں دوسروں کے ساتھ شرکت، اسلامی شعائر میں خرچ کرنا، مقدسہ مقامات کی تعمیر اور دینی مراسم کا احیاء ان کے آئمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت پر عمل کا بہترین ذریعہ ہیں اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کار خیر میں حصہ لینا اور راہ خدا میں خرچ کرنا ان کے اموال میں اضافے کا موجب اور باعث خیر و برکت ہوتا ہے۔ جیسا کہ آئمہ اطہار علیہم السلام سے وارد ہونے والی احادیث و روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے لہٰذا وہ اپنی اچھی سے اچھی اور محبوب سے محبوب چیزوں کو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے خرچ کرتے ہیں "لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون" "جب تک تم اپنی محبوب چیزوں کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرو گے نیکی تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے" (سورہ آل عمران) اس عقیدے کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس راہ میں خرچ کرنے سے سخاوت کی بے مثال روایات قائم ہوتی ہیں علاوہ ازیں ہمیں کئی اور بھی ثانوی عوامل اور امور نظر آتے ہیں جو اقتصادی اور تجارتی نشو ونما کا موجب ہوتے ہیں اور زائرین اور مقامی

افراد میں تجارتی اموال اور اسباب کا لین دین اور کاروبار ہوتا ہے اور انہیں زیارات کی برکت سے تجارتی معاہدے ہوتے ہیں۔ ہماری بات کی تائید ملکی اور غیر ملکی اخبارات سے بھی ہوتی ہے۔ جو اقتصادی ترقی اور تحرک کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً سعودی عرب میں حج کے ایام میں مثبت اقتصادی ترقی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں ۱۳۹۵ھ میں فریضہ حج کی ادائیگی کے موقع پر دیار مقدسہ کی زیارت کو گیا تو ایک مقامی روزنامے نے جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ لکھا تھا کہ سعودی حکومت کو سال بھر میں تیل اور اس کی مصنوعات سے جس قدر آمدنی ہوتی ہے حج کے ایام میں اس سے کئی گنا زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ تیل کی اس قدر زیادہ پیداوار نہیں تھی اور نہ ہی اس کی قیمتیں زیادہ تھیں اسی طرح زمانہ سابق میں جزیرہ عرب کے اقتصاد کا تمام تر دارو مدار تقریباً اسی حج ہی کی آمدنی پر تھا۔[1] اس کتاب میں ہم جس چیز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن مزارات کا حسینی تحریک سے کسی قسم کا نزدیک یا دور سے بھی کوئی تعلق ہے خاص کر خود سید الشہداء علیہ السلام کا مزار اقدس اقتصادی ترقی کا ایک اہم سبب ہے[2] کیونکہ تقریباً دس[3] ایسے مسنون مراسم ہیں جو خود حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کی زیارت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جن میں سے اہم ترین ''اربعین کی زیارت'' ہے۔ جس میں زائرین کی تعداد شمار سے باہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۳۸۰ھ اور ۱۳۹۰ھ کے درمیانی سالوں میں مزار مظلوم کربلا کے زائرین کی اوسط تعداد سالانہ اور صرف اربعین کے دن عراق اور بیرون عراق سے دس لاکھ سے زیادہ بنتی ہے[4]

---

(۱) کتاب ''تاریخ کربلا والحائر'' صفحہ ۱۴۷ میں ہے کہ صرف زیارت اربعین کے موقعہ پر کربلا کے زائرین کی تعداد پونے دس لاکھ افراد سے بڑھ جاتی ہے اور یہ تعداد ۱۳۶۵ھ میں تھی۔ جب کہ بغداد سے شائع ہونے والے اخبار ''الاخبار'' نے اپنے شمارہ نمبر ۱۵۴۶ مورخہ ۲۳ صفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء بروز اتوار کی اشاعت میں ''کربلا میں اربعین کا دن'' کے عنوان سے لکھا ہے اور یہ ایسی تعداد ہے جس کی ایک تہائی تک بیت اللہ کے حاجیوں کی تعداد ان سالوں میں بھی نہیں پہنچ سکتی جن میں سے حجاج کی بہت بڑی تعداد ہوتی ہے۔

(۲) بغداد سے شائع ہونے والے رسالے ''لغۃ العرب'' کے شمارہ پنجم سال ہفتم صفحہ ۴۳۲ مورخہ مئی ۱۹۲۹ء میں تہران سے شائع ہونے والے اخبار ''ایران'' سے نقل کیا گیا ہے کہ ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں صرف ایرانی زائرین کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔

(۳) یکم رجب، ۱۵ رجب، ۱۵ شعبان، شبہائے قدر، عید الفطر، عید الاضحیٰ، ۹ ذوالحجہ، یوم عاشورا اور یوم اربعین سید الشہداء علیہم السلام کی زیارت، ملاحظہ ہو اسی ادارے کی کتاب ''باب زیارات حسینیہ''

(۴) اگر فرض کرلیا جائے کہ صرف ایک زائر اپنی رہائش خوراک اور دیگر ضروریات پر صرف ایک ہی عراقی دینار خرچ کرتا ہے تو بھی یہ تعداد دس لاکھ دینار سے تجاوز کر جاتی ہے اور یہ فرض اس وقت کا ہے کہ جن دنوں میں ایک عراقی دینار تین امریکی ڈالر کے برابر نہیں بلکہ اس سے بھی سادہ تھا اور یہ کوئی معمولی مقدار نہیں ہے بلکہ ایک اہم اقتصادی قیمت ہے۔

اور اس دوران مقدس شہر کربلا کی کیفیت زائرین کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ عمومی مکانات، عمارتیں، میدان، گلیاں، راستے، باغات اور ہوٹلیں زائرین سے بھر جاتی ہیں بلکہ کربلا معلّیٰ کے نزدیکی شہروں اور قصبوں کے ہوٹلوں کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے اور اس استثنائی صورت حال کے پیش نظر زائرین کی زندگی سے تعلق رکھنے والی بعض حدود و قیود کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو ان کے خورد و نوش اور رہائش وغیرہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ کیونکہ زائرین کی کثیر تعداد اور بے پناہ ہجوم کی وجہ سے عمومی جگہیں اور میدان ہی کھانے پینے اور رہنے کی جگہوں میں بدل جاتے ہیں۔ ابھی تازہ مجھے ایک موثق شخص نے بتایا ہے جو ۱۴۱۷ھ میں اربعین کی زیارت کے لئے کربلا معلّیٰ گیا ہوا تھا کہ اس سال سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اربعین کی زیارت کے لئے کربلا معلّیٰ آنے والوں کی تعداد ستر لاکھ تھی جب کہ ان دنوں میں شب ہائے جمعہ میں تیس لاکھ افراد نے زیارت کا شرف حاصل کیا اور اس خبر کی تاکید کے طور پر اس نے بتایا کہ اسی سال پندرہ شعبان کو زیارت کے لئے تقریباً اسی لاکھ زائرین نے عراق اور بیرون عراق سے کربلا معلّیٰ کی زیارت کی۔① عراق کے لئے آنے والے عازمین زیارت کی عددی کثرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت عراق نے جو ان دنوں بین الاقوامی اقتصادی پابندیوں کا شکار ہے اور اقوام متحدہ کی طرف سے اقتصادی بائیکاٹ کے گھیرے میں ہے زائرین پر بھاری ٹیکس عائد کیا ہوا ہے۔② جس سے اس کی آمدنی میں بڑی حد تک اضافہ ہو گیا ہے اس ٹیکس کی تفصیل ملاحظہ ہو: ملک میں داخلہ کے لئے ٹیکس: پچاس امریکی ڈالر خون کے ٹیسٹ کی فیس: پچاس امریکی ڈالر زرمبادلہ کی بنک فیس: پچاس امریکی ڈالر

---

① یہ ان میں سے بعض ایسے موثق افراد کی زبانی بیان ہوا ہے جو اس سال زیارت سید الشہداء علیہ السلام سے شرف یاب ہوئے ہیں اور یہ تعداد عراق کے عوامی حلقوں میں زبان زد خاص و عام تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہیں۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ اربعین سید الشہداؑ کے دنوں میں زائرین کی تعداد ستر لاکھ تھی۔ جبکہ یہ ایام ملک کے لئے مقامی مناسبت کے حامل ہوتے ہیں اور پندرہ شعبان کی زیارت کے ایام بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ لندن سے شائع ہونے والے اخبار ''شائد'' مطبوعہ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ نے اخبار رضا کار سے جو اعداد و شمار نقل کئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زائرین مرقد سید الشہداء علیہ السلام کی تعداد اس سال تریسٹھ لاکھ تھی اور کتاب ''تاریخ عزاداری'' مطبوعہ ۱۳۹۹ھ صفحہ ۲۷۲ میں کتاب ''نہضت الحسینؑ'' تالیف فرزند مولف کتاب ہذا کے صفحہ ۱۶۲ کے حاشیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر مخصوص کے موقع پر کربلائے معلّیٰ کے زائرین کی تعداد روزانہ دس لاکھ سے زائد ہوتی ہے۔

② یہ اقتصادی بائیکاٹ ۱۴۱۲ھ میں خلیج کی دوسری جنگ میں عراق کی شکست کے بعد اس پر اقوام متحدہ کی طرف سے قرارداد نمبر ۶۸۷ کے تحت عائد کیا گیا اور تادم تحریر یہ بائیکاٹ برقرار ہے۔

علاوہ ازیں حکومت عراق نے ہر زائر پر یہ پابندی بھی عائد کی ہوئی ہے کہ وہ روزانہ کم از کم پانچ امریکی ڈالر کے زرمبادلہ کو خرچ کرے۔①

حضرت سیدہ زینب بنت علی علیہ السلام کی زیارت اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی آمدنی نے حکومت شام کے اقتصاد میں کیا اثرات مرتب کیے ہیں معروف مصنف ''مقلد''② کی زبانی سنیئے۔ ''عالم اسلام کے نزدیک اور دور کے مختلف ملکوں سے بیسیوں اور ہزاروں زائرین کی تعداد جو شعبان وغیرہ کی مخصوصیوں کی مختلف تاریخوں میں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی زیارت کے لئے شام آتی ہے۔ اس سے شام کے دارالحکومت کو اربوں شامی لیروں کی آمدنی ہوتی ہے۔ اور یہ ایسی آمدنی ہے جس کا شامی اقتصاد کو مستحکم کرنے میں بہت بڑا عمل دخل ہے''③ اسی سلسلے میں حکومت شام کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے عربی ٹیلیویژن کے ایک چینل سے ٹیلی کاسٹ ہونے والے پروگرام سے ایک اعلان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ''اس سال سیاحت کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی ایک ارب امریکی ڈالر ہوئی ہے۔ کیونکہ ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴۱۶ھ میں...... (۲۱ اکیس لاکھ) افراد نے شام کی سیاحت کی جن میں سے...... (۱۵ پندرہ لاکھ) عرب سیاح تھے۔④'' اور یہ بات بھی شایاں ذکر ہے کہ غالب طور پر عرب سیاح اور ہزاروں شیعہ زائرین شام میں صرف عتبات مقدسہ کی زیارت کے ہی مقصد سے آتے ہیں۔⑤ ان آخری سالوں میں سعودی مملکت کے مشرقی علاقے سے سال بھر میں ہفتہ وار قافلے آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان، لبنان اور برطانیہ سے بھی قافلوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عراق کے مقدس مقامات خاص کر کربلا معلیٰ کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔

---

① یہ بات ان برطانوی مسلمانوں کی زبانی نقل کی گئی ہے جنہوں نے مختلف مخصوصیوں کے ایام میں مرقد سید الشہداءؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔

② حکومت عراق نے اعلان کیا ہے کہ ربیع الاول ۱۰ اگست) میں ایرانی حکومت کے ساتھ ایک معاہدہ طے پا گیا ہے کہ وہ ہر ہفتے ایرانی زائرین کی ایک بہت بڑی تعداد کو زیارت مقامات مقدسہ کی اجازت دے گی۔ یہ ۴ ستمبر ۱۹۹۷ مطابق یکم جمادی الاول ۱۴۱۸ھ کی بات ہے۔ جب کہ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے مطابق آذربائیجان سے ۳ ستمبر ۱۹۹۷ء سے قافلوں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

③ محمد بن یوسف مقلد شام کے اہل قلم۔ انہوں نے ''السیدۃ زینبؑ رمز الوحدۃ الروحیۃ بن الامۃ الاسلامیۃ'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا ہے۔ یہ مقالہ اس وقت پڑھا گیا۔ جب ۱۹۵۴ء مطابق ۱۳۷۴ھ میں جناب زینبؑ کی قبر مطہر پر چاندی کی ضریح ہدیہ کی گئی۔

④ مشرقی وسطی کے چینل MBC سے بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۹۶ء مطابق ۱۶ شعبان ۱۴۱۷ھ نشر کیا گیا۔

⑤ مثلاً مقام زیارت حضرت زینب علیہ السلام، اور حضرت رقیہ علیہ السلام اور باقی دیگر مقامات۔ ''الموسم'' مطبوعہ ہالینڈ شمارہ ۴ جلد ۸ مورخہ ۱۴۰۹ھ صفحہ ۹۱۲

بلکہ پوری دنیا کے کونے کونے سے شیعیان علی علیہ السلام کے قافلوں کا سلسلہ سارا سال جاری رہتا ہے علاوہ ازیں شام کی مقدس زیارتوں کے لئے ہزاروں ایرانی پندرہ روزہ منظم پروگرام کے تحت اس ملک کا سفر کرتے ہیں جبکہ مختلف مذہبی مخصوصیوں کے موقع پر لبنان سے بھی قافلوں کے قافلے دمشق میں روضہ حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا رخ کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی شیعیان خلیج فارس کی ایک حیرت ناک تعداد گرمیوں کے موسم میں شام، ایران، اور مصر کا رخ کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے گرمیوں کے ایام وہاں کے عتبات مقدسہ کے جوار میں گزار سکیں۔اس وقت ہمارے پاس ان مقامات کے صحیح اقتصادی اعداد وشمار نہیں ہیں جو قارئین کو بتاسکیں۔کیونکہ یہاں سے نہ تو سرکاری اور نہ ہی غیر سرکاری طور پر اس قسم کے اعداد وشمار شائع کئے گئے جو صحیح اقتصادی صورت حال کی نشاندہی کرتے ہوں۔اقتصادی لحاظ سے ان مزارات کا ایک اور اہم کردار بھی ہے اور وہ زائرین کی طرف سے نذر، چڑھاوے، جانوروں کے ذبح کرنے اور ہدیوں کی صورت میں ہوتا ہے۔جن میں سے زیادہ تر حصہ تو ان مزارات کے دفاتر خواہ وہ سرکاری ہوں یا خودساختہ، کے پاس چلا جاتا ہے اور باقی ماندہ حصہ وہاں کے غریب، فقیر، حاجتمند، اور مزار کے خدمتگاروں کو بلاواسطہ یا بالواسطہ ملتا ہے۔

چونکہ عتبات مقدسہ کی زیارت ایک اہم اقتصادی ذریعہ ہے۔محقق علوی، عثمانی اور ایرانی حکومتوں کے درمیان طے پا جانے والے معاہدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔''ایرانی زائرین کو درپیش آنے والی مشکلات کو حل کرنے کے لئے ایرانی اور عثمانی حکومتوں کے درمیان ''ارض روم'' (ترکی) میں دو معاہدے طے پائے، ایک تو ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں اور دوسرا ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں۔جس میں ترکی حکومت کو اس بات کا پابند کیا گیا۔کہ وہ ایرانی زائرین کو جو عراق کی زیارات کے لئے جاتے ہیں۔پریشان نہیں کرے گی اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عثمانی سربراہ مدحت پاشا نے جس کی زیادہ تر خواہش تھی کہ اس کی حکومت کے ایران کے ساتھ اچھے تعلقات ہوں، اس وقت کے (۱) ایرانی شہنشاہ کو سرکاری خرچ پر عراق کی عتبات مقدسہ کی زیارت کی دعوت دی اور شاہ ایران نے بیس ہزار افراد کے ساتھ عتبات مذکورہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا جن میں سے چھ ہزار افراد شاہ کے خاص مصاحبین میں سے تھے اور زیارت کا یہ سلسلہ تین ماہ تک جاری رہا جس پر عراقی خزانے کو تیس ہزار عثمانی لیرے خرچ (۲) کرنا پڑے۔

---

(۱) ایرانی شہنشاہ ناصر الدین شاہ قاچار ابن احمد بن محمد تھا۔جو سلسلہ قاچاریہ کا چوتھا تخت نشین تھا اور اس نے ۱۲۶۴ھ سے ۱۳۱۳ھ تک ایران پر حکومت کی۔

(۲) عثمانی لیرا یا ترکی لیرا، سب سے پہلے ۱۲۶۲ھ میں جاری کیا گیا۔اور اس کا نام ''مجیدی'' تھا اور اسے ''ایزلیک'' بھی کہتے ہیں یہ سونے کا ایک سکہ تھا جو سو ''قرش'' پر مشتمل تھا۔اور اس کا وزن ۷.۲۱۱۱ حقہ تھا۔ملاحظہ ہو ''الموسوعۃ العربیۃ'' ص ۱۵۹۴ھ۔

البتہ اس کے ساتھ ہی مدحت پاشا نے ان اخراجات کی تلافی کے لئے شاہ ایران کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت ایرانی زائرین کی مشکلات کا ازالہ اور مُردوں کو عراق کے مقامات مقدسہ میں دفن کرنے کیلئے سہولیات فراہم کرنا تھا اور مدحت پاشا نے یہ پیشکش بھی کی کہ زمین میں مدفون نجف اشرف کے قیمتی جواہرات کا نکال کر ایرانی عازمین زیارت کے لئے سہولتیں فراہم کرنے پر خرچ کیئے جائیں گے۔

یہ قیمتی جواہرات وہابیوں کے حملوں کے خوف سے زمین میں دفن کیئے گئے تھے۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے کربلا معلیٰ پر حملہ آور ہو چکے تھے اور ضریح حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے قیمتی جواہرات لوٹ کر لے گئے تھے، چنانچہ نجف اشرف کے مدفون جواہرات کی تین لاکھ عثمانی ہیرے قیمت لگائی گئی تھی۔ چنانچہ طے پایا۔ کہ مذکورہ جواہرات کو ایران اور نجف اشرف کے درمیان ریلوے لائن بچھانے پر یا زائرین کے راستے پر ان کی سہولت کیلئے ہسپتال، مسافر خانے، سرائیں و کمرے وغیرہ بنانے پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اس پر عمل درآمد نہ ہوسکا اور مذکورہ جواہرات خزانے کو لوٹا دیئے گئے۔ ①

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر شاہ ایران کے دورے کے موثر اقتصادی اثرات اور قابل ذکر دیگر بہتر سیاسی اور سماجی نتائج نہ وہوتے تو عراقی سربراہ (مدحت پاشا) کو شاہ ایران کے اس طرح کے فراخدلانہ استقبال کی ضرورت نہ ہوتی۔ بلکہ اسے توقع تھی کہ ہزاروں ایرانیوں کی زیارات مقامات مقدسہ کے بہتر نتائج برآمد ہوں گے اور اس کے اچھے اقتصادی اور معاشی نتائج نکلیں گے۔

جب ۱۳۴۷ھ میں بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر اس وقت کی ایرانی حکومت نے اپنے شہریوں کو عراق کے مقامات مقدسہ کی زیارت سے روک دیا تھا تو اس بارے میں مسٹر "بطی" ② کہتے ہیں۔

"جو ایرانی ③ حضرات سالانہ عراق کی عتبات مقدسہ کی زیارت کو آتے رہے تھے ان سے عراق کو بہت بڑی آمدنی ہوتی تھی اور بعض سالوں میں تو ان کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی۔ اور وہ اپنے عراق میں قیام کے دوران دل کھول کر خرچ کرتے تھے، ملک کے مختلف شہروں میں خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔

---

① ملاحظہ ہو کتاب "الشیعہ والدولہ القومیہ فی العراق" صفحہ ۳۳۱۔ قدرے تصرف کے ساتھ

② "بطی" یعنی "رفائیل بطی" متوفی اپریل ۱۹۵۶ء مطابق ۱۳۷۵ھ عراقی صحافی رسالہ "الحریۃ" کے رئیس التحریر تھے، عراقی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے وزارت کا قلمدان بھی سنبھالا ماہ اپریل ۱۹۵۶ء میں عراق ہی میں وفات پائی۔

③ اصل تحریر میں لفظ "فارسی" ہے لیکن ہم نے اسے "ایرانی حضرات" میں تبدیل کیا ہے تاکہ تاریخ کو صحیح انصاف دیا جاسکے۔ اس لئے کہ "فارسی" عنصر میں تاریخ کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا کیونکہ ایران میں رہنے والا ہر باشندہ "فارسی" نہیں ہے۔ بلکہ وہاں پر اور بھی بہت سی قومیں رہتی ہیں۔ مثلاً کرد ترک، عرب، اور بلوچ وغیرہ۔

جس سے ان شہروں کی مارکیٹوں میں ایک قومی تحرک پیدا ہو جاتا تھا اور بازار بارونق ہو جاتے تھے۔ لیکن ان آخری دنوں میں تہران حکومت نے اپنے شہریوں پر عراقی مقامات مقدسہ کی زیارت پر پابندی لگا دی ہے۔ اور کسی بھی ایرانی کو پاسپورٹ جاری نہیں کر رہی، جس سے عراقی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ متاثر ہوا ہے۔ بلکہ ایرانی حکومت نے تو اپنے ملک میں موجود علماء دین سے اپیل کی ہے کہ وہ عوام کو مذکورہ زیارات کا قصد ترک کر کے ایران میں موجود مقدس مقامات جیسے مشہد مقدس ہے کی زیارت پر اکتفا کرنے پر راضی کریں''۞

اربعین ۱۳۳۱ھ میں کربلائے معلّٰی کے زائرین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار افراد تھی، چنانچہ رسالہ ''لغۃ العرب'' اپنے تبصرے میں لکھتا ہے۔ ''اگر بغداد کو ان دو شہروں کربلا معلّٰی اور نجف اشرف کے ساتھ ریلوے لائن کے ذریعہ ملا دیا جائے تو صرف اسی ایک ماہ میں دس لاکھ ''مجیدی''۞ سے بھی زیادہ آمدنی ہو اور زائرین کو بھی اس سے قابل ذکر فائدہ ہو۔ کیونکہ اس طرح سے ان کے اخراجات کم ہو جائیں گے اور جو اضافی خرچہ وہ اپنے لئے کرتے ہیں وہ اپنے گھر اور اہل خانہ کی آسائش کے لئے بجا لائیں گے''۞

مقامات مقدسہ جہاں پر زیارتی اہمیت کے حامل ہیں وہاں پر ان کا سیاحتی پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جس کی وجہ سے زائرین اپنی زندگی میں ان علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ البتہ یہ سلسلہ ان کی زندگی ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ چونکہ یہ علاقے ان کے لئے آخری آرامگاہ اور افضل مکان کی حیثیت کے بھی حامل ہیں جن میں وہ مدفون ہونے کی تمنا رکھتے ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں کئی لحاظ سے ان کے عقیدے کو بھی عمل دخل حاصل ہے۔۞ اسی لئے دنیا کے مختلف ملکوں سے مسلمان سال بھر میں بہت بڑی تعداد میں اپنے مردوں کو یہاں پر لا کر دفن کرتے رہتے ہیں۞ اور چونکہ مقدس مقامات کی طرف مردوں کو لے آنا اور وہاں پر ان کی تدفین ایک اہم اقتصادی ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

---

① قاہرہ سے شائع ہونے والے رسالے ''الرابطۃ الشرقیۃ'' شمارہ ۳ جلد اول تاریخ رمضان ۱۳۴۷ھ صفحہ ۵۲ سے ماخوذ۔

② ''مجیدی'' چاندی کا سکہ ہوتا تھا جسے عثمانی عہد حکومت میں اہل عراق استعمال کرتے تھے۔ اور سلطان عبدالمجید اول کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اسے ''مجیدی'' کہتے تھے۔ جنہوں نے ۱۲۵۶ھ تا ۱۲۷۷ھ حکومت کی۔ اور یہ سکہ ۲۰ قرش کے برابر ہوتا تھا۔

③ رسالہ ''لغت العرب'' بغداد، شمارہ ۷ جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ مورخہ صفر ۱۳۳۱ھ

④ بحار الانوار جلد ۹۷ صفحہ ۶۶ تا صفحہ ۷۰۔

⑤ کتاب ''عذاب بلا نہایت'' صفحہ میں مذکور ہے کہ جنوری ۱۹۹۲ء مطابق رجب ۱۴۱۲ھ میں اقوام متحدہ کا نمائندہ خصوصی نجف اشرف کے دورے پر آیا اور اس نے وادی اسلام کے قبرستان کا بھی دورہ کیا اور وہاں پر اپنی آنکھوں سے شیعوں کو اپنے مردوں کو دور دراز کے علاقوں مثلاً ہندوستان، افغانستان، وغیرہ سے لا کر دفن کرتے بھی دیکھا۔ جو ہزار سال سے ایسا کرتے آ رہے ہیں۔ اور اس قبرستان کا شمار دنیا کے عظیم ترین قبرستانوں میں ہوتا ہے۔

جس سے حکومت وقت کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے لہٰذا عثمانی حکومت نے اس پر ٹیکس عائد کر دیا حتی کہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں ہر مردے پر عائد شدہ ٹیکس پچاس فرانسیسی فرانک تھا①

مردوں کو مقامات میں دفن کرنے کے لئے لے جانے کے بارے میں معروف سیاح ''لوفٹس'' ② کہتے ہیں۔
''کربلائے معلیٰ میں مردوں کی تدفین کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ کیونکہ وہاں پر ایسی سرزمین میں جس میں امام سید الشہداءعلیہ السلام کا خون ملا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق ان کے مردوں کی تدفین ان کے لئے امان کا باعث ہوتی ہے''③

جبکہ سیاح ''جان اشٹر'' کہتے ہیں۔ ''جو شیعہ مالی لحاظ سے خوش حال اور بااثر ہوتے ہیں اور سرکاری ٹیکس اور دیگر اخراجات بھی برداشت کر سکتے ہیں وہ اپنے مردوں کو وہاں صحن حضرت سید الشہداءعلیہ السلام میں دفن کرنے کیلئے لے جاتے ہیں اور اس امتیاز کے حصول کیلئے کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی قافلہ میں ہزار جنازوں کو لایا جاتا ہے اور بعض اوقات انہیں بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑتی'' اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے ہر جنازے کے ساتھ مرنے والے کے ساتھ اعزاء اقارب میں سے ایک یا کئی افراد ہوتے ہیں''④

جب انگریزوں نے عراق پر قبضہ کیا تھا تو انہیں عتبات مقدسہ کی زیارت اور وہاں کے مردوں کے دفن کرنے کی وجہ سے ہونے والی آمدنی کی اہمیت کا پتہ چلا کہ ان ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی ان شہروں کی اقتصادی اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کس قدر اہمیت کی حامل ہے۔ تو انہوں نے ایسے شہروں پر بھاری ٹیکس عائد کر دیا اور انگریزوں کے ہاتھوں سقوط بغداد کے بعد ۲۴ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ ⑥ میں ''جنرل موڈ''⑤ نے ان شہروں پر جو پابندیاں عائد کر دی تھیں۔

---

① فرانسیسی فرانک، فرنچ کرنسی ہے جو مختلف ادوار، زرمبادلہ کی حیثیت سے استعمال ہوتی آرہی ہے۔ اس کا اجراء سب سے پہلے ۷۶۲ھ میں جون دوم کے دور حکومت میں سونے کے سکے سے ہوا۔ جبکہ ۱۲۱۰ھ میں اسے چاندی کے سکے میں ڈھالا گیا۔ جس کا وزن پانچ گرام ہوتا تھا۔ ۱۲۱۸ء میں قانونی طور پر اسے فرنچ زرمبادلہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اور آج تک زرمبادلہ کی صورت میں استعمال ہو رہا ہے۔ ایک فرانک، سو سینٹیم کے برابر ہے (ملاحظہ ہو رسالہ ''لغۃ العرب'' شمارہ ۶ جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ مورخہ محرم ۱۳۳۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۱ء)

② انگریز ماہر آثار قدیمہ، جنہوں نے کئی مرتبہ عراق کا دورہ کیا اور یہ ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۴۹ء اور ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء کے دورہ کی بات ہے۔

③ ملاحظہ ہو ''العتبات المقدسہ'' حصہ ''کربلا'' صفحہ ۲۹۵ منقول از Travels & chaldeae of susians P 59

④ ''جان اشٹر'' لندن میں نیشنل جغرافیکل سوسائٹی کے رکن تھے، عراق اور ایران کا دورہ کر چکے ہیں۔ عراق میں ان کا یہ دورہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوا۔ ⑥ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۱۷ء

⑤ ''جنرل موڈ'' سر فریڈرک اسٹانلے (۱۸۶۴ء تا ۱۹۱۷ء) عثمانی حکومت کے خاتمہ کے وقت عراق میں برطانوی فوج کا سربراہ ''کوث'' العمارہ اور بغداد کا فوجی حکمران تھا

ان میں سے بعض کو جنرل موڈ کے جانشین ''ولیم مارشل'' ① نے بغداد کے شہریوں کے ایک اجتماع میں ۶ صفر ۱۳۳۷ھ ② اٹھانے کا اعلان کیا جو پابندیاں اٹھائی گئیں تھیں وہ یہ تھیں۔

۱۔ تجارت پر عائد پابندیوں کا خاتمہ ۔۲۔ افراد کی آمد و رفت پر سے سختیوں اور بندشوں کا خاتمہ ۔۳۔ کربلا معلّٰی، نجف اشرف اور دیگر مقامات مقدسہ کی طرف تدفین کیلئے مردوں کے جانے پر پابندی۔ ان مقدس مقامات اور روضہ ہائے مطہرہ کی کی طرف تدفین کے لئے جنازوں کے قافلے لائے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور مقررہ ٹیکس ادا کرنے کے بعد ایسے مقامات پر دفن کیا جاتا ہے چنانچہ ۱۴۱۸ھ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے روزہ اطہر کے نزدیک ایک مردے کی تدفین کیلئے ایک لاکھ ایران تومان ادا کئے جاتے تھے ③ جبکہ دمشق میں حضرت زینب علیہ السلام کے قبرستان میں ایک مردے کی تدفین کی قیمت کئی ہزار شام لیرے تھے ④ اور کربلا معلّٰی اور نجف اشرف میں ایک مردے کی نقل و حمل اور تدفین کے لئے کئی کروڑ عراقی دینار ⑤ خرچ ہوتے تھے۔

نجف اشرف میں وادی اسلام کے قبرستان کا شمار دنیا کے عظیم ترین قبرستانوں میں ہوتا ہے کہ جہاں پر عالم اسلام ⑥ کے مختلف علاقوں سے مردوں کو دفن کرنے کیلئے پہنچایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ مردے کی نقل و حمل اور تجہیز و تدفین پر جو اخراجات اٹھتے ہیں ان میں وہ خدمات بھی شامل ہیں۔ جو مقامی طور پر اس کے لئے انجام دی جاتی ہیں اور اس شہر کے اکثر باشندوں کے گزر معاش کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ⑦

---

① ولیم مارشل جنرل موڈ کے بعد عراق پر ''ثورۃ عشرین'' سے پہلے تک برطانوی فوج کا سربراہ رہا۔

② مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء

③ ۱۴۱۸ھ میں مشہد مقدس میں ایک مردے کی تدفین کے اخراجات ستر لاکھ تومان تھے۔ جبکہ سرکاری ذرائع کے مطابق ان دنوں ایران کے ایک گھرانے کی متوسط روزانہ تقریباً پانچ سو تومان تھی۔

④ یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ میں میرے ایک دوست نے دمشق کے قبرستان کے انچارج سے سوال کیا کہ مرقد حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے شمال میں واقع قبرستان میں ایک مردے کی تدفین کے لئے ''ادارہ تدفین اموات'' کو کتنی فیس دینی پڑتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا چالیس ہزار شامی لیرے! جبکہ ان دنوں میں ایک گھرانے کی ماہانہ متوسط آمدنی پانچ ہزار شامی لیرے تھی۔

⑤ نجف اشرف کے قبرستان وادی السلام میں ۱۴۱۸ھ میں ایک مردے کی تدفین کے لئے تیس لاکھ عراقی دینار لئے جاتے تھے۔ جبکہ انہی ایام میں ایک گھرانے کی روزانہ متوسط آمدنی تقریباً دو ہزار دینار تھی۔

⑥ اس جزیرہ کے فضائی چینل سے اتوار ۳۱ اگست ۱۹۹۷ء مطابق ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ کو نشر ہونے والی ایک گفتگو میں بتایا گیا کہ اس قبرستان میں مدفون مردوں کی تعداد کئی کروڑ ہے۔

⑦ ملاحظہ ہو اسی ادارے کا شائع کردہ باب ''اضواء علی مدینۃ الحسین'' کی فصل اقتصاد۔

امام مظلوم سید الشہداء حسین بن علی علیہ السلام کے شہر کربلا کو اس کی ''خاک شفا'' کی وجہ سے خصوصی امتیاز حاصل ہے اور یہی خاک شفا کہ جس سے سجدے گاہیں اور تسبیحیں بنائی جاتی ہیں۔ اس شہر کا ایک اہم ترین ذریعہ آمدنی ہے۔ چنانچہ ''شہری باف''① کہتے ہیں۔ ''تہران کے بازاروں میں تربت حسینیہ (خاک شفا) تولوں کے حساب سے فروخت کی جاتی تھی۔ جو سونے سے زیادہ مہنگی پڑتی تھی''② اور کربلا معلّٰی میں نماز③ اور مردوں④ کے لئے خاک شفا سے ٹکیاں (سجدے گاہیں) اور تسبیحیں وغیرہ تیار کرنے کے کارخانے ہیں۔ چنانچہ معروف سیاح ''کرسٹن نیبور'' اس بارے میں کہتے ہیں۔ ''خاک شفا کی مصنوعات خاص قسم کے کارخانوں میں تیار کی جاتی ہیں جن کے مالکان، لائسنس کے حصول کے لئے اور سالانہ ٹیکس کے طور پر والی بغداد کو بہت بڑی رقم ادا کرتے ہیں۔⑤ اس کے علاوہ اور بھی کئی اقتصادی اور معاشی پہلو ہیں جنہیں ہم یہاں پر ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے بلکہ اس ادارے کی کسی اور کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

---

① شہری باف کا اصل نام جعفر شہری باف ہے، معاصر ایرانی اہل قلم ہیں تہران میں رہتے ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ''تہران قدیم'' صفحہ ۱ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

② ملاحظہ ہو کتاب ''تاریخ اجتماعی تہران در قرن سیزدہم'' (تیرہویں صدی میں تہران کی معاشرتی تاریخ) جلد ۵ صفحہ ۱۳۱

③ نماز ادا کرنے کے لئے سجدہ گاہیں دو اعتبار سے تیار کی جاتی ہیں۔ ۱۔ جن مقامات پر قالین یا اس طرح کے دوسرے فرش بچھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ جن پر سجدہ نہیں ہو سکتا، وہاں پر سجدے کے لئے پاک مٹی کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ ۲۔ مذہب امامیہ کے نزدیک خاک شفا (تربت حسینی) پر سجدہ کرنا مستحب ہوتا ہے جیسا کہ آنجناب کی راہ خدا میں شہادت کو عزت و تکریم حاصل ہے۔ مزید تفصیل کے لئے اسی ادارے کی کسی کتاب میں ''مسائل شرعیہ کے باب'' اور ''باب الحدیث'' میں مذکور ہے۔

④ میت کے ساتھ قبر میں خاک شفا کی بنی ہوئی ٹکیاں اور دوسری چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ ''حسین علیہ السلام کی تربت، پر خوف سے امان کا موجب ہے'' ملاحظہ ہو اسی ادارے کی کتاب کا ''باب الاحادیث''۔

⑤ کرسٹن نیبور، جرمن سیاح ہیں جو خلیج فارس کے راستے عراق آئے اور رجب ۱۱۷۹ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۶۵ء میں کربلا معلّٰی کا ملاحظہ ہو ''العتبات المقدسہ'' قسم کربلا صفحہ ۸۹۔ منقول از سفرنامہ نیبور

مزارات کا سیاحتی کردار

ہر ملک کے سیاحتی مقامات جو خاص علامات اور نشانات کے حامل ہوتے ہیں مجسم اور زندہ تاریخی آثار پر قائم ہیں۔ جو ان معانی اور حادثات و واقعات کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ ان تاریخی مقامات نے مختلف ادوار میں مشاہدات کیے ہیں۔ خواہ یہ آثار مثبت حیثیت کے حامل ہوں یا منفی حیثیت کے۔ یہ ایک ایسے انمول سیاحتی اور تاریخی مقامات ہوتے ہیں جن کی قیمت سکوں میں ادا نہیں کی جا سکتی اور پھر جب ان کے حسن و جمال اور آرائش میں فن تعمیرات اور ایجادات و اختراعات کا اضافہ ہو جائے تو ان کی رونقیں اور بھی دوبالا ہو جاتی ہیں اور قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح دیکھنے والے کی روح اور باطن میں گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں اور پھر جب یہ تمام صفات اور معانی بذات خود ان آثار قدیمہ میں یکجا ہو جائیں تو بلاشبہ ان کے رعب وجلال اور عظمت و دبدبے اور پائیداری کی کوئی انتہا نہیں ہوگی اور حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا مزار مقدس رعب وجلال اور عظمت و دبدبے کے ان تمام معانی و مطالب کا حامل ہے اور اس مزار کا ہر ایک ٹکڑا بلکہ ہر ایک پتھر ایسے سفر کا حامل ہے جس میں ایک تاریخ پوشیدہ ہے اور واضح فن اور اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کرتا ہے اور اس اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی تحقیق اور گہرے مطالعے کی ضرورت ہے اور اس قدر توصیف اور تفصیل کا متقاضی ہے کہ کتاب کے یہ چند اوراق اس کے لئے ناکافی ہیں۔

اس عظیم اثر اور تاریخی قدر و قیمت کے باوصف یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ ملک پر ہر حکمران کی سیاسی حیثیت نے اس مقدس مرقد پر گہرے تاریک سائے ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کرتے الٹا اسے اپنی تخریب اور تباہ کاری کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ کربلا معلیٰ نجف اشرف، کاظمین شریفین، سامراء مبارک اور جنت البقیع کی ضریحیں، روضے اور مزارات ان کی دستبرد، ہتک حرمت اور سرقت و خیانت سے محفوظ نہیں رہے۔

عراق پر مسلط حکومتوں کی اس بارے میں مسلسل سستی اور کوتاہی عیاں ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ کیونکہ ان حکومتوں نے مزارات اور روضوں کی تعمیر اور ترقی کی جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ بلکہ حکومتوں کے اس دعویٰ کہ وہ عتبات مقدسہ کی تعمیر، ان کی حفاظت اور ترقی کے لئے کوشاں ہیں، اس کے برعکس انہوں نے مقدس ضریحوں کی طرف فن تعمیرات اور تاریخی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی خاص توجہ نہیں دی چہ جائے کہ ان کے دوسرے پہلوؤں پر توجہ دیں۔ محکمہ آثار قدیمہ اور سیاحتی ایجنسیوں جیسے عظیم الشان اور بھاری بھرکم سرکاری اداروں نے بھی ان مقدس شہروں کی تعمیر و ترقی اور ان کی حالت سدھارنے

کے لئے کوئی خاص اور صحیح معنوں میں کوشش نہیں کی اور نہیں تو کم از کم یہی سمجھ کر کہ یہ ایک قومی اور اسلامی سرمایہ ہیں ان پر خصوصی توجہ دی جاتی۔ اس کی اصل اور غالب ترین وجہ بعض اوقات برسر اقتدار آنے والی بعض حکومتوں کے وہ کینے اور دشمنیاں ہیں۔ جو ہر معاملے کو ذاتی مفادات یا قبائلی اور مذہبی دشمنی کے نقطہ نظر سے دیکھتی ہیں آئمہ اہلبیت علیہ السلام کی ضریح ہائے مقدسہ حسن و جمال اور فن تعمیرات کا ایسا شاہکار ہیں کہ کم از کم عراق میں ان پر کسی اور شاہکار کو فوقیت حاصل نہیں ہے اور انہی ضریحوں کی ساخت اور تعمیر کے پیش نظر ان کے اطراف میں سڑکیں بچھائی گئیں اور مدارس، مساجد، امام بارگاہوں، اور دیگر عمارتوں کی تعمیر کے لئے نقشہ کشی کی گئی۔ ایسے شہروں میں سے ایک حضرت سید الشہدا علیہ السلام کا شہر کربلا معلیٰ بھی ہے جسے بجا طور پر فن تعمیرات کا بے نظیر شاہکار کیا جاسکتا ہے۔[1] جب عراق کے مقدس مقامات کا تذکرہ مصنف علوی کے سامنے کیا گیا تو انہوں نے ان کی سیاحتی قدر و قیمت کے بارے میں کہا۔ مقامات مقدسہ کی دینی قدر و قیمت تو اپنی جگہ مسلم ہے اس سے قطع نظر ان کو پرکشش بنا کر ان سے سیاحتی سروس کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ دور حاضر میں سیاحت ایک صنعت کا درجہ حاصل کر چکی ہے اور اسی سے ملک کے اقتصاد اور معیشت کو سنبھالا دیا جاسکتا ہے اور ملک (عراق) میں ایسے سیاحتی اجتماعات کی تشکیل کی بھی ضرورت نہیں رہتی جو مشکلات اور گناہ کا موجب ہوتے ہیں۔ نہ تو ریس اور گھوڑ دوڑ کی ضرورت ہوگی نہ بدکاری اور فحاشی کے اڈے کھولنے کی۔ نہ جوئے کی محفلیں جمانے اور شراب کی دکانیں کھولنے کی۔ کیونکہ مقدس اسلامی شہروں کی سیر کو آنے والا شخص نیک دل اور شرعی احکام کا پابند ہوتا ہے وہ عبادت کی غرض سے آتا ہے جو خضوع و خشوع کے ساتھ ان شہروں میں قدم رکھتا ہے اور آہ و بکا کے ساتھ یہاں سے واپس جاتا ہے۔ جب یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ان مقدس شہروں کی زیارت کے لئے آنے والوں کی سالانہ تعداد کئی لاکھ سے کم نہیں ہوتی[2] اگر زائرین پر عائد سرکاری پابندیاں اٹھالی جائیں اور ان کے لئے آسودگی کے سامان فراہم کئے جائیں تو اس راہ سے حاصل ہونے والی عراق کی سالانہ آمدنی ایک ارب ڈالر سے کہیں کم نہ ہو اور حکومت پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ کم از کم کربلا معلیٰ میں ایک بین الاقوامی ائیر پورٹ بنائے جہاں دنیا کے مختلف شہروں کے زائرین آسانی کے ساتھ آجا سکیں۔

---

① یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہم نے اس کتاب میں کربلا معلیٰ کا ایک نقشہ درج کیا ہے جس میں اس شہر کی تمام تاریخی، دینی، اور مذہبی حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اور شہر کے تقدس کو بھی سامنے رکھا گیا ہے تاکہ ہوسکتا ہے کہ فنی ماہرین مستقبل قریب میں اس پر غور و فکر کر کے اس سرزمین پر اسی نقشے کے مطابق شہر کی منصوبہ بندی کریں

② غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پندرہ شعبان ۱۴۱۰ھ میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مزار اقدس کی زیارت کرنے والوں کی تعداد کئی لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ اس مخصوصی کے کئی ماہ بعد جب حضرت آیۃ اعظمیٰ سید ابو القاسم خوئی رحمۃ اللہ کے فرزند سید محمد تقی لندن کے دورے پر تشریف لائے تو انہوں نے مجھے یہ بات بڑی تاکید کے ساتھ بتائی نیم سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پندرہ شعبان ۱۴۱۷ھ کی مخصوصی پر زائرین امام حسین علیہ السلام کی تعداد اسی ۱۸۰ لاکھ تھی۔ جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اسی طرح بغیر کسی روک ٹوک کے اور ''روٹین Routine ''[1] سے ہٹ کر زائرین کو زیارتی ویزا جاری کرے چنانچہ اگر ایسا کر دیا جائے تو عراق کے مقدس شہروں کی اقتصادی حالت ہی بدل جائے اور کربلا معلّیٰ کو گھیرے ہوئے گرد و ریگ کے تاریخی ٹیلوں پر آبادکاری کی جائے گی اور نجف اشرف میں اڑنے والی ریت پر قابو پایا جا سکے گا۔ سامراء اور کوفہ میں یونیورسٹیاں قائم کی جا سکیں گی اور پورا ملک عراق ایک زیارت گاہ اور قبلہ مقصود قرار پا جائے گا۔[2]

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومتوں کی روایتی بے پرواہی بے تدبیری اور عدم منصوبہ بندی جو ہر دور کی حکومت کا مطمح نظر رہی ہے۔ اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے عتبات مقدسہ کی زیارت کیلئے آنے والوں کے لئے کسی قسم کی سہولت فراہم نہ کر سکی۔ خصوصاً جب زیارات کے خصوصی ایام ہوتے ہیں اور زائرین کی تعداد دوسرے عام دنوں سے کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سرکاری انتظامات پہلے سے کہیں بڑھ کر ہوتے۔ لیکن یہ انتظامات ہر سال بد سے بدتر ہوتے ہیں بلکہ اس پر طرہ یہ کہ ہر سال رکاوٹیں بڑھ جاتی ہیں اور جو افراد حکومت کی طرف سے واقع ہونے والی کمی اور کوتاہی کو پورا کرنے کے لئے زائرین کی خدمت کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں بھی سختی سے روک دیا جاتا ہے۔

---

(۲)

① انگریزی کلمہ ہے جس کا مطلب ایک ہی حالت کا مختلف اشیاء میں جاری ہونا ملاحظہ ہو کتاب ''الشیعۃ والدولۃ القومیۃ فی العراق'' صفحہ ۳۳۳

فن تعمیر میں مزارات کا کردار

مذکورہ متعدد وجوہات جوان مزارات کے لئے بیان ہوئی ہیں کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ مزارات فن تعمیر کے لحاظ سے سے بھی ایک خوبصورت تحفہ اور قیمتی آثار قدیمہ ہیں جن کی وجہ سے انہیں قومی اور ملی اعزاز کا شرف بھی حاصل ہے۔ ساتھ یہ ملکی اور انسانی سرمایہ بھی ہیں۔ جن کا تعلق ہر فرد بشر کے ساتھ ہے۔ اور ان کی حفاظت ہر شخص کے لئے واجب و لازم ہے۔ کیونکہ ان میں فن معماری کی دلکشی، تاریخی معلومات اور عظیم روحانی اور دینی فوائد مضمر ہیں۔ اور یہ اس قابل ہیں کہ انہیں اہم سیاحتی مراکز کا درجہ دیا جائے جن کی طرف اطراف عالم سے زائرین کے وفود جوق در جوق کھنچے چلے آئیں۔

ان عظیم عمارتوں کے عظیم قومی سرمایہ ہونے سے بھی اگر قطع نظر کرتے ہوئے دیکھا جائے تو صاحبان فن اور ماہرین تعمیرات کی جلیل القدر ہستیوں کی کاوش کا ایک عظیم شاہکار بھی ہیں۔ کہ جن کی عظمت وجلالت کو اجاگر کرنے کے لئے متعدد گروہوں نے اپنے مختلف اوقات اور مختلف ادوار میں ان کی عظمت کو دوبالا کرنے میں اپنی کوششیں صرف کردیں۔ جو کہ ہر زمانے میں لاکھوں مسلمانوں کی نگاہوں اور توجہات کا مرکز چلی آرہی ہیں اور توحید پرست مومنین کے لئے منارہ ہدایت کا کام دے رہی ہیں اور اگر انہیں فنی آیات وعلامات کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے روضہ اطہر پر ہونے والے تعمیراتی فن کی تعریف عبدالحمید خیاط ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ”اس بات میں قطعاً مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ ہمارے اسلاف فن تعمیرات کے ذوق کے لحاظ سے بلند اور گہری نظر کے حامل تھے۔ جنہوں نے بڑی دوراندیشی کے ساتھ ان میں انوکھا پن اور جدت پیدا کی۔ اگر چہ شاہان وقت اور امیر امراء اسی طرح مخیّر حضرات نے ان عمارتوں کی تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیا اور مال کو خرچ کرنے میں کسی صورت میں دریغ نہیں کیا۔ لیکن مال ہی تنہا کافی نہیں ہوا کرتا جب تک کہ اس کے ساتھ نابغہ روزگار اور ماہرین فن کی جدتوں کو شامل نہ کیا جائے ان میں اساتید فن، ماہر کاریگر، راج، نقاش، اورا نجینئر وں کی کاوشوں کا بھی بڑا دخل ہے“

اس میں شک نہیں کہ فنون لطیفہ کی تاریخ بڑی پرانی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ عراق کی تاریخ تو اور بھی زیادہ قدیمی ہے کیونکہ مختلف اقوام وقبائل کے لوگوں نے اس ملک کی وادیوں میں جب سے قدم رکھا ہے اس وقت سے اس فن میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں کوشاں چلے آرہے ہیں۔

عراق میں اسلامی تمدن کی ضوفشانی کے موقع پر تعمیراتی فنون حیرت انگیز حد تک اپنے عروج کو پہنچ چکے تھے۔ کیونکہ ماہرین فن اور چابکدست کاریگر، عمارتوں کی نفاست اور خوبصورتی اپنی فنی مہارت کے ساتھ بڑی فیاضی کے ساتھ نمایاں کر چکے تھے۔

آئینہ کاری

عتبات مقدسہ کی عمارتوں میں جس چیز کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے وہ ہے نفیس آئینہ کاری، اور اس کا سلسلہ اس وقت شروع کیا گیا جبکہ وافر مقدار میں شیشہ کاری کے کارخانے بھی موجود نہیں تھے۔ بلکہ کاریگر کو اپنے ہاتھوں سے عام ہتھیاروں اور ابتدائی قسم کے آلات واوزار سے کام لینا پڑتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ صنعت، آیات فنون میں سے ایک آیت اور نشانی سمجھی جاتی ہے۔ جس کی نظیر آج کے دور میں وافر مسائل اور آلات کے باوجود ملنا مشکل ہے۔

کاشی کاری

کاشی کاری کے بارے میں عام لفظوں میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ مشقت طلب کام زمانہ قدیم کی صنعتوں میں سے ایک راز ہو کر رہ گیا ہے۔ کاشی کی اینٹوں کی چمک دمک اور رنگ کی پختگی جو ہر موسم کا پائیداری کے ساتھ مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور تب سے اب تک اپنی اصل شکل پر قائم ہے اب اپنے ماہر کاریگروں کے رخصت ہو جانے کیساتھ ہی یہ کام بھی ٹھپ ہو چکا ہے۔ اس دور کے افراد میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو اینٹوں پر ایسے رنگین نقش ونگار ثبت کر سکے جو پختہ اور پائیدار ہوں۔

منبت کاری

کچھ یہی صورت حال منبت کاری کو درپیش ہے کیونکہ لکڑی کے نفیس اور نازک ٹکڑوں پر منبت کاری کا کام جو کھڑکیوں روشندانوں، الماریوں، اور طعام گاہوں، وغیرہ کے دروازے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اب یہ کام قدیم صنعت کا ایک معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں عصر حاضر کے عراقی اور ایرانی ماہرین اور منبت کاری کے "مشکین قلم" انگشت بدندان ہیں۔

ملمع کاری

اس میں شک نہیں کہ آج بھی ایران و عراق اور دیگر مشرقی اسلامی ممالک میں موجود مقدس ضریحوں اور روضوں کے اطراف وجوانب میں سونے، چاندی، اور دیگر معدنیات سے کی گئی ملمع کاری کا فن اپنے عروج پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود دور

حاضر کے کاریگر اس قدیم ملمع کاری کا پھر بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، جو مختلف قطعات پر آج بھی موجود ہے اور وہ قطعات خصوصی طور پر قندیلوں، تاجوں، اور قرآن مجید کے جلدوں کی صورت میں عتبات مقدسہ خزانوں اور عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح زرہوں اور تلواروں کے قبضوں اور نیاموں پر ملمع کاری کے ایسے شاہکار ہیں جو دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں

سنگ مرمر

سنگ مرمر کی بلاکیں اور تراشے ہوئے قطعے جو روضہ ہائے اقدس اور ان کی فرنٹ کی دیواروں پر کام میں لائے گئے ہیں اکثر و بیشتر ایران کی کانوں۔۔ خاص طور پر یزد[1] کے علاقے سے نکال کر عراق لائے گئے اور یہی سلسلہ آج تک جاری ہے[2] جہاں پر ایران سے پتھر لایا جاتا تھا اس کے ساتھ ہی وہاں سے کاریگر بھی لائے جاتے تھے۔ اور ان کے ساتھ عراقی کاریگر بھی اس کام کو انجام دیتے تھے۔ اور کاریگروں کا انتخاب ضرورت، طلب اور پتھر کی نوعیت کے مطابق کیا جاتا تھا۔ اور مذکورہ سنگ مرمر کی اقسام اپنی چمک اور رنگ کے لحاظ سے یورپ سے نکالے جانے والے پتھر سے کم نوعیت کی نہیں۔

---

① یزد ایران کا بہت بڑا شہر ہے جو اصفہان کے جنوب مشرق مین صحرا طبس کے کنارے واقع ہے دارالحکومت تہران سے ۶۷۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

② کتاب کی تاریخ تالیف مورخہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء

ان عمارتوں کی تزئین و آرائش اور نقش و نگار کی تاریخ کا آغاز ۳۶۷ھ میں آل بویہ کی حکمرانی کے ابتدائی دنوں سے ہی ہو جاتا ہے۔ انہی لوگوں نے سب سے پہلے اس کی ابتدا کی اگرچہ عمارتیں ان سے پہلے بھی موجود تھیں۔ لیکن صرف سادہ اور عام صورتوں میں تھیں [1] اور ۹۱۴ھ میں جب صفوی عہد حکومت شروع ہوا تو اس سے بڑھ کر تزئین آرائش اور نقش و نگار کو بڑے اہتمام سے اپنایا گیا جس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

مصنف خیاط آگے چل کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار اقدس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ اس روضہ اقدس کی حیثیت وہی ہے جو عالم عرب۔ عالم اسلام۔ کے تاریخی قلعوں کی ہے اور جو شخص اس کی زیب و زینت اور فن کو غور سے دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس عمارت کو تعمیر کرنے اور یہ صورت دینے میں نابغہ روزگار کاریگروں کا ہاتھ ہے اور یہ ایسے دست مشاقہ کی مرہون ہے جو اپنی مثال آپ تھا۔ یہ عظیم الشان عمارت، فن تعمیر کا ایک یادگار شاہکار ہے [2] اور یہ بھی کہتے ہیں ''عراق کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اس محفوظ اور ممتاز گنجینہ پر فخر کرے اور ان دلکش عمارتوں کو جو ممتاز اور بارونق جذاب اور پرکشش نوعیت کی حامل ہیں کے ذریعہ اعزاز حاصل کرے۔ ملک عراق پر حق بنتا ہے کہ وہ متقدم نابغہ روزگار شخصیتوں کا شکریہ ادا کرے جنہوں نے ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کر کے اس قسم کی لازوال عمارتوں کو تعمیر کیا اور ہمارے لئے ایک نمونہ چھوڑ گئے۔ تاکہ ہمارے درمیان موجود صاحبان فن، استادان تعمیرات اور ہوشیار و حاذق معماران و کاریگروں کے لئے ایک علامت کی حیثیت سے موجود رہیں خواہ ان کا تعلق ایران سے ہو یا عراق سے۔ [3]

---

(1) عبدالحمید خیاط کی تالیف، تاریخ، الروضۃ الحسینیہ) مصورہ اس سے یہ اقتباس لیا گیا۔ البتہ قدرے تصرف کے ساتھ۔

(2) تاریخ الروضۃ الحسینیہ مصورہ صفحہ ۱۳

(3) تاریخ الروضۃ الحسینیہ صاحب ص ۸

تعمیرات اور آبادکاری میں مزارات کا کردار

اسلامی شہروں کی تعمیر و ترقی میں مزارات کا کردار اسی طرح واضح اور نمایاں ہے جس طرح مساجد کا، کیونکہ مکانات اور عمارتوں کی تعمیر میں انہیں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس بارے میں مزارات کا کردار، مساجد سے بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے کہ شہروں کا سنگ بنیاد، ان کی آبادکاری اور نقشہ کشی بنیادی طور پر انہی مزارات کی مرہون منت ہے۔ لوگ انہی کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور وہیں پر ان کا ایک دوسرے سے تعارف ہوتا ہے۔ باہمی ربط وضبط پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کے گردونواح میں سکونت اختیار کی جاتی ہے اور یہیں سے آبادکاری اور سکونت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایک نئے متمدن شہر کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ جبکہ مسجد کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ جو مزار کو حاصل ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی شہروں کی آبادکاری اور نقشہ کشی کے سلسلے میں مزارات کی طرح مساجد بھی اپنا ایک کردار رکھتی ہیں۔ لیکن شہر کی مرکزیت اور محوریت کے لئے مزارات کا اپنا مقام ہے آبادکاری کا آغاز انہی سے ہوتا ہے۔ اور ہر طرف سے آنے والے راستے اور سڑکیں انہی پر آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مساجد میں بہت سے فنون او زیبائش کو داخل نہیں کیا جا سکتا جبکہ مزارات کی آرائش اور زیبائش سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔ کیونکہ مساجد کو ہر طرح کے تکلفات اور سجاوٹ سے خالی رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ادھر یہ ہے کہ اگر ہم اسلامی ممالک کے ان شہروں کی آبادکاری اور طرز تعمیر کا بنظر غائر جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ اسلامی فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ حتی کہ وہ عبادت جو ظاہراً ادا کی جاتی ہیں۔ بظاہر تو ایسی عبادات کا تعمیرات اور آبادکاری سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن جب اچھی طرح ان کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عمارت اور انجینئرنگ کے ہر مرحلے پر ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

چنانچہ ایک مسلمان کہ جس کو تھوڑا سا بھی شعور ہوتا ہے وہ نقشہ بنانے، انجینئرنگ کو کام میں لانے، اپنا گھر یا شہر تعمیر کرنے میں اپنے دینی اور مذہبی امور کو پیش نظر رکھ کر اور اپنے فرائض و واجبات کی ادائیگی اور اپنے اسلامی رسوم و رواج اور شعائر اور عادات کو مدنظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندی کرتا ہے۔ اس کا واضح فرق اس وقت معلوم ہو گا جب آپ کسی اسلامی ملک کے کسی مذہبی شہر کا دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے شہروں سے تقابل کریں۔

مختلف ادوار کے گزرنے کے باوجود مساجد اور مزارات نے اپنے اسلامی طرز تعمیر کو ابھی تک محفوظ کیا ہوا ہے۔

اور اسلامی شہروں کی تہذیبی، تعمیری اور آبادکاری کے مختلف مراحل کی نشاندہی کرنے پر زندہ گواہ اور منہ بولتی تصویر ہیں اس بارے میں مصنف ''الولی''[1] مساجد کی بحث کے سلسلے میں کہتے ہیں۔ ''معمورہ عالم کے جس کے حصے اور جس زمانے میں بھی مساجد تعمیر کی گئیں ہیں انہوں نے مختلف مراحل میں ہمارے لئے دینی اور اسلامی تہذیب کو محفوظ رکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی ہمیں ایسے ادارے قائم کرنے کی توجہ بھی دلائی ہے جنہیں آج ہم ''انجینئرنگ یونیورسٹی یا ٹیکنیکل کالج'' کا نام دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ ادارے انہی عمارتوں کی وجہ سے وجود میں آئے''[2]

مثلاً آپ فریضہ نماز ہی کو لیجئے، اگر اسے تعمیراتی امور سے مربوط کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کی جماعت کے ساتھ ادائیگی کے لئے ایک مکان کی ضرورت ہوگی۔ جس کا نام ''مسجد'' ہے۔ اور مسجد کے لئے ضروری ہوگا کہ موذن کے لئے ایک بلند جگہ ہو، خطیب اور پیش نماز کے لئے کھڑا ہونے کے لئے ایک جگہ ہو۔ ایک ایسی جگہ بھی ہو جو سمت قبلہ کی نشاندہی کرے اور وہ ''محراب'' ہوگا۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر مسجد میں گنبد، گلدستہ اذان یا مینار، محراب اور ہال وغیرہ تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اور چونکہ نماز کے لئے کئی مقدمات کی بھی ضرورت ہوتی ہے مثلاً طہارت وغیرہ تو اس کے حصول کے لئے بھی جگہیں بنائی جاتی ہیں یعنی طبی اصولوں کے مطابق طہارت خانے اور غسل خانے وغیرہ۔

اور اس کے ساتھ ہی اس عمارت خواہ وہ مسجد ہو یا مزار، کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنے کے لئے خدمتگاروں اور نگرانوں کی رہائش اور دوسری ضروریات کے لئے کمروں وغیرہ کی تعمیر بھی ضروری ہوتی ہے۔ تاکہ دیکھ بھال کرنے والوں کو آسائش ملے جو درحقیقت شہر کے باشندوں ہی کی آسائش کا ذریعہ ہوتے ہیں تو گویا مسجد اور مزار، مذکورہ عمارتوں کا ایک مکمل مجموعہ ہوتی ہے اور ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں پر نماز ادا کی جاتی ہے۔ دینی اور سیاسی اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے۔ اجتماعی، معاشرتی اور فکری مجالس منعقد ہوتی ہیں اور دوسری علمی اور ثقافتی سرگرمیاں پروان چڑھتی ہیں۔ اور علمی اور ادبی مراکز کا وجود عمل میں آتا ہے۔

تعمیرات اور آبادکاری کی حیثیت سے قبلہ اسلام (خانہ کعبہ) کو ایک کمپاس (قطب نما) کی حیثیت حاصل ہے اور مسلمانوں کی عمرانی زندگی میں اسے انتہائی خصوصی اور موثر حیثیت کا شرف حاصل ہے۔

---

① محمد بن شیخ طہ ولی، شام کے شہر طرابلس میں ۱۳۴۰ھ میں پیدا ہوئے، بیروت اور قاہرہ میں تعلیم حاصل کی، بیروت کی شرعی عدالت کے جج بنے۔ آخر میں صحافت کے پیشے سے منسلک ہوگئے، کئی کتابیں لکھیں جن میں سے ''الاسلام والمسلمون فی المانیا'' اور التراث الاسلامی فی بیت المقدس'' کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔

② ملاحظہ ہو کتاب ''المساجد فی الاسلام''

کیونکہ اکثر مسلمان اپنے گھروں اور رہائش گاہوں کی تعمیر کے وقت مساجد اور مزارات کی مانند اس کی سمت کا خاص خیال رکھتے ہیں ۔اور انہیں اسی سمت تعمیر کرتے ہیں۔ گویا وہ رضا کارانہ اور فطری طور پر اس آیت کریمہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ "ومن حیث خرجت فول وجهك شطر المسجد الحرام و حيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره" (سورہ بقرہ آیت ۱۵)۔یعنی اے رسولؐ! تم جہاں سے بھی جاؤ تو بھی تم (نماز میں) اپنا منہ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف کرلیا کرو۔اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اس کی طرف اپنا منہ کرلیا کرو"

اسلامی ملکوں میں ایک منزلہ عمارتوں کی افقی صورت میں تعمیر کا سبب بھی شاید یہی چیز ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ روایات نے کئی مختلف لحاظ سے اسی انداز میں تعمیر کو مستحسن قرار دیا ہے۔اور اسی انداز میں عمارتوں کے بنانے کی تاکید کی ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے ایک جیسے طرز تعمیر سے مقصود قومی اور خاندانی وحدت کی حفاظت، اور ایک دوسرے سے عدم جدائی، شہر کی صحت وصفائی کا خیال رکھنا اور محفوظ اسلامی رسم ورواج وغیرہ کی پابندی ہے۔یہ ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جو صرف اور صرف مسلم ممالک کے شہروں کو حاصل ہے اور تعمیرات اور آباد کاری کے لحاظ سے اسے تمدن کی ایک مستقل حیثیت حاصل ہے۔جیسا کہ ابھی بتایا جاچکا ہے کہ اسلامی فرائض کا تعمیرات اور آبادکاری میں بہت بڑا کردار ہے تو یہ کردار صرف اسی بات تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی ان کا موثر کردار ہے۔مثلاً اذان ہی کو لے لیجئے اس کے ذریعہ اوقات کی پابندی اور زندگی کے روزمرہ کے دوسرے امور کو منظم کرنے کا درس ملتا ہے۔جیسا کہ ہر اسلامی ملک میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔اب ہم مثال کے طور پر ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک عبادت یعنی نماز کا تعمیرات اور آبادکاری کے علاوہ دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں اس کا کیا کردار ہے۔

نماز

طہارت | وقت | قبلہ | مکان (مسجد)

طہارت

حمام اور غسل خانے | طبی اصولوں کے طہارت خانے | وضو کی جگہ اور کنویں

وقت

اذان | گلدستہ اذان

وقت کی پابندی

قبلہ

فلک | مکانات کی سمت

مکان (مسجد)

گلدستہ اذان | محراب | منبر | ہال
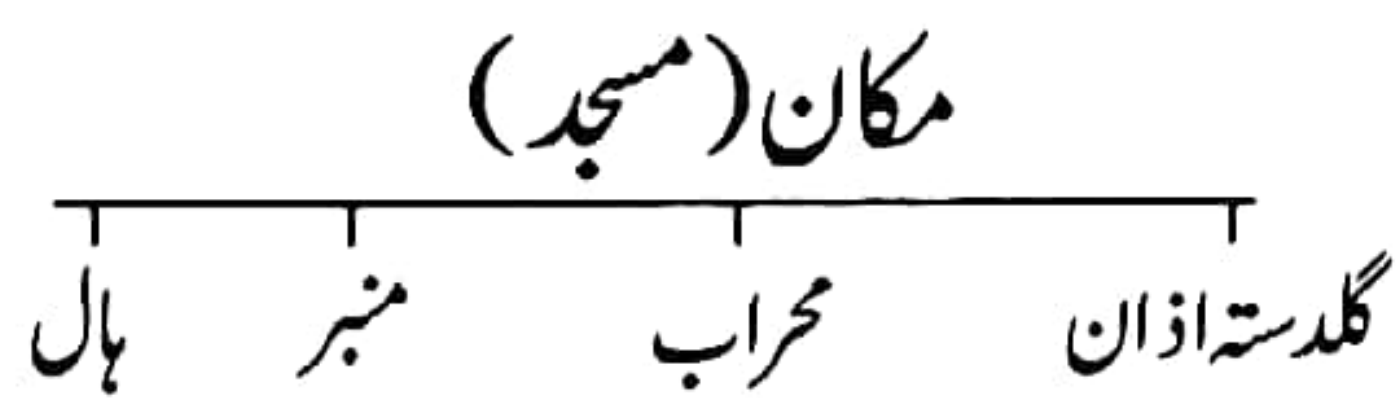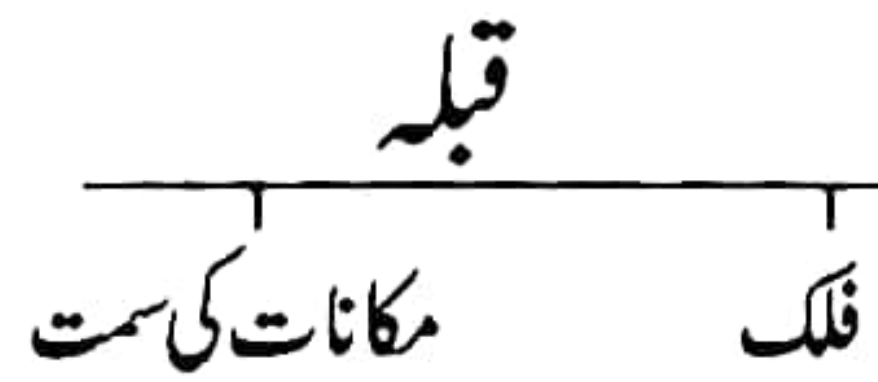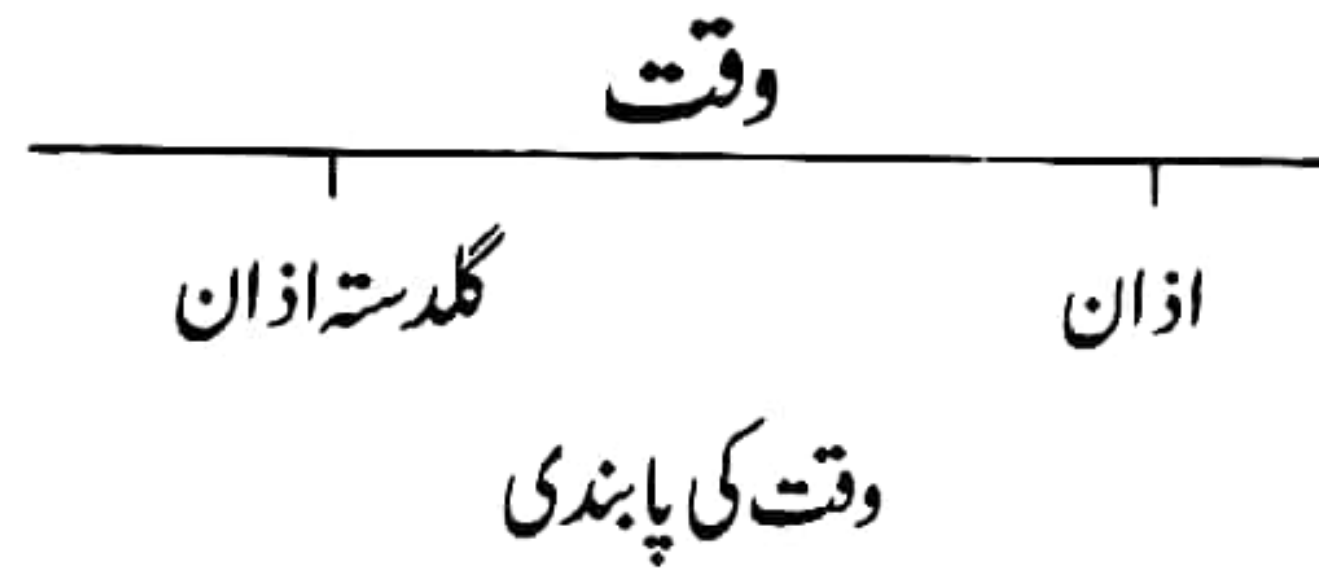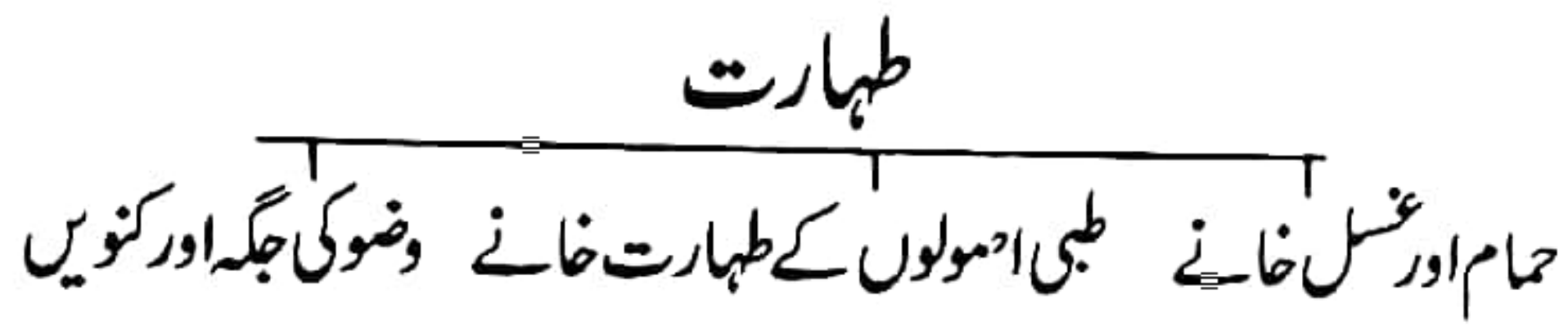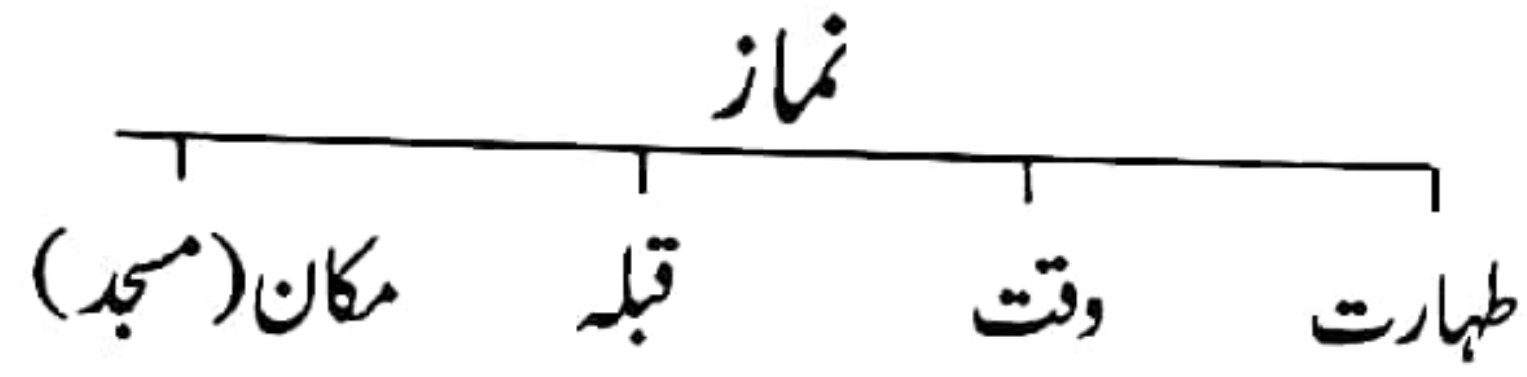
اسلامی تعمیرات میں تزئین و آرائش کی حیثیت

عمارتوں کی تزئین و آرائش سے مراد ان کی بناوٹ، سجاوٹ، ملمع کاری، اور طلاکاری ہے اور اسی پر ہماری بحث کا دارومدار ہے۔

آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے ہی، اسلام نے مسلمانوں کو کھانے پینے اور رہنے کے لئے غیر ضروری اخراجات اور اسراف و فضول خرچی سے روک کر سادگی اپنانے پر زور دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ مسلمان شخص کو کمال کے سراب کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے اور اپنی صلاحیتوں کو مختلف فضول اور بے کار جھوٹی آسودگیوں کے حصول میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے راہنماؤں اور پیشواؤں کی زندگی عیش و عشرت اور جھوٹے کمال کے حصول کی آرائشوں سے یکسر پاک اور منزہ تھی۔ بلکہ ان کی تمام تر توجہ انسانی معاشرے کی اصلاح اور اس کے عقائد و اخلاق کے سنوارنے اور اسے علم کے زیور سے مزین کرنے کی طرف مبذول تھی اور یہی وہ چیز ہے جس میں انسان کی حقیقی سعادت کا راز مضمر ہے۔ جو تمام آرائشوں سے پاک اور صاف ہوتا ہے۔

جب اسلام نے اپنے راستے جدید تمدن اور امیر اور غریب معاشروں کی طرف باز کئے تو ان کو بھی سادگی اپنانے پر زور دیا اور اسی طرح انہیں دعوت دی اور اسی چیز کو اس نے مکارم الاخلاق یا اعلیٰ درجے کے اخلاق کا نام دیا۔ ان خوبیوں میں سے ایک رہائشی مکانات کی سادگی کے ساتھ تعمیر بھی ہے۔ چنانچہ حضرت رسول اکرمؐ اور ان کے اہلبیت اطہار علیہ السلام اور اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم انتہائی درجے کی سادہ زندگی بسر کرتے رہے جو ہر طرح کے تکلفات سے مبرا تھی۔ ان کے گھر کی دیواریں مٹی اور گارے سے اور چھتیں کھجور کی شاخوں سے تیار کی گئی تھیں جن میں وہ اپنا سر چھپاتے تھے اور سردی یا گرمی سے اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا تا کہ انسان اس سے سادگی اور آسانی کا درس سیکھے اور اپنے آپ کو خواہ مخواہ کسی قسم کی تکلیف میں نہ ڈالے۔ چنانچہ اگر اس بارے میں تکلفات اور دوسرے جھنجھٹوں میں پڑ گیا تو اس سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے اگر خواہشات کی سواری کی باگیں اس کی پشت پر ڈال دی جائیں۔ تو وہ ایسی سرپٹ دوڑ شروع کر دے کہ کہیں پر بھی رکنے میں نہ آئے۔ اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ شریعت نے اچھے مکان اور عمدہ رہائش کو حرام قرار دیا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ سادگی میں انسان کی سعادت اور دل کی آزادی کا راز مضمر ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ کی زندگی سادگی اور زہد کی زندہ اور سچی مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی وجہ سے اشتراکیت (سوشلزم) کے علمبرداروں نے ان کی زندگی کو اشتراکیت کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے[1]
ملاحظہ فرمایئے یہ ہیں۔ پیغمبر خداؐ کے ابن عم اور ان کی دختر نیک اختر (سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے شوہر نامدار علی بن ابی طالب علیہ السلام جو آپؐ کے خلیفہ بلافصل بھی ہیں۔ جب آنحضرت نے ان کی شادی حضرت زہرا علیہ السلام سے کر دی تو انہوں نے ان کو ایک ایسے گھر میں ٹھہرایا جس کا ہر ایک حصہ زہد اور سادگی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اور یہ بات پیغمبر خداؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی طرف سے زندگی میں ہر قسم کے تکلفات سے پرہیز کی کھلی دعوت ہے۔ لیکن اسلام نے دیگر ادیان وعقائد اور منظم اداروں کی طرح ان لوگوں کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ جو اس چیز کو نہیں سمجھتے اور اپنی پسند کو اپنی مرضی سے چلانا چاہتے ہیں اور اس کو اس فعال کردار سے نکالنا چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عفان، معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے بعد آنے والے اموی اور عباسی حکمرانوں کے دور حکومت میں اسلام کے فعال اور مرکزی کردار کو یکسر بدل دیا گیا اور مسلمان شخص کی زندگی میں سادگی کی جگہ بہت سے تکلفات اور مشکلات کو داخل کر دیا گیا اور حکام نے سنت نبوی اور قابل اتباع سیرت میں تصرف کر کے اور اپنی ذاتی اقدامات کو داخل کر کے ان پر معاشرتی اصلاح، ترقی پسندی، آبادکاری اور وسعت پذیری کا لیبل لگا کر اپنے دلائل کو مضبوط بنانے کی کوشش کی اور تصرفات اور تبدیلیوں کا دائرہ کار ہر چیز تک وسیع کر دیا گیا حتی کہ مسجدیں بھی اس دستبرد سے محفوظ نہیں رہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد میں سب سے پہلے جس شخص نے تزئین وآرائش کو داخل کیا وہ عثمان بن عفان تھے۔ چنانچہ ان کے اس اقدام پر اصحاب پیغمبرؐ اور دیگر مسلمانوں نے احتجاج کیا اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ۔ لوگوں نے مسجد[2] کی ترمیم اور تزئین وآرائش کے بارے میں حضرت عثمان کے اس اقدام کو ناپسند کیا اور اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ اسے اس کی اسی حالت پر رہنے دیا جاتا جو حضرت رسول خداؐ اور ان کے دونوں ساتھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے زمانے میں تھی، لیکن حضرت عثمان نے فرمایا۔ ''تم نے بہت سی باتیں کیں ہیں لیکن میں نے حضرت رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص خداوند عز وجل کی خوشنودی کے لئے مسجد بنائے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ویسا ہی گھر بناتا ہے۔[3]

---

(۱) افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اشتراکیوں (سوشلسٹوں) نے اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھا ہی نہیں۔ جس کی وجہ سے انہوں نے یہ تصور کر لیا ہے کہ اسلام بھی اشتراکیت ہی کا نام ہے۔ اور اس بات سے بے خبر ہیں۔ کہ کوئی بھی نظام کسی دوسرے نظام سے کسی نہ کسی طرح سے بعض صورتوں میں مطابقت رکھتا ہے۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام بھی تو ایک آدھ صورت میں اسلام سے مطابقت رکھتا ہے خصوصاً ان امور میں جو حقوق کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ تو مراد نہیں ہو سکتا کہ اسلام بھی اشتراکی یا سرمایہ دارانہ نظام ہے بلکہ اسلام ایک مستقل بالذات نظام ہے جس کی اپنی خصوصیات ہیں۔

(۲) مسجد سے مراد ''مسجد نبویؐ'' ہے۔ (۳) کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۳۲۷ منقول از کتاب ''خط الشام'' جلد ۴ صفحہ ۱۷۲

ان کے بعد معاویہ نے مساجد کی تزئین اور آرائش کا بیڑا اٹھالیا۔اور ہراس امر کی تبدیلی کے درپے ہو گئے جو پہلے سے چلا آرہا تھا،خواہ وہ مساجد کا نظام ہو یا لوگوں کی عادات ورسوم،سنت کی پیروی اور سیرت کا اتباع ہو یا نظم ونسق سنبھالنے کا انتظام وغیرہ کی سادگی اور زہد جوان کا طرہ امتیاز تھا۔

چنانچہ ہمیں اسی بات کی رہنمائی سمہودی[1] کی وہ روایت کرتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں بیان کی ہے وہ کہتے ہیں۔جب حضرت عمر،شام تشریف لے گئے تو معاویہ نے بہت بڑے لشکر فوجی جوانوں نشان کردہ گھوڑوں،سونے اور چاندی سے مرصع ہتھیاروں،حریر و دیبا کے مطبوعات اور ایسی زیب وزینت سے کیا جو سلاطین فارس وروم کیا کرتے تھے اس پر حضرت عمر نے کہا۔معاویہ!یہ زیب وزینت کیسی؟تم نے عجیب رنگ پیدا کردیا اور بڑے دشوار گزار زینے پر چڑھ رہے ہو؟''اس پر انہوں نے اپنا عذر ان الفاظ میں پیش کیا۔''اس طرح سے ہم ان لوگوں پر اپنا رعب ودبدبہ قائم کر کے اور ان کے دلوں میں احساس کمتری پیدا کرنا چاہتے ہیں اور جب وہ ہماری مسجدوں کو سونے سے آراستہ اور انکی چھتوں کو سنہری قندیلوں سے روشن دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے''[2]

جرمن مستشرق کونیل[3] کہتے ہیں''پیغمبر اکرمؐ نے اپنے آپ کو ہر اس چیز سے کنارہ کش کیا ہوتھا جس سے شان وشوکت اور ٹھاٹھ باٹھ کا مظاہرہ ہوتا تھا،لیکن جب معاویہ نے زمام اقتدار سنبھالی اور دمشق کو اپنا پایہ تخت قرار دیا تو اس امر کو پسند کیا کہ ایسی مساجد کی تعمیر کی جائے جو زیبائش اور شوکت کے لحاظ سے بزنطی[4] محلات سے کسی طرح کم نہ ہوں،اسی وجہ سے اس نئی حکومت میں شاندار اور عالیشان عمارتوں کی تعمیر کی تحریک شروع ہوگئی اور اس بارے میں مملکت کے مختلف حصوں سے خام مواد کا حصول اور کاریگروں اور ماہرین کا اکٹھا کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

---

① علی بن عبداللہ بن احمد بن علی حسنی سمہودی شافعی۔(۸۴۴ھ۔تا۔۹۱۱ھ)مورخ اور فقیہ مصر کے شہر سمہود میں پیدا ہوئے وہیں پروان چڑھے اور مدینہ میں وفات پائی۔ان کی تالیفات میں سے جواہر العقدین،اللؤ الوالمنثو راور وفاء الوفاء کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔

② ماخوذ از کتاب''المساجد فی الاسلام''صفحہ ۳۲۷ منقول از وفاء الوفاء جلد اول صفحہ ۴۲۷

③ ارنسٹ کوہنل (Ernest Kohnel) جرمن مستشرق ہیں ان کی کتاب''الفن الاسلامی''ہے جس کا عربی میں احمد حوصی نے ترجمہ کیا ہے

④ بزنطی (Buzenti on) ایسا نام ہے مورخین جس کا اطلاق اس افریقی حکومت پر اجمالی طور پر کرتے ہیں جو قرون وسطی میں قائم تھی۔اور یہ نام یونانی مستعمرہ پر بولا جاتا ہے جو باب بسفر کے نزدیک دور حاضر میں ترکی کے شہر''استنبول''کے نام سے مشہور ہے۔اس کی تعمیر نو''قسطنطنین کبیر''نے ۳۰۸ھ قبل ہجرت مطابق ۳۲۴ء میں کی اور اس کا نام''قسطنطنیہ''رکھا اور ۲۲۴ھ قبل مطابق ۳۹۵ء میں بزنطی شہنشاہیت کا دارالحکومت تھا۔

چنانچہ شام اور روم کے اساتید فن نے مشرقی طرز تعمیر کے مطابق آرائش وزیبائش کے اصولوں میں اس کی معاونت کی① تو اس طرح سے دینی، سرکاری، اور نجی عمارات کی آرائش، زیبائش اور سجاوٹ، اسلام میں در آئی۔ چنانچہ محمد بن شیخ طہ ولی معاویہ کے اس اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''ہر دور میں اور ہر جگہ یہ اصول کارفرما رہا ہے کہ ''الناس علی دین ملوکھم'' (لوگ اپنے بادشاہوں کے طور اطوار اپناتے ہیں) لہٰذا جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ''خلیفہ'' نے دمشق میں ایک وسیع وعریض مسجد تعمیر کی ہے اور اسے نقش ونگار اور آرائش وزیبائش کے ساتھ مزین کیا ہے اور خوبصورت تصاویر سے رنگ دیا ہے تو انہوں نے بھی بغیر کسی تاخیر کے خلیفہ کی پیروی کرتے ہوئے مختلف شہروں میں اسی طرز کی مسجدیں تعمیر کرنا شروع کر دیں''②

اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ دینی عمارات کی زیبائش اور زینت از خود بھی اسلام میں داخل ہو گئی اور ایسا اس وقت ہوا جب مزین ومرصع محلات اور گرجا گھروں کو عبادت کی غرض سے مسجدوں میں تبدیل کیا گیا۔③ یا انہیں بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے مزارات بنایا گیا اور اس تبدیلی کے باوجود موجودہ آرائش وزیبائش④ اور سجاوٹ اپنے حال پر باقی رہی۔

---

① کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۳۳۔ منقول از کتاب ''الفن الاسلامی'' صفحہ ۱۵۔ ترجمہ احمد موسیٰ۔

② کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۳۳۷۔

③ نعمت اسماعیل علام کی کتاب ''فنون الشرق فی العصور الاسلامیۃ'' صفحہ ۱۸۔ پر ہے ''جب عربوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور شبہ جزیرہ عرب تک جا پہنچا تو عرب مسلمانوں نے شام کے بعض گرجا گھروں کو نماز کے مکان کی حیثیت سے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح ایران میں شاہان فارس کے بعض محلاف کو مسجدوں مین تبدیل کر دیا باوجود یکہ ان میں جانداروں کی شکلیں موجود تھیں'' مولفہ مذکورہ کریزویل کی انگریزی کتاب ''موجز العمارۃ الاسلامیۃ فی عمارۃ قصور الفرس'' صفحہ ۱۸۔ سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''ایران کے شہر ''اصطخر'' کی مسجد جامع کے ستونوں کے تاج کی صورت گائے کی مانند تھی اسی طرح قزوین کی مسجد کو ''مسجد ثور'' کے نام سے شہرت حاصل تھی۔

④ ''ایا صوفیا'' استنبول (سابق قسطنطنیہ) کا گرجا ہے جسے بزنطی سلسلے کے بادشاہ اوسٹینانس اول نے ۹۳ھ قبل ہجرت مطابق ۵۳۲ھ میں تعمیر کرایا لیکن عثمانی بادشاہ محمد ثانی نے ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں اس کے ایک حصے کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ لیکن ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں اسے عوامی عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کا شمار بزنطی دور کے فن تعمیر کا عالیشان نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ استنبول کے ''ایا صوفیا'' گرجا گھر اور دمشق کے گرجا گھر کی یہی کیفیت ہے[۱] اور پھر زمانے کے بدلتے حالات کے تحت ان تزئینات میں تبدیلی پیدا ہوتی گئی اور در دیواروں پر آیات قرآنی اور احادیث شریفہ کے کتبے نقش ہونے لگے[۲] اور مسجدوں کو سونے اور دیگر دھاتوں کی قندیلوں اور سونے اور چاندی سے مرصع اور قیمتی پتھروں سے مزین شیشے کے جھاڑ فانوسوں سے زینت دی جانے لگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد نبوی میں سب سے پہلے جس شخص نے دھات کی قندیل کو داخل کیا وہ تمیم داری[۳] تھے اور یہ خود حضرت رسول خداؐ کے عہد ہی میں ہوا جب تمیم نے ایک قندیل شام سے لاکر مسجد نبوی میں معلق کر دی، غروب آفتاب کے وقت سرکار رسالتمآبؐ مسجد میں تشریف لائے تو اسے جگمگاتا دیکھا، پوچھا۔''یہ کس نے کیا ہے؟''لوگوں نے عرض کیا۔''تمیم داری نے!'' اس پر آپؐ نے انہیں دعا دی۔''تم نے اسلام کو روشن کیا اور اس کی مسجد کو آراستہ کیا خدا تمہیں دنیا اور آخرت میں روشن رکھے''[۴]

---

① دمشق کا گرجا گھر، ایسا گرجا ہے جس میں رومیوں کے دور حکومت میں عبادت کی جاتی تھی۔ جبکہ اس سے پہلے مختلف قوموں کی عبادت گاہ تھا۔ کیونکہ کلدانیوں کا گمان ہے کہ یہ عمارت انہی کی بنا کردہ ہے۔ اور جب اسلام آیا تو اس کے ایک حصے کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۵۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء میں اموی حکمران ولید بن عبدالملک بن مروان نے یہاں پر مشہور مسجد جامع اموی کی تعمیر کا آغاز کیا جو ۵۹۶ھ مطابق ۷۱۴ء میں اپنے اختتام کو پہنچی۔

② ملاحظہ ہو کتاب ''الزخارف الجد رانیۃ فی آثار بغداد'' مولفہ خالد بن خلیل حموی۔

③ تمیم بن اوس بن خارجہ داری ۹ھ میں مسلمان ہوئے۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد شام چلے گئے اور بیت المقدس میں سکونت اختیار کی اور ۴۰ھ میں وفات پائی۔

④ ملاحظہ ہو کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۳۴۱۔ منقول از ''وفاء الوفاء'' جلد ا صفحہ ۴۴۳

یہ تو تھی مساجد کی کیفیت، البتہ مزارات بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، لہٰذا وہ بھی مساجد کی مختلف تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔ چاہے وہ زیبائش کی صورت ہو یا روشنی اور کتبوں اور نقش ونگار کی اور چونکہ حضرت رسالتمآبؐ ان کے اہل بیتؑ اطہار اور اصحاب کرامؓ کی طرف سے خصوصی طور پر اور وضاحت کے ساتھ مساجد کی زیبائش و آرائش سے روکا گیا تھا اور اس دور میں مزارات کا کوئی خاص کردار نہیں تھا، لہٰذا اس قسم کی نہی ان کے لئے موثر اور کارگر نہیں تھی۔ لہٰذا انہیں آئینہ کاری، کاشان کی اینٹوں سے کاشی کاری، نقوش ونگار، اور دوسرے خوبصورت خطوط اور کتبوں سے انہیں خوب مزین کیا گیا۔ خصوصی طور پر اہل بیتؑ اطہار کے مزارات، مراقد اور روضہ ہائے مطہرہ کی خوب آرائش کی گئی اور اس میں شک نہیں ہے کہ اس سلسلے میں ایران کی یکے بعد دیگرے حکومتوں اور عراق پر ان حکومتوں کی حکمرانی کا بڑا کردار ہے۔ کیونکہ ان حکومتوں نے مزارات کی احسن طرز تعمیر اور انجینئرنگ کے اعلیٰ اصولوں کو مدنظر رکھ کر خوبصورت انداز میں تعمیر کرایا اور خود لفظ ''کاشی کاری'' ہی اس بات کی راہنمائی کررہا ہے کہ اس کی نسبت ایران کے شہر ''کاشان''[1] کی طرف ہے۔ جو اس نوعیت کی اینٹوں کی صنعت کی وجہ سے معروف ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ کاشی کی اصل صنعت صرف ایرانیوں کی طرف ہی منسوب ہے اور دوسروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ اقوام ایسی ہوں جو اس معاملے میں ان سے بھی پیش قدم ہوں۔ البتہ جو کہنے کی بات ہے وہ یہ کہ یہ نوع جو عرب ممالک خصوصاً عراق میں متعارف ہے وہ اسی شہر سے لائی گئی ہے۔ لہٰذا عراق میں عتبات مقدسہ کی تعمیر و ترقی جو ان سلاطین وشاہان وقت کے ذریعہ ہوئی کاشی کی یہ قسم اسی شہر سے منگوائی جاتی تھی۔

---

① کاشان، ایران کا تاریخی شہر ہے جو ملک کے پایہ تخت تہران کے جنوب میں ۲۰۰ کلومیٹر اور قم مقدسہ سے مشرق میں ۸۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے قیمتی اور عمدہ قالینوں کی صنعت کی وجہ سے شہرت کا حامل ہے۔ کاشی کاری میں استعمال ہونے والی اینٹوں وغیرہ کی وجہ سے تو اس کی عالمی شہرت ہے ہی اس شہر میں خوبصورت چشمے اور تاریخی آثار موجود ہیں۔

اسلامی عمارتوں کے اجزا

رواق ۔ یا ۔ برآمدہ

لفظ ''رواق'' کا تلفظ صرف را کے پیش اور زیر دونوں سے ہوتا ہے۔ اس کے صیغہ اور تعریف کی بحث بیان کی جا چکی ہے[1] اور اجمالی طور پر اس کا اطلاق مسجد یا مزار کے ہال اور اس کے اطراف میں موجود عمارت کے حصے پر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا اطلاق مجلس شاہی اور ان کے محلات پر ہوتا ہے۔ بعض حضرات کا گمان ہے کہ ''رواق'' اسلامی سوچ اور فکر کا نتیجہ ہے اور اسے کسی غیر زبان سے نہیں لیا گیا۔[2] لیکن ایسے لوگوں نے اپنے آپ کو ایک ایسے تکلف سے دوچار کیا ہے جس کی ضرورت نہیں تھی۔[3] کیونکہ یہ سوچ گرجاؤں اور دیگر بڑی تنصیبات اور عمارات کے بعد پیدا ہوئی خواہ عمارتیں روحانیت سے تعلق رکھتی تھیں یا حکومتی اداروں سے جو ظہور اسلام سے پہلے کی تہذیب کا آئینہ دار تھیں۔ لیکن ظہور اسلام کے فوراً بعد مسلمانوں نے بھی اسی طرز فکر کو اپنایا اور اسلامی تعمیرات اور انجینئرنگ کو انہی کے مطابق بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ بتایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے مسجد نبوی کے رواق بنائے۔[4] وہ حضرت عثمان بن عفان تھے جب انہوں نے اپنے دور حکومت میں مسجد کی توسیع کی[5]

---

① اسی ادارے کی کتاب کے باب ''قاموس النہضۃ الحسینیۃ'' کا مطالعہ کیا جائے۔ ② یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ لفظ ''رواق'' عربی ہے۔

③ یہ بات بھی نہایت ہی عجیب ہے کہ جانبداری لغت اور کلمات کے اشتقاق کے میدان میں بھی گھس آئی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ اس بارے میں افراط کا شکار ہوئے ہیں اور کچھ لوگ تفریط کا۔ اس لئے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں مقامی طور پر استعمال ہونے والے تمام کلمات اصول عربیہ کے حامل ہیں جبکہ دوسرے کئی لوگ کہتے ہیں کہ ان کی اصل غیر عربی ہے۔ حالانکہ دونوں قسم کے افراد نے افراط اور تفریط کا شکار ہو کر اپنی بہت سی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا ہے اور حقیقت میں جو بات ہماری رہنمائی کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اس کے برعکس ہے وہ اس لئے کہ بعض کلمات کی اصل بنیاد عربی ہے اور بعض کی عجمی (غیر عربی) ہے اور اس سے عربیت کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا اور اگر ہم یہ کہیں کہ تمام کلمات کی اصل بنیاد عربی ہے تو اس سے عربیت کی شان میں اضافہ نہیں ہوتا۔

④ ملاحظہ ہو کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۳۰۵۔ منقول از ''فتوح البلدان'' بلاذری صفحہ ۵۳۔ اور ''اعلام الساجد باعلام المساجد'' زرکشی صفحہ ۵۷۔

⑤ حضرت عثمان کی حکومت ۲۳ھ تا ۳۵ھ قائم رہی۔

اس بات سے اور اس طرح کی دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مساجد کی توسیع کے وقت رواقوں کی تعمیر کو ایک تعمیراتی ضرورت سمجھ کر اپنایا گیا، کیونکہ یہ ایک ایسی صورت ہے جس سے اصل مسجد میں کوئی فرق پیدا نہیں ہو پاتا۔ اور یہ ایک اضافی ضرورت ہوتی ہے جسے پورا کیا جاتا ہے اور اصل عمارت کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اسے رواق (برآمدہ) کہتے ہیں۔

یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ اسلام سے پہلے کی تہذیبوں میں تعمیراتی کاموں میں برآمدے کا استعمال ہوتا آرہا ہے۔ لہٰذا یہ بات قابل قبول نہیں کہ مسلمانوں نے اسلامی تہذیب وتمدن سے رواق کے استعمال کی فکر کی۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات کے نتیجے مین ان کا بہت سی دوسری تہذیبوں سے واسطہ پڑا اور دن بدن ان کا دوسروں سے میل ملاپ بڑھتا چلا گیا اور ایک سے بڑھ کر ایک تہذیب اور تعمیراتی شکلوں کو دیکھنا نصیب ہوا جو ان کے لئے اہمیت کی حامل تھیں اور اسے پسند کرنے لگے لہٰذا مسجد، مزار، اور دربادشاہی اور شاہی محلات کے لئے رواق، تعمیراتی عناصر کا ایک حصے کی حیثیت اختیار کر گئے جن سے عمارتوں کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ان رواقوں میں بہت سے تعمیراتی فنون کو بھی شامل کر لیا گیا اور اب وہ انجینئرنگ کا ایک شاہکار اور تعمیرات کا ایک لازوال حصہ بن چکے ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مساجد اور مزارات کے گرد موجود ان رواقوں سے کبھی تو مجالس ذکر کا کام لیا جانے لگا اور مجالس درس وعظ کا یا پھر کئی اور ایسی ضروریات کو بھی پورا کیا جانے لگا جو مسجد یا مزار کے تقدس اور ان کی شان کے منافی نہیں تھیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ نمازیوں یا زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مسجد یا مزار کے تمام اطراف میں رواقوں کا اضافہ کر کے اسے توسیع دے دی گئی۔ اس کا عملی نمونہ ہمیں آئمہ اہل بیت علیہ السلام کے مزارات مقدسہ خصوصاً حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مزار کے اطراف میں موجود ہے، جس کا تفصیلی تذکرہ عنقریب اسی باب میں ہوگا۔[1] یہ رواق جہاں پر مزار کے حسن وآرائش کا سبب بنتے ہیں وہاں پر زائرین کے ہجوم واژدھام کے جذب کرنے اور مزار کے گرد پیدا ہو جانے والی کثیر تعداد کو گھٹانے کا موجب بنتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ سردیوں اور گرمیوں میں مزار کی فضا کو معتدل رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام اور حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے مقدس حرموں کے رواقوں میں خواتین کی عبادت کے لئے علیحدہ جگہیں مخصوص کی گئی ہیں تاکہ عورتوں اور مردوں کا باہمی اختلاط پیدا نہ ہو اور اسلام کی اعلیٰ

---

① ملاحظہ ہو اسی باب کی فصل ''مرقد حسینی وعباسی''

② ملاحظہ ہو اسی ادارے کی کتاب کی فصل ''القابر'' باب ''اضواء علی مدینۃ الحسین''

قدروں کی بھی پاسداری کی جائے۔اسی طرح بعض رواقوں میں بزرگ علماء سلاطین، صاحبان فکر وسیاست بھی مدفون ہیں جن کی ان مزارات کی تعمیر یا ترقی میں کسی قسم کا کوئی حصہ ہے اور اس کی تفصیل اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔

تصویر نمبر ۱(۱)	قاہرہ میں مسجد ابن طولون کا رواق	صفحہ نمبر ۳۱۳

صحن

صحن کی تعریف ہم تحقیق کے ساتھ پہلے بیان کر چکے ہیں[۱] جس کی اجمالی تعریف یہ ہے کہ صحن وہ کھلی اور کشادہ جگہ ہے جس کا احاطہ کیا گیا ہوتا ہے یا مسجد یا مزار سے متصل جگہ کا نام ہے۔

یہ کھلی اور کشادہ جگہ اسلام کی سب سے پہلی عمارت کے ساتھ نہیں تھی جس کا سنگ بنیاد اسلام کے رسول اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین یثرب میں رکھا تھا۔اس سے ہماری مراد مسجد قبا ہے[۲] کیونکہ یہ مسجد ایک ایسی جگہ پر مشتمل تھی جس کو درختوں کی ٹہنیوں یا کھجور کی شاخوں سے چھتا گیا تھا۔لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مسجد بنائی جو آپؐ ہی کے نام (مسجد نبوی) سے مشہور ہے۔تو اس کے لئے دو سایہ بان بنائے ایک جنوب کی طرف سے اور ایک شمال کی جانب سے اور ان دونوں کے درمیان کچھ کھلی جگہ رکھی جو دونوں سایہ بانوں کے درمیان حد فاصل تھی۔چنانچہ زید بن ثابت[۳] سے بیان ہونے والی روایت بتاتی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی مسجد ستر ۷۰ در ساٹھ ۶۰ یا اس سے کچھ زیادہ ہاتھوں پر[۴] مشتمل مسجد بنائی۔

---

۱. ادارہ ہذا کی کتاب کا باب ''مصطلحات'' ملاحظہ ہو

۲. ہجرت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ پر تشریف لائے تو آپ کی ناقہ یہیں پر بیٹھ گئی تو آپ نے یہیں پر ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو ''مسجد قبا'' کے نام سے مشہور ہے۔اور یہ وہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد اسلام میں رکھی گئی۔''قبا'' ایک کنوئیں کا نام ہے، جس کی وجہ سے اس گاؤں کا نام مشہور ہوا اور یہ جگہ مسجد نبوی کے جنوب میں دو میل کے فاصلے پر ہے۔

۳. زید بن ثابت بن ضحاک انصاری خزرجی (۱۱ قبل ہجری۔۴۵ ہجری) مدینہ میں پیدا ہوئے مکہ میں پروان چڑھے صحابی رسولؐ ہیں آنحضرت سے روایت کرتے ہیں۔گیارہ سال کی عمر میں آنجنابؐ کے ساتھ ہجرت کی۔ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر نے ان کو قرآن جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔

۴. ایک ہاشمی ہاتھ ۶۱،۲ (61.2) سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے۔

اور ''بقیع خجبہ''① کی اینٹوں سے اس کی دیواروں کو اٹھایا اور اسے ایک مکان بنا کر اس کی چار دیواری② لکڑی کے تختوں سے بنائی اور اس کے درمیان میں ایک کشادہ جگہ رہنے دی③ اور یہ صحن یا عمارت کے دوسرے تمام حصے بالکل ہی سادہ تھے جس طرح گھر سادہ تھا۔ کیونکہ حضرت رسول خداؐ اور ان کے اہل بیتؑ اطہار کی سادگی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس میں روحانیت④ زیادہ ہوتی ہے اور اس جیسی عمارتوں میں شان وشوکت اور زیب وزینت تو ملوک وسلاطین کے دور حکومت میں در آئی تھی جس کی ابتدا معاویہ کے دور میں ہوگئی تھی۔

① ''بقیع خجبہ'' جنت البقیع کے پاس ایک جگہ ہے جو''بقیع غرقد'' کے نام سے مشہور ہے جو''خجبہ'' (خاء کی زبر کے ساتھ) دراصل یہ جگہ ایک درخت موسوم خجبہ کی وجہ سے مشہور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اصل لفظ ''جبجبه'' (جیم کے ساتھ)

② شاید اس سے اس جگہ کا احاطہ مقصود تھا۔

③ کتاب ''مدینہ شناسی'' صفحہ ۳۱۔

④ عجیب بات تو یہ ہے کہ شیخ طہٰ ولی اپنی کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۳۳۶۔ پر رقم طراز ہیں۔ اسلام میں سادگی اور بے آلائشی کی اصل وجہ وہ قدرتی جغرافیائی کیفیت ہے جو پہلے ہی دن سے اس دین حنیف کو حاصل ہوئی ہے اور جہاں سے اس کا آغاز ہوا ہے وہ ایک ایسا عربی جزیرہ تھا جہاں کے لوگ ایسی جغرافیائی کیفیت کی حامل زندگی بسر کر رہے تھے جو کسی بھی قسم کے تکلف اور تصنع سے قطعاً ناآشنا تھی۔ مگر شیخ طہٰ ولی اس بات کو بھول گئے ہیں کہ اسلام ایک ایسا جامع دین ہے جو ہر قوم وقبیلہ اور ہر زمان اور مکان کے لئے یکساں حیثیت کا حامل ہے۔ اور اس کے احکام اور قوانین کا دارومدار کسی قسم کی تاثیر اور انعکاس یا ردعمل پر نہیں ہے۔ وہ اس لئے آیا ہے تاکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک جیسے قوانین اور احکام کی بنیاد ان کی مصلحت اور بہتری کے تقاضوں کو مدنظر رکھے اور انہیں ہر قسم کے تصنع اور تکلف سے دور رکھے۔ اس طرح مولف مذکور نے اس بات میں بھی غلطی کی ہے کہ انہوں نے تکلفات اور مرفہ حالی اپنانے کی نسبت دوسرے ادیان کی طرف دی ہے۔ جبکہ ہمیں کہیں بھی کسی آسمانی دین کی تعلیمات میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی بلکہ وہ بھی اسلام کی طرح سادگی اپنانے کی تاکید کرتے ہیں۔ یہ سب پیچیدگیاں ان لوگوں کی طرف سے اختراع کی گئی ہیں جو دین کے نام سے کھیلتے ہیں اور دین کو اپنی خواہشات اور پست مقاصد کی سواری بنالیا ہے۔ جیسا کہ اس وقت بعض نام نہاد مسلمانوں اور دیگر ادیان کے پیروکاروں کا حال ہے۔

یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ کسی جگہ کو صحن اس وقت کہتے ہیں جب وہ چھتی ہوئی نہ ہو۔ اور ایسی جگہ میں سال کے بعض ایام میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ یا اس سے ایسا کام لیا جاتا ہے۔ جو اس مقدس مقام کے شایان شان اور تقدس کے مطابق ہوتا ہے ۔جہاں پر مسلمانوں نے اپنے بزرگوں کے مزارات اور روضے تعمیر کئے ہیں وہاں پر انہوں نے مزار اور روضے کے اطراف میں کھلی جگہ ضرور رکھی ہے۔ تاکہ اس سے کئی مقاصد حاصل کئے جاسکیں۔ مثلاً روشنی، ہوا، بیٹھنے کی جگہ، گرمیوں میں نماز، اور عبادت اور اور صاحب مزار سے تعلق رکھنے والے ایام میں جشن یا مجالس سوگواری کا انعقاد، یا کوئی دوسری عمومی یا خصوصی دینی مناسبت وغیرہ کی جگہ۔ بلکہ بعض اوقات اسی جگہ میں سامان وغیرہ بھی رکھا جاتا ہے جیسا کہ اب بھی بعض مسجدوں کی صورت حال ہے۔ حتی کہ زمانہ سابق میں ایسی جگہ پر سواریوں کے باندھنے کا بندوبست بھی ہوتا تھا۔

مسلمانوں نے عام طور پر اس طرح کی کشادہ جگہوں سے اور بھی کئی قسم کے فائدے حاصل کئے ہیں۔ مثلاً وہاں پر طہارت خانے، وضوخانے، جوتے اتارنے کی جگہیں تعمیر کیں اور روضے کے لئے لائے جانے والی منتوں اور چڑھاوا چڑھانے کے لئے صندوقیں وغیرہ بنوائیں۔ جبکہ اکثر علماء اور صاحبان ادب نے اس قسم کے صحنوں کو تعلیم وتدریس[1]

اور بحث ومباحثہ کا مرکز بنایا۔ گویا ضرورت کے مطابق تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ان مقامات مقدسہ کے منتظمین نے تعلیم و تدریس اور سکونت کی غرض سے آنے والے طلاب علوم دینیہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے صحن اور اس کے اطراف میں حجرے وغیرہ بنادیئے اور علماء وزعماء کے لئے مقبرے تعمیر کئے۔[2] وضو اور طہارت خانے بنائے۔ پینے کے پانی کا بندوبست کیا، باہر سے آنے والے زائرین کے آرام وطعام کے لئے کمرے بنائے لائبریریاں، کتاب خانے وغیرہ تشکیل دیے۔ غرض ان مزارات مقدسہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر ضرورت کو پورا کیا گیا۔

---

① ملاحظہ ہو اس ادارے کی کتاب کی فصل ''الحرکۃ العلمیۃ من باب اضواء علی مدینۃ الحسین'' کا مقدمہ

② ملاحظہ ہو ''اضواء علی مدینۃ الحسین'' کے باب کی فصل آثار۔

ان عمارتوں اوران سے ملحقہ تعمیراتی کاموں سے ماہرین تعمیرات نے اپنے اپنے فن کا زبردست مظاہرہ کیا ہے۔حتی کہ آج یہ عمارات فن تعمیر کی روشن نشانیاں بن چکی ہیں۔جن کا تعلق بنیادی طور پر مزار مبارک ہی سے ہے۔اس تعمیرات میں سے ہم صرف حضرت اباعبداللہ الحسینؑ اوران کے برادر گرامی حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے صحنوں کا تذکرہ کرتے ہیں ۔جہاں پر ایک شہید کی مرقد مطہر صحن بزرگ کے درمیان میں واقع ہےاور صحن کے اطراف میں مختلف ضروریات کی تمام وہ چیزیں عمارت کی صورت میں موجود ہیں جو ہر دور میں زائرین کے کام آتی ہیں۔اورانہیں نہایت ہی عمدہ سلیقے سے سجایا گیا ہے اور وہ حسن و جمال اور اصیل تعمیراتی فن کی منہ بولتی تصویر ہیں۔جنہیں رنگین کاشانی اینٹوں،رگدارسنگ مرمر،اور دیگر پتھروں سے مزین کیا گیا ہے۔اس بارے میں ملک وسلاطین اور تجار و مومنین ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس کار خیر میں حصہ لیتے رہے اور آج ان کا شماران محدود اور چند شاندار اور قابل احترام عمارتوں میں ہوتا ہے۔جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

ان صحنوں میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔مختلف قسم کے جشنوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔کانفرنس اور سیمینار منعقد کئے جاتے ہیں۔درس وتدریس کے لئے کلاسیں لگائی جاتی ہیں۔ان سب کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہو چکی ہے۔[1]

تصویر نمبر ۲(۲)	تیونس کے شہر قیروان کی مسجد قیروان کے صحن کا ایک منظر	صفحہ نمبر ۳۱۴

گنبد

گنبد کی تعریف اپنے مقام پر بقدر کفایت بیان ہو چکی ہے[2] البتہ مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے کہ گنبد،عمارت کا وہ محدب حصہ ہوتا ہے جو اس کے درمیان میں کروی یا بیضوی،مخروطی،یا گھونگھے کی ہیئت میں پیچدار شکل میں ابھرا ہوا ہوتا ہے گنبد بنانے کی تاریخ بہت پرانی ہے۔اس کے ڈانڈے اس تاریخ سے جا ملتے ہیں۔

---

① ملاحظہ ہو اسی سلسلہ کی کتاب آئندہ فصول "باب اضواء علی مدینۃ الحسین"،فصل "در آثار"،فصل "حرکت علمی"،فصل "نہضت الفکریہ"، فصل "المرقد الحسینی والمرقد العباسی"

② ادارہ ہذا کی "قاموس المصطلاحات کا مطالعہ کیا جائے۔

جب سے انسان نے چھتیں بنانے کی صنعت میں گنبدوں سے کام لینا شروع کیا۔ گنبد سے تیار کی گئی چھت کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اسے کسی قسم کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کی اونچائی اور لمبائی چوڑائی دیوار کی بنیادوں کے مطابق ہوتی ہے [1] یہ تو گنبد کی تاریخی حیثیت البتہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شکل و صورت اور ہیئت میں بھی تبدیلیاں آتی رہیں حتیٰ کہ موجودہ دور میں یہ فن کی جانی پہچانی ایک شکل ہے اور تمام اقوام و فرق کے بزرگوں کی ضریحوں کی علامت قرار پا چکا ہے کیونکہ گنبد صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ بہت سی تنصیبات، آسمانی اور غیر آسمانی ادیان کی عبادت گاہوں کی ایک امتیازی علامت بن چکا ہے اور پھر یہ کہ یہ کسی ملت کے ساتھ بھی خاص نہیں ہے۔ بلکہ بڑی عمارتوں، عدالتی ایوانوں بادشاہوں اور حکام کے دیوانوں کی تعمیر میں اسے کام میں لایا گیا اور ایک طویل عرصے کے بعد اسے اولیاء اللہ کی ضریحوں کا نشان سمجھا جانے لگا۔ اور ایک ایسے قرینے کی حیثیت حاصل کر گیا جس کے بغیر ان ضریحوں کی پہچان مشکل ہوگئی۔ چنانچہ گنبد کے بارے میں ایک عربی کہاوت ہے کہ ''تحت کل قبۃ شیخ'' [2] (ہر گنبد کے نیچے ایک بزرگ موجود ہے) اور گنبد خضرا کے بارے میں بھی بہت غیر عربی کہاوتیں ہیں جو عربی کہاوتوں سے ملتی جلتی ہیں۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوگا کہ کوئی دینی عبادت گاہ یا کوئی مقدس ضریح موجود ہو لیکن اس پر کوئی ایک گنبد بھی نہ ہو خواہ ایک سے زائد نہ بھی ہوں لیکن ایک گنبد تو ضروری ہوگا۔ زمانہ قدیم میں بت پرست اپنے بت پرستی کے ہیکلوں پر گنبد تعمیر کیا کرتے تھے اور آہستہ آہستہ یہ نظریہ یہودیت اور نصرانیت سے منتقل ہوتا ہوا اسلام تک آن پہنچا۔ [3]

بہر حال صحیح طور سے یہ بتانا مشکل ہے کہ گنبد کے دینی عمارتوں میں داخل ہونے کی صحیح تاریخ کیا ہے اور کب سے اس کا رواج شروع ہوا ہے؟ کیونکہ یہ آہستہ آہستہ ہی داخل ہوا ہے جیسا کہ خود گنبد کی ایجاد کے بارے میں بتانا مشکل ہے کہ کب سے اس کی سوچ پیدا ہوئی وہ اس لیے کہ چھت کی تعمیر دو صورتوں میں ہوتی تھی تیسری کوئی صورت نہیں تھی۔ یا تو چھتیں چپٹی صورت میں ہوتی تھیں جو عام طور پر کھجور یا دوسرے درختوں کے تنوں سے تیار کی جاتی تھیں یا پھر محدب صورت میں تھیں جو گنبد کی صورت میں بنائی جاتی تھیں۔

---

① جب گنبد کی چھت بنائی جاتی ہے تو اسکے لئے ستونوں اور شہتیروں وغیرہ سے کام نہیں لیا جاتا۔ بلکہ فنی اور ہندسی لحاظ سے محدب یا گھونگھوں کی ہیئت کے یا مخروطی شکل گنبد تعمیر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اس طرح سے وہ چھت کا بوجھ اٹھا سکیں اور گرنے سے محفوظ رہیں۔ عمارت کی اس قسم کو عرب اپنی زبان میں ''عگادہ'' (عقادہ) کہتے ہیں۔

② کتاب ''المساجد فی اسلام'' صفحہ ۲۷۸۔ شاید یہ کہاوت اس مرکز عبادت یا مرکز ثقافت کی طرف اشارہ ہو جس کی دیکھ بھال بزرگ لوگ کرتے ہیں۔

③ کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۲۷۴

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے اور اس بات میں بھی شک نہیں ہے کہ پہلی صورت کی تاریخ کو دوسری پر سبقت حاصل ہے۔البتہ دوسری صورت تہذیب وتمدن کی زیادہ حامل ہے اور فنی اور ہندسی انجینئرنگ کے لحاظ سے پہلی صورت سے زیادہ قدیم ہے۔

گنبد کے بارے میں تدریجی تبدیلیوں اور مختلف تہذیبوں کے سنگم کی ایک مثال مسجد ''آیا صوفیا''① ہے جس کا شمار استنبول کے تاریخی مقامات میں ہوتا ہے۔جس کی بنیاد قسطنطین کبیر② نے عبادت گاہ کی حیثیت سے رکھی تھی اور اس کا نام ''صوفیہ قدسیہ③ کا گرجا گھر رکھا تھا۔اس کی دیواریں پتھر کی اور چھت لکڑی کی تھی۔لیکن اس میں آتش سوزی کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کا آغاز ''انیثیموس ٹرالیس'' (Anthemiosde-de-Tralles)④

---

① ''آیا صوفیا'' کو ''آجیا صوفیا'' بھی کہا جاتا ہے۔

② قسطنطین کبیر، قسطنطیوس اول کلورس بزنطی کا بیٹا ہے ۳۶۲ھ قبل ہجرت مطابق ۲۷۴ء میں پیدا ہوا۔اپنے باپ کے مرنے کے بعد ۳۲۶ھ قبل ہجرت (۳۰۶ء) میں بادشاہ بنا۔بزنطہ شہر کے بقیہ حصہ پر قسطنطنیہ شہر کی بنیاد رکھی اور اپنے ملک کا دارالحکومت قرار دیا۔اور ۳۰۱ھ قبل ہجرت (۳۳۰ھ) میں اس میں پہلا قدم رکھا۔بزنطی شہنشاہت کی شیرازہ بندی کی اور مسیحیت کی آزادی کا اعلان کیا۔

③ ایک قول کے مطابق ''ریٹا صوفیہ کے نام سے موسوم کیا۔

④ انیثیموس ٹرالیس'' (Anthemiosdede Tralles) مشہور بزنطی ریاضی دان اور انجینئر چھٹی صدی عیسوی (مطابق پہلی صدی ہجری) میں ہوگزرا ہے۔

اور ''ایزیڈورملیٹ'' (Insidorede milet) ① دو معماروں نے بزنطی شہنشاہ ''یوسٹینانس اول'' ② کے حکم سے ۹۳ھ قبل ہجرت مطابق ۵۳۲ھ میں کیا اور یہ تعمیر ۸۸ھ قبل ہجرت مطابق ۵۳۷ھ میں پانچ سال گیارہ مہینے اور دس دن کے عرصہ میں پایہ تکمیل کو پہنچی ③ اور قبہ نصف کروی صورت میں تھا اور گنبد کی تعمیر پر اتنا عرصہ لگ گیا جو اس کی تاخیر کا اصلی سبب تھا اور یہ گنبد اس زمانے کا تعمیراتی معجزہ شمار ہوتا تھا۔

۶۵ھ قبل ہجرت مطابق ۵۶۲ھ میں نوجوان انجینئر ''ایزیڈوراس'' ④ کو گرجا کی عمارت کی مرمت پر مامور کیا گیا جس کا ایک حصہ مسلسل زلزلوں کی وجہ سے گر گیا تھا۔ چنانچہ اس نے گنبد کو ۶،۲۵ میٹر بلند تعمیر کیا۔ اور اب تک اس گنبد کا شمار عظیم المرتب گنبدوں میں ہوتا ہے کیونکہ زمین سے اس کی بلندی ۵۵ میٹر اور اس کا قطر ۳۱ میٹر ہے۔ چنانچہ ۱۹ ذوالحجہ ۷۴۶ھ میں وقوع پذیر ہونے والے زلزلے نے گنبد کے نصف شرقی حصے کو گرا دیا جس کی دوبارہ مرمت کی گئی۔

---

① ایزیڈورمیلاتی (Isidorede Milet) بزنطی انجینئر ریاضی دان جو چھٹی صدی عیسوی مطابق پہلی ہجری میں فن تعمیرات میں شہرت کا حامل تھا۔

② یوسٹینانس اول، بزنطی، ۱۴۵ھ قبل ہجرت (۴۸۲ھ) میں پیدا ہوا۔ یوسٹینس دوم کی وفات کے بعد ۹۸ھ قبل ہجرت مطابق ۵۲۷ھ عیسوی میں بزنطی شہنشاہت کا تاجدار بنا اور ۱ھ قبل ہجرت مطابق ۵۶۵ھ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بھتیجا یوسٹینس دوم تخت سلطنت پر بیٹھا شہنشاہیت کو سیاست، دین اور قانون میں مستحکم کرنے میں کوشاں رہا۔

③ یہ کام ۲۷ جون ۵۳۷ء میں مکمل ہوا۔

④ ایزیڈوراس، بزنطی انجینئر جس نے فن تعمیر اپنے چچا ایذیدوراس کبیر سے سیکھا۔

جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کیا تو عثمانی بادشاہ سلطان محمد ثانی ۔① نے ۸۵۷ھ (۱۴۵۳ء) میں اس گرجا کو جامع مسجد میں تبدیل کر دیا اور ساتھ اس میں ایک مینار اور مدرسہ کا بھی اضافہ کر دیا۔ اس اضافے کے بعد اس کے جانشین سلطان بایزید ثانی② نے ایک اور مینار کا اضافہ کیا۔ مصطفیٰ کمال اتاترک③ کے ترکی میں نظام حکومت کو بدل دینے کے بعد ۱۳۴۲ھ میں مسجد کو آثار قدیمہ کی حیثیت سے عجائب گھر میں بدل دیا۔ بہرصورت اس عمارت کا شمار بزنطی فن تعمیر کے اعلیٰ ترین نمونوں میں ہوتا ہے۔

تصویر نمبر ۳ (۳)	استنبول ترکی کا گرجا۔ مسجد۔ عجائب گھر (ایا صوفیہ)	صفحہ نمبر ۳۱۵

دینی عبادت گاہوں پر گنبدوں کی تعمیر کے بارے میں اور بھی بہت سی تعبیرات ملتی ہیں جنہیں کچھ لوگوں نے ذکر کیا ہے ④ لیکن ان میں سے اکثر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

مورخ ولی کہتے ہیں اسلام میں سب سے پہلے جس گنبد کی بنیاد رکھی گئی وہ بیت المقدس کی مسجد صخرہ کا گنبد ہے جس کو عبدالملک مروان اموی ۷۲ھ میں عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کی غرض سے تعمیر کرایا۔ جبکہ عبداللہ بن زبیر نے مکہ مکرمہ کو اپنی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا تھا اور حجاج نے بڑی جلدی سے ان کی دعوت پر لبیک کہی اور لوگوں سے ان کے لئے بیعت لی گئی۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان نے لوگوں کی توجہ مکہ مکرمہ سے ہٹانے اور انہیں بیت المقدس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے مسجد صخرہ کی تعمیر میں اپنی کوششیں صرف کر دیں اور اسے عظیم خوبصورت اور وسیع عمارت کی صورت میں تعمیر کروایا۔⑤

---

① سلطان محمد ثانی (فاتح) مراد ثانی ابن محمد اول کے بیٹے ہیں ساتویں عثمانی بادشاہ ہیں ۸۳۳ھ میں پیدا ہوئے ۸۵۵ھ میں اپنے والد کے بعد بادشاہ بنے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کو فتح کیا اور ۸۸۶ھ میں وفات پائی۔

② بایزید ثانی سلطان محمد ثانی کے بیٹے آٹھویں عثمانی بادشاہ تھے ۸۸۶ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد بادشاہ بنے اور ۹۱۸ھ میں وفات پائی۔

③ اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا (۱۲۹۹ھ۔۱۳۵۷ھ) ترکی کا فوجی حکمران، سالونیک نامی شہر میں پیدا ہوا۔ جمہوریہ ترکیہ کا بانی اور ۱۳۴۲ھ میں اس جمہوریہ کا پہلا صدر بنا۔

④ ملاحظہ ہو "المساجد فی الاسلام" صفحہ ۲۷۵۔

⑤ المساجد فی الاسلام صفحہ ۲۷۷۔

لیکن مورخین کا بیان ہے کہ مختار بن ①ابی عبیدہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کے کوفہ پر حکومت کے بعد ان کی فوج کے سر براہ ابراہیم ②بن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ نے ٦٦ھ میں مزار حضرت سید الشہداء علیہ السلام پر گچ اور اینٹوں ③ کا گنبد تعمیر کرایا جبکہ قبل ازیں ٦١ھ میں بنی اسد کے لوگوں نے آنجناب کی قبر مطہر پر چھت ڈال دی تھی۔ ④ ممکن ہے کہ مختار رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے گنبد کا نظریہ مدائن کی ⑤ عمارتوں یا ⑥ حیرہ کہ جہاں پر مناذرہ ⑦ کے محلات سے لیا ہو۔ یا ہوسکتا ہے کہ بابل کے علاقہ سے لیا ہو کہ جہاں پر بابلیوں کے آثار قدیمہ موجود تھے۔

---

① ابو اسحاق مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے خون حسین علیہ السلام کے انتقام کا نعرہ لگا کر امویوں کے خلاف کوفہ سے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور قاتلین حسین علیہ السلام کا پیچھا کیا۔ اور انہیں چن چن کر قتل کیا یہ شعبان ٦٥ھ کا واقعہ ہے ١٤ رمضان ٦٧ھ میں مصعب بن زبیر کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

② ابراہیم بن مالک اشتر بن حارث نخعی نے ٧١ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ موصل اور الجزائر پر حکومت کی۔ اموی لشکر کے ساتھ مشہور جنگ ''معرکہ خازر'' میں ٹکر لی اور اس میں اموی فوج کے سر براہوں اور مشہور شخصیتوں کو موت کے گھاٹ اتارا جن میں سر فہرست عبد اللہ بن زیاد ہے۔

③ کتاب تاریخ کربلا صفحہ ٥٦۔ منقول از کتاب ''تاریخ مدینۃ الحسین'' جلد اول صفحہ ٢٠۔

④ تاریخ کربلا صفحہ ٥٦۔ نیز اسی باب کی فصل ''مرقد حسینی'' کا مطالعہ کیا جائے۔

⑤ ''مدائن'' ایک ایسا نام ہے جو زمانہ وسطیٰ میں سات شہروں پر بولا جاتا تھا۔ بغداد سے تیس کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب میں دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر واقع ہے۔ مدائن میں حضرت سلمان محمدیؑ (سلمان فارسیؑ) کا مزار مبارک ہے۔ مشہور طاق کسریٰ بھی یہیں واقع ہے۔

⑥ ''حیرہ'' ''لخمیون'' کی حکومت کا پایہ تخت ''حیرہ'' جو عراق کے شہر نجف اشرف کے جنوب میں واقع، اب کھنڈرات کی صورت میں موجود ہے۔

⑦ ''مناذرہ'' ایک عربی سلطنت کہ جس کا دار الحکومت جنوبی مغربی عراق کا شہر ''حیرہ'' تھا۔ ''مناذرہ'' کا نام اس حکومت کے ''منذر'' نامی پانچ بادشاہوں کی مناسبت سے رکھا گیا، جن سے آخری اور پانچواں ''منذر'' ٧ھ تا ١١ھ تک حکمران رہا۔

⑧ سرزمین بابل پر سات پشتوں تک حکومت کرنے والے بادشاہوں ''بابلیون'' کے نام سے مشہور ہوئے ٢٥٢٥ قبل ہجرت مطابق ١٨٣٠ قبل مسیح نے ١٢٨٩ قبل ہجرت مطابق ٦٢٣ قبل مسیح تک حکومت کی۔ نونسلوں کے بادشاہوں کی تعداد ١٠٦ تک جا پہنچی۔ پہلی نسل کے بادشاہ کا نام سموابو اور نویں نسل کے آخری بادشاہ کا نام کندلانو تھا۔

مورخ سمہودی نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء'' میں نقل کیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے مدینہ میں اپنے لئے ایک قبہ (گنبد) تعمیر کرایا۔ لیکن حضرت رسول خداؐ نے اس بات کو ناپسند فرمایا جس کی وجہ سے اس نے وہ گنبد گرادیا تا کہ آنحضرتؐ ناراض نہ ہوں۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا۔ ''ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال جان ہے سوائے اس کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو''①

اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے ہمیں اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو عہد پیغمبرؐ میں بھی گنبدوں سے آشنائی تھی اور اس کی وجہ ان کا شام اور یمن کی طرف آنا جانا اور وہاں کے لوگوں سے میل جول ہے جس سے وہ وہاں کے تہذیب و تمدن سے واقف ہوئے، شام میں شاہان غسانسہ② اور یمن میں سلاطین حمیر③ کے فنون تعمیرات کو دیکھا بلکہ ہر اس تہذیب و ثقافت سے آشنا ہوئے جس کی عمارتوں میں گنبدوں کی تعمیر کی جاتی تھی۔

---

① کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۲۷۶۔ منقول از وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ صفحہ ۴۳۶۸۔

② غسانسہ یا آل جفنہ۔ عربی خاندان جن کا اصل تعلق یمن سے تھا۔ چوتھی صدی قبل ہجرت مطابق تیسری صدی عیسوی ''سد مارب'' کے انہدام کے بعد یمن کو چھوڑ کر سرزمین شام، شرق اردن، فلسطین، اور لبنان، کو اپنا وطن بنالیا۔ منحرف مسیحی مذہب کو اپنایا۔ بزنطی لشکر میں کام کرتے رہے اور لخمی مناذرہ کے ساتھ برسرپیکار رہے۔

③ سلاطین حمیر، اسلام سے پہلے یمن پر حکمرانی کرنے والا خاندان جس نے جدید تہذیب کی عظیم عربی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ان کے مشہور سلاطین میں سے شداد ذوالقرنین اور ملکہ بلقیس زیادہ قابل ذکر ہیں۔ اس خاندان کے ۳۶ بادشاہوں نے حکومت کی۔

ان تصریحات کی روشنی میں مستشرق کوہنل ① کی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ "سب سے پہلے ایشیا میں سلجوقیوں کے ساتھ ہی مقدمہ کے طور پر ضریح بھی اسی طرح آئی جس طرح مقدس عمارت کی تعمیر اور اس کی دو صورتیں تھیں، ایک برج کی صورت میں قبر اور دوسری گنبد کی صورت میں قبر۔ جیسا کہ گنبد والی ضریحوں کا تعارف ممالیک ② کے ذریعہ مغربی ترکستان سے ہوا، حالانکہ یہاں بہت سی ایسی مسجدیں اور مزاریں ہیں کہ جن پر ایک سے زیادہ گنبد ہیں۔ جس طرح میناروں کی کیفیت ہے چنانچہ استنبول میں بعض ایسی مساجد ہیں جن کے چھ چھ مینار ہیں اور کاظمین (عراق) میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور حضرت امام محمد تقیؑ کے روضہ اقدس پر چار بڑے اور کئی چھوٹے مینار ہیں اور ہر دو بڑے مینار پر ایک امام کی مزار مقدس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یا جس طرح مسیب (عراق) میں اولاد مسلم بن عقیل علیہ السلام کے مزارات پر دو گنبد ہیں جن میں سے ہر ایک گنبد حضرت مسلم بن عقیل کے ہر ایک فرزند کی قبر کی موجودگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ③

---

① ارنسٹ کوہنل (Ernst Kohnel) معاصر جرمن مستشرق جس نے جرمن زبان میں "الفن الاسلامی" کے نام سے ۱۹۶۳ء (۱۳۸۳ھ) میں کتاب تالیف کی جس کا انگریزی اور عربی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

② ممالیک یا خاندان غلامان، اس خاندان کے دو سلسلے ہیں ایک بحری اور دوسرا برجی، ترکوں، جرکسیوں، اور مغلوں کے غلام تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے خاندان کے بادشاہوں نے انہیں فوج میں بھرتی کیا اور ان سے عسکری خدمات لیں۔ ان میں کچھ لوگوں کو مصر کی حکمرانی کا موقع ملا اور بعض لوگوں نے شام اور ایشیائے کوچک کے بعض علاقوں پر اپنی سلطنت قائم کرنے کے بعد حکومت کی، مغلوں اور صلیبیوں سے جنگ کی ۱۲۲۶ھ میں محمد علی پاشا نے ان پر ۱۲۲۶ھ میں قابو پا کر قلعہ بند کر کے قتل عام کیا۔ اہم عمرانی اور تاریخی آثار چھوڑے ہیں ان کے مشہور بادشاہوں کے نام یہ ہیں۔ بیبرس قلاؤون، برقوق، اور آخری بادشاہ طوفان بائے تھا جس کا خاتمہ سلطان سلیم عثمانی نے کر دیا۔

③ اسی باب سے "اولاد مسلم کی قبر" کی فصل کا مطالعہ کیا جائے۔

کربلا معلیٰ میں ایک گنبد حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرقد اطہر پر اور ایک ان کے بھائی ابوالفضل العباس علیہ السلام کے مزار مبارک پر ہے۔ان دونوں کا آپس میں ساڑھے تین سو میٹر کا فاصلہ ہے۔عالم اسلام میں موجود اسلامی گنبدوں کی ہندسی شکلیں مندرجہ ذیل مختلف صورتوں میں موجود ہیں۔

۱۔ کروی شکل (نصف کرے کا) گنبد

۲۔ بیضوی شکل کا گنبد

۳۔ مخروطی شکل کا گنبد

۴۔ مختلف اضلاع کا گنبد

۵۔ پیازی شکل کا گنبد

۶۔ شلجم کی شکل کا گنبد

۷۔ برابر کے تراشے ہوئے پتھروں کے گنبد۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اقسام ہیں۔

یہ انواع و اقسام کے گنبد جو عالم اسلام میں موجود ہیں نتیجہ ہیں اس تدریجی تبدیلی کا جو مختلف اوقات میں رونما ہوتی رہی اور اس کے ساتھ ہی تعمیراتی اور ہندسی صورتیں سامنے آتی رہیں۔اور مسلمان انجینئروں کے ذہنی دریچے کھلتے رہے اور سابقہ تہذیب وتمدن کے ساتھ ان کے فنون کو مطابقت حاصل ہوتی گئی۔اور ہر علاقے کی سیاسی، تہذیبی، اور جغرافیائی تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق گنبد کی کوئی نہ کوئی طرز تعمیر مخصوص اور محدود ہوتی گئی۔جیسا کہ ظاہر ہے ابراہیم بن مالک اشتر نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مزار اقدس پر نصف کرے کا گول گنبد تعمیر کرایا تو اسی طرز تعمیر کو اپناتے ہوئے شاہان فارس نے آئمہ اہل بیت علیہ السلام کے مزارات اور ضریحوں پر بھی اسی طرح کے گنبد تعمیر کرائے اور آج تک یہی طرز تعمیر استعمال ہوتا آ رہا ہے۔یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ تعمیری طرز کی یہ قسم جو غالب طور پر اسلامی ممالک اور اکثر زمانے میں ترجیحی بنیادوں پر اپنائی جاتی رہی ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہندسی اور انجینئرنگ کے نقطہ نگاہ سے ہر قسم کی پیچیدگیوں سے خالی سادہ طرز کی تعمیری تکنیک ہے۔①

---

① بہت سے اسلامی گنبدوں کے اوپر ''ہلالی'' علامت موجود ہے یہ علامت عثمانی حکومت کا امتیازی نشان تھی، اکثر بلاد اسلامیہ میں جو بھی اس کی قلمرو میں شامل تھے وہیں پر اس علامت کو امتیازی نشان قرار دیا، بیان کیا جاتا ہے کہ عثمانیوں نے یہ شعار دوسروں سے مستعار لیا اور اپنے جھنڈوں پر علامت کے طور پر ثبت کیا، اس کے متعلق عجیب وغریب قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں جنہیں شیخ ولی نے اپنی کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۲۸۰۔ میں ذکر کیا ہے۔

گنبدوں کے مختلف نمونے

۱۔ کروی (نصف کرے کی) شکل کا گنبد
۲۔ بیضوی شکل کا گنبد
۳۔ مخروطی شکل کا گنبد
۴۔ مختلف اضلاع کا گنبد
۵۔ پیازی شکل کا گنبد
۶۔ شلجم کی شکل کا گنبد
۷۔ برابر کے تراشے ہوئے پتھروں کا گنبد
۸۔ دیگر مختلف الانواع گنبد

مینار۔ گلدستہ اذان

مینار یا گلدستہ اذان کے لئے ''مئذنہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر پنجگانہ نمازوں کے لئے کھڑے ہو کر اذان دی جائے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ یہ نام عربی ہے لیکن اس ہندسی بنیاد کے ڈانڈے اسلام سے پہلے موجود تہذیب وتمدن سے جا ملتے ہیں اور اسلام میں اس کی تاریخ کا آغاز اس وقت ہوتا نظر آتا ہے جب ۱ھ میں موذن رسول بلال حبشیؓ[1] پنجگانہ نمازوں کے وقت کا اعلان ایک بلند جگہ[2] کھڑے ہو کر کرنے لگے۔ معاویہ بن ابوسفیان پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے خلافت کا پیراہن اوڑھنے کے بعد دمشق کی جامع اموی میں گلدستہ اذان مقرر کیا۔

یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ انسان نے مختلف زبان و مکان میں اپنی انواع واقسام کی ضروریات پورا کرنے کے لئے بڑے بلند وبالا برج تعمیر کئے اور ان برجوں کو اپنی ضرورت کے مطابق مختلف نام دیئے۔ چنانچہ کئی برج ایسے ہیں جن سے جنگ وغیرہ کے اعلان کا کام لیا گیا۔ کچھ ایسے برج بھی تھے جو قاصد کبوتروں کے ڈاک لانے، لے جانے کیلئے ناقوس بجایا کرتے تھے۔ اس طرح کچھ وہ مینار بھی تھے جن کو دشمن سے دفاع کے لئے اسلحہ خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ کچھ ایسے روشنی کے مینار ہیں جن سے مشعلیں جلا کر کشتیوں اور بحری جہازوں کی راہنمائی کا کام لیا جاتا ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو ملکی حدود کی نشاندہی کے لئے بنائے جاتے ہیں، غرض مختلف کاموں کی مناسبت سے انہیں مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ لیکن ہندسی بنیادوں پر تعمیر کیا جانے والا مینار جس سے مسلمان گلدستہ اذان کا کام لیتے ہیں بادی النظر میں اس برج کی مانند ہے جس سے رہنمائی کا کام لیا جاتا ہے یا گرجا کے اس مینار کی مانند ہے جس سے ناقوس بجائے جاتے ہیں اور اس سے عبادت کے وقت کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] موذن رسولؐ حضرت ابوعبداللہ بلال بن رباح حبشی ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ۲۰ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ لفظ ''شین'' کا تلفظ صحیح طور پر نہیں کر سکتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ ''بلال کی سین (اللہ کے نزدیک) شین ہے''۔

[2] کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۲۴۶۔ میں ہے کہ حضرت بلالؓ ایک بلند ستون پر کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے لئے مسجد کی چھت پر کوئی بلند چیز رکھ دی جاتی تھی اور وہ اس پر سے اذان دیتے تھے۔

یہ بات تو معلوم ہو ہی چکی ہے کہ معاویہ نے دمشق کے گرجا گھر کو جامع مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ جس طرح ہر گرجے میں ناقوس بجانے کے لئے برج ہوا کرتا ہے وہاں پر بھی ایک تھا جسے انہوں نے اذان۔[1] دینے کے لئے مقرر کر دیا اور یہ تاثر انہوں نے بزنطی ثقافت سے قائم کیا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ مسیحیوں کے لئے ناقوس بجانے کے لئے مینار ہیں لہٰذا انہوں نے حکم جاری کر دیا کہ مصر اور دوسرے شہروں میں گلدستہ اذان بنائے جائیں۔ چنانچہ ''مقریزی''[2] کا یہ قول ہمیں اسی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جب مصر کے شہر ''فسطاط'' کی مسجد اپنے نمازیوں کے لئے تنگ ہونے لگی تو اس تنگی کی شکایت انہوں نے اس وقت کے معاویہ کی طرف سے مصر پر مقرر کردہ فرمانروا مسلمہ بن مخلا سے کی، مسلمہ نے یہ شکایت معاویہ تک پہنچائی تو معاویہ نے انہیں مسجد کی توسیع کے ساتھ ساتھ وہاں پر مسجد کے لئے مینار تعمیر کرنے کا بھی حکم دیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ معاویہ نے ۵۳ھ[3] میں اذان کے لئے مینار تعمیر کرنے کا حکم جاری کیا۔[4]

---

① معلوم ہونا چاہیے کہ دونوں ہیکلوں یعنی مینار اور گرجا سے مقصود اعلان کرنا ہی ہوتا تھا، لہٰذا ناقوس کے ذریعہ عیسائی عبادت کرنے والوں کو ان کی عبادت کے وقت سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ کتاب ''الفن العربی الاسلامی'' صفحہ ۴۳۔ پر ہے۔ ''مشرقی مینار جسے ''مینار عیسیٰ'' یا ''مینار بیضاء'' کہتے ہیں اور مغربی مینار دونوں کو قدیم گرجا کے مینار کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے''۔

② تقی الدین احمد مقریزی ابن علی بن عبدالقادر بعلبکی مصری، بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ جن میں سے ''المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار'' نامی کتاب میں مصر کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ بعلبک (شام) کے علاقہ ''مقریز'' کی نسبت سے مقریزی کہتے ہیں ۸۴۵ھ میں وفات پائی۔

③ مطابق ۶۷۲ھ میں جامع مسجد عمرو کے لئے چار برجوں کی تعمیر کا حکم دیا۔

④ کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۲۵۲۔ منقول از خطط مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷۔

لیکن جرمن مستشرق ''کوہنل'' کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں نے شام کے ایک صحرائی شہر ''تدمر'' کے نگہبانی کے برجوں سے متاثر ہوکر مینار اور گلدستہ اذان تعمیر کرائے۔ کوہنل کہتے ہیں۔ ''مساجد کے جو مینار خصوصی طور پر اذان کے لئے تعمیر کئے ہیں ان کے بارے میں ترجیحی طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان برجوں اور میناروں سے اخذ کئے گئے ہیں جو دور سابق میں اور خصوصی طور پر ''تدمر'' کے قبرستانوں میں بنائے گئے تھے اور شام کے برجوں اور گرجوں کی رونق اور شان وشوکت اس نظریے کے اپنانے سے مانع نہیں تھی''۔ [1]

مورخ الولی کہتے ہیں ان دونوں آرا کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں اور نصرانیوں نے صحرائے شام۔ [2] کی عبادت گاہوں کے برجوں سے یہ نظریہ اخذ کیا اور اپنے گلدستہ اذان یا ناقوس بجانے کے مینار اسی نظریہ سے متاثر ہوکر تعمیر کئے لیکن تحقیق سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ شام کے مسلمان گرجوں سے اور ایران اور ماوراء النہر کے مسلمان میناروں اور برجوں سے متاثر ہوئے یہی وجہ ہے انہوں نے اپنے اپنے اذان کے گلدستوں کو عام شکلوں میں تعمیر کیا اور وہ دو طرح کی ہندسی شکلیں ہیں مربع کی شکل اور دائرہ کی شکل۔

تصویر نمبر ۳۳ (۱)	اشبیلیہ اندلس کی مسجد الخیر الدا کا مینار تبدیلی سے پہلے	صفحہ نمبر ۳۳۱
تصویر نمبر ۳۴ (۲)	اشبیلیہ، اندلس کا برج ناقوس کلاردا تبدیلی کے بعد	صفحہ نمبر ۳۳۱
تصویر نمبر ۳۵ (۳)	منستر، تیونس کا برج الرباط	صفحہ نمبر ۳۳۲
تصویر نمبر ۳۶ (۴)	کرونل، انگلستان کا تھرووس ہیڈ مینار	صفحہ نمبر ۳۳۲

[1] المساجد فی الاسلام صفحہ ۲۵۳۔ منقول از الفن الاسلامی تالیف ارنسٹ کوہنل ترجمہ احمد موسیٰ۔

[2] المساجد فی الاسلام صفحہ ۲۵۴۔

مورخ الولی کا کہنا ہے کہ ان دونوں میناروں کی اسی طرح کی ہندسی شکل میں تعمیر کا تاریخی پس منظر ان کا مذہبی ہونا ضروری ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ ''تیونس، الجزائر اور مغرب (مراکش) میں دو قسم کے مینار ملتے ہیں ایک تو مربع شکل کے اور دوسرے ستون نما، مربع شکل کے مینار صرف مالکی مذہب کی مسجدوں میں ملتے ہیں اور ستون نما مینار حنفیوں کی مساجد سے مخصوص ہیں''۔ وہ کہتے ہیں چونکہ بعض مغربی علاقوں پر استنبول میں قائم عثمانی سلطنت کا زیادہ اثر رہا ہے اور وہ اس کے زیر نگین تھے اور عثمانی حکمرانوں کا تعلق فقہ حنفی سے تھا۔ لہٰذا ان کی مسجدوں کے مینار بھی ستون نما تھے لیکن اس کے علاوہ دیگر تمام مغربی علاقوں کا مالکی مذہب سے تعلق تھا لہٰذا ان کے مینار بھی اسی طرز کے تھے جو عہد عثمانی سے پہلے رائج تھے۔ اور مربع شکل کے تھے جو اندلس اور اس کے اطراف میں موجود افریقی ملکوں میں موجود تھے اور ہر دور کے لوگ حنفیوں اور مالکیوں کی مسجد کی پہچان ان کے میناروں سے کرتے چلے آرہے ہیں''① لیکن حقیقت یہ ہے کہ احناف کے بہت سے مینار مربع نما اور مالکیوں کے بہت سے ستونی شکل کے بھی ہیں۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ اگر میناروں کی تعمیر کا سبب مذہب ہی کو قرار دیا جائے تو پھر دیگر اسلامی فرقوں اور مذہب کے پیروکاروں نے اپنے میناروں کی کسی خاص طرز تعمیر کو کیوں نہیں اپنایا۔ لہٰذا صحیح بات یہ ہے اسلام میں طرز تعمیر اس علاقے سے متاثر ہے جہاں کے ساکن مسلمان تھے یا جہاں پر اسلام پہنچا۔ چنانچہ عراق اور اس ہمسایہ مشرقی اسلامی ممالک بابل اور فارس اور ماوراء دالنہرین کی ثقافت اور تہذیب وتمدن سے عمومی طور پر متاثر ہوئے اور اہل مغرب وشام اور بزنطی اور رومی ثقافت وتمدن سے اثر لیا۔ چنانچہ پہلی ثقافت میں برج اور مینار ستونوں کی صورت میں بنائے جاتے تھے اور ان کی تعمیر وانجینئرنگ میں دائرے اور منحنی طرز تعمیر کو اپنایا گیا۔ جبکہ بزنطی اور رومی ثقافت میں گرجوں اور برجوں کو اضلاع اور مربع کی صورت میں تعمیر کیا جاتا تھا اور عام طور پر یہ ہر طرح کی عمارتوں میں اسی طرز تعمیر اور انجینئرنگ کو اپنایا جاتا تھا۔ لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ ایک ثقافت دوسری ثقافت میں اثر انداز نہیں ہوئی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ولید بن② عبدالملک کے عہد میں جب مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس وقت کے مدینہ کے والی گورنر عمر بن عبدالعزیز③ نے ابان بن عثمان④ کی

---

① ملاحظہ ہو کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۲۵۴۔ ② ولید بن عبدالملک بنی امیہ کا چھٹا حکمران جس نے ۸۶ھ تا ۹۶ھ حکومت کی۔

③ عمر بن عبدالعزیز ابن مروان بن حکم اموی (۶۱۔۱۰۱ھ) بنی امیہ کا آٹھواں حکمران جس نے ۹۹ھ میں تاج حکومت سر پر رکھا

④ ابان بن عثمان بن عفان متوفی ۱۰۵ھ جنگ جمل میں ۳۵ھ میں حضرت عائشہ کا ساتھی تھا۔ اور جنگ سے فرار کرنے والوں میں پیش پیش تھا اسے عبدالملک بن مروان نے مدینہ کا گورنر مقرر کیا سات سال تک اسی منصب پر فائز رہا پھر معزول کر دیا گیا۔ مرگی کے مرض سے موت سے ہمکنار ہوا اور مدینہ میں وفات پائی۔

طرف یہ فخریہ پیغام بھیجا کہ ''ہماری اور تمہاری تعمیر میں کس قدر فرق ہے؟'' کیونکہ اس وقت انہوں نے مسجد میں گلدستہ اذان (مینار) محراب اور زیبائش و آرائش کا اضافہ کر دیا تھا۔ اس پر ابان نے فوراً جواب دیا۔ ''ہم نے تو اسے مساجد کے انداز میں تعمیر کیا تھا اور تم نے اسے گرجاؤں کے انداز میں بنا دیا ہے۔''[1]

خلاصہ کلام، مسلمانوں نے میناروں کی تعمیر کا نظریہ ان ثقافتوں سے لیا جو ان سے پہلے تھیں۔ البتہ ان میں اپنی طرف سے کچھ اضافے بھی کئے اور تبدیلیاں بھی پیدا کیں۔ حتیٰ کہ یہ ایک منفرد اور خوبصورت اسلامی شمار ہونے لگا۔ جس میں مسلمان معماروں اور انجینئروں نے اختراع اور فن کی مختلف الانواع نشانیوں کا اظہار کیا اور اس فن کو چار چاند لگا دیئے۔

مینار کو انجینئرنگ کی تکنیک کے لحاظ سے چار قسم کی شکلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مربع شکل۔ اس شکل کو شام اور اس کے ملحقہ علاقوں میں اموی عہد حکومت میں رواج دیا گیا جس کی مثال آج تک دمشق میں اموی جامع مسجد میں موجود ہے۔

۲۔ مخروطی شکل۔ اسے عباسی دور حکومت میں رواج دیا گیا جیسا کہ آج بھی اس کی مثالیں شہر سامراء[2] اور بغداد کے شہر زبیدہ[3] میں موجود ہیں۔

۳۔ ستونی شکل۔ اس شکل کو عثمانی عہد میں رواج دیا گیا جیسا کہ آج بھی اس کی مثالیں ترکی، ایران، مشرقی یورپ، اور عالم اسلام کے دوسرے علاقوں میں موجود ہیں۔

۴۔ ضلعی شکل۔ اس کو عہد فاطمی میں رواج دیا گیا جیسا کہ اس کی مثالیں اب تک قاہرہ میں موجود ہیں۔ البتہ بعض مواقع پر تعمیراتی اور انجینئرنگ کی دوسری اور بھی شکلوں کو میناروں اور اذان کے گلدستوں کی تعمیر میں کام میں لایا گیا۔ لیکن ان سب شکلوں کی ہیئت مذکورہ چار شکلوں کے ہی تابع ہے۔

---

① وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ جلد اول صفحہ ۳۷۱۔

② سامراء شہر بغداد سے ۱۲۴ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس شہر میں ''ملویہ'' نامی دو مینار ہیں بڑے مینار کو متوکل عباسی نے ۲۳۲ھ تا ۲۳۸ھ میں تعمیر کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ قدیمی بابلی برجوں کی طرز پر تعمیر کیا گیا۔ اور دوسرا مینار ''ملویہ ابی دلف'' کے نام سے مشہور ہے۔

③ زبیدہ بنت جعفر بن منصور عباسی جن کے ساتھ ہارون الرشید نے ۱۶۵ھ میں ازدواج کیا فاضلہ اور ادیبہ تھی۔ خود شعر کہتی تھی۔ ہارون الرشید کی اس سے زبردست محبت تھی۔ جب اس نے ۲۱۶ھ بغداد میں وفات پائی تو اس کی قبر پر مخروطی شکل کا مینار (گنبد) تعمیر کیا گیا جو وسطی اور جنوبی عراق کی ''اور'' ثقافت و تہذیب کے جام شراب سے ملتا جلتا ہے۔

ابھی ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اسلامی میناروں کا طرز تعمیر بالتدریج اپنایا جاتا رہا اور جو بھی مناسب تبدیلی معلوم ہوتی اور فن میں خوبصورتی مقصود ہوتی تو مسلمان معمار اور صاحبان فن اس میں شامل کر لیتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میناروں کی اشکال وصورتیں بڑی حد تک مختلف ہیں۔ چنانچہ جب عمارت کی بنیادوں، ڈھانچے اور کلس اور ان سے اضافی چیزوں میں مثلاً محراب اور ہندسی انداز میں نقوش ونگار اور زیبائش و آرائش کو دیکھتے ہیں تو ہمیں فن اور خوبصورتی کی انتہا معلوم ہوتی ہے۔ اور جب ان کی گہرائیوں میں جاتے ہیں تو ہمیں اس کے لئے لمبے عرصے تک غور وفکر کرنا پڑتا ہے اور عتبات مقدسہ خصوصاً اہل بیتؑ اطہار علیہ السلام کے مقدس مزارات کے میناروں کی تعمیر کا فن، عروج پر نظر آتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مزار اقدس اور آپ کے برادر گرامی جناب ابوالفضل[1] العباس علیہ السلام کے روضہ مبارکہ کے مینار کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ اہل بیتؑ علیہ السلام کے میناروں کی تفصیل میں جانے اور ان کی صفات کو بیان کرنے سے پہلے جس خصوصیت کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے اور جو خصوصیت صرف اور صرف انہی کے روضوں سے متعلق ہے اور امتیازی حیثیت کی حامل ہے وہ ان مقدس روضوں کی طلا کاری اور طلا کاری سے مراد صرف سونے کا پانی استعمال کرنا نہیں بلکہ خود سونے کا استعمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے بارے میں یہ بات زبان زد ہے کہ "وہ اپنے ائمہ اور اولیاء کے گنبدوں اور میناروں کو سونے کی چادر سے ڈھانپ دیتے ہیں" اب ان میناروں کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں

(۱) ان کی انجینئرنگ کی شکل عام ستونوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ (۲) ان کی لمبائی تیس سے چالیس میٹر تک ہوتی ہے۔ (۳) ان کی آخری تہائی کے اول میں کھلی اور وسیع جگہ میں گلدستہ اذان ہوتا ہے۔ (۴) ان کی چوٹی پر انتہائی نفیس کونوں والا مقام جو تاج سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ (۵) اس مقام کے اوپر انار نما گنبد ہوتا ہے۔[2]

ان پانچ مشترکہ صفات کے علاوہ طلا کاری ایک ایسا عنصر ہے کہ جن کے بیان سے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ان کی ستون کی شکل میں تعمیر، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ۔ ایرانی، بابلی اور ماوراء النہرین کی تہذیبوں سے اخذ کی گئی ہے جو روشنی راہنمائی اور نگہبانی کے لئے استعمال ہونے والے برجوں کی طرز تعمیر کے مطابق ہے۔

---

① حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کا اہل بیتؑ میں شمار ایسے ہے جیسے حضرت رسول خداؐ نے سلمان فارسیؓ کے بارے میں فرمایا ہے۔ (سلمان اہل بیت میں سے ہیں) لیکن اگر دیکھا جائے تو سلمان کی نسبت حضرت عباسؑ کو اہل بیت سے کئی گنا زیادہ قرب حاصل ہے۔ اس لئے کہ وہ امام کے فرزند، دواماموں کے بھائی اور آئمہ اہل بیتؑ کے چچا ہیں۔

② گنبد کا آخری حصہ انار کے مشابہ ہندسی شکل پر جا کر ختم ہوتا ہے جسے دھات سے بنایا جاتا ہے اور اوپر طلا کاری کی جاتی ہے۔

عتبات مقدسہ کے میناروں کی بلندی ۳۵ سے ۴۰ میٹر کے درمیان ہے چنانچہ نجف اشرف اور کربلا معلّٰی کے میناروں کی بلندی ۳۵ میٹر اور کاظمین کے مینار چالیس میٹر بلند ہیں۔

البتہ یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ عالم اسلام میں کچھ مینار ایسے بھی ہیں جو بلندی میں ان سے بھی زیادہ ہیں۔جیسے استنبول کے مینار ہیں۔اسی طرح ۱۴۱۲ھ میں الجزائر کے شہر ''قسنطینہ'' میں تعمیر ہونے والی جامع مسجد امیر عبدالقادر کے مینار کی بلندی کا اندازہ ایک سو سات میٹر[1] لگایا گیا ہے۔آج دنیا میں مراکش کے شہر الدار البیضاء میں شاہ حسن ثانی[2] کی مسجد کے مینار کی بلندی دو سو میٹر ہے۔[3]

تصویر نمبر ۳۷(۵)	الدار البیضاء مراکش میں مسجد شاہ حسن ثانی کا مینار	صفحہ نمبر ۳۱۴

(۱) کتاب ''المساجد فی الاسلام'' صفحہ ۲۷۴۔

(۲) شاہ حسن ثانی ابن محمد پنجم مراکش کا بادشاہ ۱۳۴۸ھ میں پیدا ہوا ۱۳۸۱ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔

(۳) لندن سے شائع ہونے والا اخبار ''بغداد'' شمارہ روز جمعہ مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

میناروں کے نمونے

۱۔ ستون کی شکل میں
۲۔ مربع شکل میں
۳۔ ضلعی (کونوں کی) شکل میں
۴۔ پیچدار شکل میں
۵۔ مخروطی شکل میں
۶۔ اس کے علاوہ کسی اور شکل میں

گلدستہ اذان

گلدستہ اذان سے مراد مینار کے اوپر باہر کی طرف نکلی ہوئی ایسی چھتی ہوئی کشادہ جگہ ہوتی ہے جس میں عام طور پر کھڑے ہوکر موذن اذان دیتا ہے۔ تاکہ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اسے سن سکے اور یہ مینار کے اوپر کے حصے میں گول برجیوں کی مانند ہوتا ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ اکثر میناروں میں ایک سے زیادہ گلدستہ اذان بھی ہوتے ہیں لیکن آئمہ اطہار علیہم السلام کے روضہ ہائے اقدس کے میناروں میں صرف ایک ہی گلدستہ اذان ہوتا ہے۔ جو مینار کے آخری حصے کی تہائی کے اول میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میناروں کے دائرے کا محیط عام طور پر ساڑھے نو میٹر ہوتا ہے لیکن گلدستے کا محیط ساڑھے دس میٹر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ گلدستہ، مینار کے عمود کے اطراف میں نصف میٹر کی مقدار میں باہر نکلا ہوا ہوتا ہے اور بعض میناروں میں یہ مقدار فضائے معلق میں ہندسی شکل میں اور خوبصورت انداز میں باہر سے بالتدریج نیچے سے اوپر کی طرف ابھرتے انداز میں اوپر کی طرف سے نکالی جاتی ہے۔ جس سے مینار اور گلدستہ کی خوبصورتی اور زیبائش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

گلدستہ اذان کی مقدار میں یہ اضافہ عراق اور ایران (۱) کی عتبات مقدسہ میں بنیادی فرق کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ایران کی عتبات عالیہ کے میناروں کے گلدستوں کے دائرے کا محیط، میناروں کے ستون کے محیط سے باہر نہیں ہوتا۔ (۲)

---

(۱) کتاب تاریخ کاظمین صفحہ ۲۴۵

(۲) حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت امام رضا علیہ السلام کے میناروں کے تقابل سے فرق معلوم ہوسکتا ہے۔

گلدستہ ہائے اذان کے مختلف نمونے

۱۔ دائرہ کی شکل میں

۲۔ مربع کی شکل میں

۳۔ ضلع کی شکل میں

ان میں سے ہر ایک

۱۔ کھلا ہوا ہوتا ہے۔

۲۔ چھتا ہوا ہوتا ہے۔

ان میں سے ہر ایک

۱۔ ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔

۲۔ آزاد ہوتا ہے۔

ان میں سے ہر ایک

۱۔ اکیلا ہوتا ہے۔

۲۔ متعدد ہوتے ہیں۔

میناروں کی چوٹیاں (کلس)

میناروں کی چوٹیاں یعنی ان کے کلس ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں ان میں سے کچھ تو مخروطی شکل کے ہیں جیسا کہ بہت سے مغربی عرب ممالک میں ہیں۔ کچھ تو مسطح یعنی چپٹے ہیں جیسا کہ اندلس اور افغانستان وغیرہ کی بہت سی مساجد کے مینار ہیں اور کچھ کدو اور لوکی کی① شکل کے ہیں جیسا کہ لبنان، شام اور خلیج فارس کی بعض ریاستوں کے بہت سے شہروں میں ہیں۔ کچھ چھوٹے سے گول گنبد کی مانند ہوتے ہیں اور کچھ غیر ضلعی شکل کے ہوتے ہیں جیسا کہ ہندو پاکستان میں ہیں۔ کچھ ضلعی شکل کے ہوتے ہیں ماوراء النہرین کے بہت سے شہروں میں ہیں۔ مقدسہ اور آخری قسم کے مینار عتبات مقدسہ کے لئے تیار کیے گئے ہیں۔

① کدو، لوکی، گھیا قسم کا پھل یا ترکاری جو گول اور سر اور درمیانی حصے کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے سر باریک اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے۔

میناروں کی چوٹیوں کے نمونے

۱۔ کرہ کی شکل میں۔
۲۔ شگاف یافتہ کرہ کی شکل میں۔
۳۔ لوکی اور گھیا کی شکل میں
۴۔ مخروطی شکل میں۔
۵۔ جھمکا کی شکل میں۔
۶۔ سطح شکل میں۔
۷۔ تراشے ہوئے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی شکل میں۔
۸۔ پیازی شکل میں۔
۹۔ متعدد شکلوں میں۔
۱۰۔ ہاون کی شکل میں۔
۱۱۔ اس کے علاوہ دیگر شکلوں میں۔

رمانی (کلغی)

عتبات مقدسہ کے میناروں اور گنبدوں کے اوپر لگی ہوئی چیز کا نام ''رمانی''① (کلغی) ہوتا ہے اور وہ تانبے یا کانسی کی یا پھر عام طور پر سونے کی دھات سے بنی ہوتی ہے۔ایسی مہارت سے بنائی جاتی ہے کہ مینار کی خوبصورتی اور② رونق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کلغی کی لمبائی دو میٹر تک ہوتی ہے اب جب کہ مقدس ضریحوں کو برقی تنصیبات سے آراستہ کیا جا چکا ہے تو اس کلغی کے اوپر بھی بڑی پاور کے بلب لگائے گئے ہیں جس سے اس کی خوبصورتی اور کشش میں اضافہ ہو گیا ہے اور وہ دیکھنے والوں کو دور سے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے③

تصویر نمبر ۹۴ (۱)	بیت المقدس میں گنبد خضرا کا ہلال	صفحہ نمبر ۳۵۳
تصویر نمبر ۹۴ (۱)	آگرہ انڈیا میں موتی مسجد کے گنبد پر نیزے کا نشان	صفحہ نمبر ۳۵۳
تصویر نمبر ۹۴ (۱)	قاہر مصر میں مزار خایر پر رمانی گنبد	صفحہ نمبر ۳۵۳
تصویر نمبر ۹۴ (۱)	اسکو میں شریف حسین کے مزار کے گنبد کی چوٹی	صفحہ نمبر ۳۵۳

① اسے رمانی اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مشہور پھل ''رمان'' یعنی انار کے مشابہ ہوتی ہے اور اس کا اطلاق میناروں اور گنبدوں کے اوپر اسلحہ کے جیسے ہتھیاروں پر بھی ہوتا ہے اور وہ نیزے سے قدرے چھوٹے ہوتے ہیں یا پھر تیر کی شکل میں باریک یا تین نوکوں والے ہتھیار ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض جگہوں پر تو گنبدوں اور میناروں کے اوپر ہلال کی شکل بنائی جاتی ہے۔جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے یہ اسلامی طرز کی ایک علامت ہے۔

② کتاب ''شہر حسینؑ صفحہ ۴۵۶ منقول از کتاب مدینۃ الحسینؑ جلد اول صفحہ ۵۸۔

③ واضح رہے کہ بہت سی مسجدوں کے میناروں کی چوٹیوں پر علم نصب کیا جاتا ہے جس پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوتا ہے جس سے اس مبارک کلمہ کی سربلندی مقصود ہوتی ہے۔

باقی رہی مقدس روضوں کے گنبدوں اور میناروں پر طلا کاری یا سونے کا چڑھانا تو یہ کام محبان اہل بیت علیہم السلام کا ہے جس کا اظہار وہ پیغمبرؐ اور اہل بیتؑ سے دلی احترام۔ تقدس اور ولاء کے نتیجے میں کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کام کا آغاز 1214 ھ میں ہوا سلطان فتح علی شاہ قاچار① کی زوجہ کے کربلا معلّیٰ میں② حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار مبارک کے مینار پر سونا چڑھانے کے حکم سے ہوا جب کہ اس سے پہلے یہ مینار سنہری کاشی کی اینٹوں سے مزین تھے اور آج بھی بہت سے امامزادوں کے مقبرے اسی طرح ہیں۔

خود بغداد میں بہت سے مینار ایسے ہیں جو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے میناروں کی تقلید میں بنائے گئے ہیں مثلاً ''مدرسہ مستنصریہ'' مرقد ابوحنیفہ اور مسجد جامع خلفاء کے مینار وغیرہ اسی طرز پر تعمیر کئے گئے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مینار مبارک کی تاریخ تعمیر ۷۸۶ھ تک جا پہنچتی ہے۔ جب کہ اس کی بنیاد سلطان احمد بہادر خان ابن اویس جلائری نے رکھی تھے اور یہ بات بھی واضح رہے کہ سلطان اویس جلائری کی طرف سے مقرر کردہ بغداد کے گورنر مرجان نے مرقد ابا عبد اللہ الحسینؑ پر ۷۶۷ھ میں چالیس میٹر بلند ومنارۃ العبد

ایسی بنیادوں پر تعمیر کرایا جس کا محیط بیس③ میٹر تھا اور یہ ۱۳۵۴ھ تک اپنی صورت پر باقی رہا، لیکن اسی سال کربلا کے گورنر④ صالح⑤ جبر کے حکم سے اس دائمی تاریخی آثار کو منہدم کر دیا گیا ان میناروں کے اندر پیچیدہ صورت میں سیڑھیاں ہیں جن پر چکر لگاتے ہوئے انسان ان کی چوٹی تک جا پہنچتا ہے اور

---

① فتح علی بن حسین قلی بن محمد حسین قاچار ایران میں سلسلہ قاچاریہ کا دوسرا بادشاہ جس نے ۱۲۱۲ھ تا ۱۲۵۰ھ تک حکومت کی۔

② اسی باب کی فصل ''مرقد حسینی'' کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے گنبد پر سونا چڑھانے کا کام اس سے پہلے یعنی ۱۲۰۷ھ میں سلطان محمد خان قاچار کی طرف سے مکمل ہو چکا تھا۔

③ کتاب ''تاریخ کربلا وحائر الحسین'' میں ہے کہ اس کا قطر بیس میٹر ہے

④ یہ لفظ ''متصرف'' کا ترجمہ ہے جو ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ ہے جو زمانہ سابقہ میں ''والی'' کے نام سے موسوم تھا

⑤ صالح جبر، نجف اشرف میں پیدا ہوا وہیں پر بڑا ہوا پھر بغداد چلا گیا تو ۱۳۵۴ھ تا ۱۳۵۵ھ کربلا کا گورنر رہا۔ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں وزیر اعظم بنا، ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں قومی اشتراکی پارٹی کی بنیاد رکھی، برطانیہ کے ساتھ پورٹ سموتھ نامی معاہدہ کیا۔

گلدستہ آذان① تک ان سیڑھیوں کی تعداد 80 ہے اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ مینار کا قطر چار میٹر تک کا ہوتا ہے اور یہ اسی طرح گلدستہ آذان کے نچلے② حصے تک چلا جاتا ہے اور اس کے بعد گھٹتے گھٹتے آخری حد تک پہنچ کر ۲ میٹر تک رہ جاتا ہے جب سے ان میناروں کو تعمیر کیا گیا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان سے اذان نشر کرنے کا کام لیا جانے لگا چنانچہ مؤذن گلدستہ اذان پر کھڑے ہو کر اذان دیتا جسے تمام اہل شہر سنتے اور مؤذن کی عادت تھی کہ وہ گلدستہ اذان میں گھوم پھر کر اذان دیتا تاکہ اس کی آواز شہر کے ہر حصے تک پہنچے اور تمام لوگ اسے سن لیں لیکن جب سے سائنس نے اپنے کمالات دکھانے شروع کئے تو لاؤڈ اسپیکروں سے یہ کام لیا جانے لگا اور شہروں کی آبادی بھی بڑھنے لگی اسی مناسب سے ان کا رخ بھی ہر طرف کر دیا گیا اور چونکہ سابقہ دور میں اس سے روشنی کا کام لیا جاتا تھا لہٰذا اسے مینار بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ان میناروں سے ایام جنگ میں دشمن پر نظر رکھنے کے لئے رصدگاہ کا کام بھی لیا جاتا تھا اور خاص خاص اور اہم موقعوں پر ان سے اعلان بھی کیا جاتا، اسی طرح دینی محافل و مجالس، دعا کے مراسم یا رمضان المبارک اور عید الفطر کے چاند نظر آنے وغیرہ کا اعلان بھی یہیں سے کیا جاتا اور اب بھی لاؤڈ اسپیکروں سے کیا جاتا ہے۔ مذکورہ امور کے علاوہ میناروں سے ایک اور کام بھی لیا جاتا ہے اور وہ ہے سمت کعبہ کا تعین۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے روضوں کے مینار ایسے خوبصورت ہندسی انداز میں بنائے گئے ہیں کہ دو مینار، گنبد کے دونوں اطراف میں قدرے آگے کر کے بنائے گئے ہیں تاکہ گنبد اور دونوں مینار واضح نظر آئیں اور دونون میناروں کے درمیان فاصلہ مثلث الراس شکل میں ہے جو قبلہ کی جانب ہیں۔ لہٰذا شہر میں جو شخص قبلہ کی شناخت کرنا چاہتا ہے اسے دو کاموں میں ایک کرنا پڑتا جب وہ حرم کے دونوں اطراف سے کسی ایک طرف کھڑا ہو جاتا ہے تو اسے دونوں میناروں کو ساتھ ملا کر ایک خط مستقیم کھینچنا پڑتا ہے جس سے قبلہ کی سیدھ کا تعین ہوتا ہے۔ اگر وہ حرم کے آگے یا پیچھے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنی نگاہ گنبد کے اوپر اس کے درمیان حصے پر ڈالتا ہے۔ اور گنبد کو دونوں میناروں کے درمیان قرار دیتا ہے اور دونوں میناروں کے درمیانی فاصلے میں ایک نقطہ فرض کرتا ہے جس سے وہ ایک خط مستقیم کھینچتا ہے جو قبلہ کی سیدھ میں ہوتی ہے اور اس سے سمت قبلہ کا تعین ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ ہندسہ اور فن کی باریکی کے معیاروں کو پیش نظر رکھ کر گیا گیا ہے اور یہ فن کے کمال کی علامت ہے

① اسی باب کی فصل ''مرقد حسینی'' میں تفصیل موجود ہے۔ ملاحظہ ہو

② ملاحظہ ہو تاریخ کاظمین صفحہ ۲۴۴۔

آخر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ قدیمی ترین مینار جو آج بھی باقی ہے وہ مینار قروان[1] ہے۔ جس کی تاریخ تاسیس بیشتر اندازوں کے مطابق ۲۴۷ھ ہے۔[2]

تصویر نمبر ۹۸(۱)	تیونس میں جامع مسجد قیروان کا مینار	صفحہ نمبر ۳۵۴

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے اور میں یہ بات کہنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ مسلمانوں نے گنبدوں، میناروں اور رواقوں کی ہندسی تکنیک کا نظریہ اسلام سے پہلے تمدنوں سے لیا ہے اور اسی نظریہ کو اپنی دینی اغراض کے لئے استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ اسلامی فتوحات کے بعد بہت سے گرجوں کو مسجدوں میں تبدیل کیا اور ناقوس بجانے والے برجوں کو اذان کے میناروں میں بدل دیا۔ البتہ مسلمانوں نے گنبدوں اور میناروں میں اپنی طرف سے بھی کئی اختراعات شامل کیں اور ان میں ایسی تبدیلیاں کیں جو ان کا طرہ امتیاز بن گئیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گنبدوں کے ساتھ میناروں کی تعمیر ایک ایسی ہندسی سوچ ہے جسے مسلمانوں نے اپنے دینی مراکز خصوصاً اپنے بزرگوں اور روحانی پیشواؤں کے مزارات اور روضوں کی تعمیر میں اختراع کیا ہے۔ کیونکہ اسلام سے پہلے کسی بھی تہذیب اور تمدن میں اسی قسم کی کوئی عمارت موجود نہیں تھی اور چونکہ ایک تمدن دوسرے تمدن سے کچھ چیزیں لیتا ہے۔ لہٰذا اس اسلامی طرز تعمیر سے جو دوسروں سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا بھر میں بہت سی غیر مسلم عمارتوں کے لئے استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم یہاں پر اس قسم کی چند غیر مسلم عمارتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

---

① یہ مینار اس مسجد پر بنایا گیا ہے ۵۷ھ میں جب تیونس کے شہر قیروان کو عقبہ بن نافع نے فتح کیا تو وہاں پر ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کے لئے ایک مینار بھی بنوایا

② المساجد فی السلام صفحہ ۲۶۱۔

چارلس کا گرجا

انجینئر جوہان① نے اس اسلامی طرز تعمیر کو یورپ کے علاقوں میں منتقل کیا جب کہ شہنشاہ کارل ششم② نے ۱۲۲۶ھ بمطابق ۱۷۱۴ء میں ویانا میں موجود مقدس چارلس③ کے گرجا سے مقابلہ کا اعلان کیا کیونکہ جب ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) میں طاعون④ کی بیماری نے اس کے ملک کو اپنی وبائی لپیٹ میں لے لیا تو اس نے اس بیماری کے خاتمے کے لئے نذر مانی تھی اور اس نذر کے ایفا کے لئے گرجا کی تعمیر کا عزم صمیم کر لیا۔

---

① جوہان برنارڈ ابن فیشر ون ارلاچ (Joharn Bernhard Fischervon Erlach) ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۶ء) میں پیدا ہوا۔ مشہور تعمیراتی انجینئر ہے۔ ویانا میں اس کی معروف تعمیرات موجود ہیں اور آج بھی ان کا شمار دنیا کی خوبصورت عمارات اور روشن ترین تمدنی آثار میں ہوتا ہے۔ اس کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے دوسری بہت سی تہذیبوں سے سبق سیکھا خصوصی طور پر مشرقی طرز تمدن سے اسی وجہ سے اس نے خوبصورت اور عمدہ ترین عمارتیں بنائی ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۳ء) میں فوت ہوا۔ مذکورہ گرجا کے تعمیر میں اس سے ماہر آثار قدیمہ ہیرس (HERAEUS) اور فیلون لیبنز (LEBNIZ) نے تعاون کیا۔

② کارل ششم (KARL-6) ۱۰۹۴ھ ۱۶۸۵ء میں پیدا ہوا۔ ۱۱۲۳ھ (۱۷۱۱ء) میں تخت حکومت پر بیٹھا ہنگری اور صقلیہ حکومت کی آسٹریا کا تخت اپنی بیٹی، ماری تیریز کے لئے چھوڑا ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں فوت ہوا

③ چارلس ''پرومیو'' پر (CHARLES BORROMEO) ۹۴۵ھ (۱۵۸۴ء) میں پیدا ہوا میلانو (اٹلی) کے عیسائی علماء (پادریوں) کا سربراہ تھا ۹۹۲ء میں فوت ہوا کارل کی وفات کے بعد نذر کی وجہ سے ''مقدس، شفیع طاعون'' کے نام سے مشہور ہوا اور کلیسا کو بھی '' کارلوس کیرخہ کا نام دیا گیا۔

④ مورخین کا بیان ہے کہ ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) میں آنے والی طاعون کی بیماری ''سترہویں طاعون کی بیماری'' شمار ہوتی ہے جس نے آسٹریا کے تمام شہروں کو اپنی ہلاکت کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس وقت آسٹریا پر کارل ششم کی حکومت تھی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ انجینئر جوہان اپنی اس تعمیراتی کاوش میں اپنے دیگر ہم پیشہ افراد پر سبقت لے گیا اور اسے اس بارے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ کیونکہ انجینئر نگ کے لحاظ سے اس کی یہ تعمیر فنی طور پر منفرد حیثیت کی حامل تھی۔ اس بارے میں اس نے مختلف مقامات سے مدد لی اور تزئین و آرائش کے لئے اچھی طرح منصوبہ بندی کی۔ جو چیز ہمارے لئے اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ اس نے کلیسا کی عمارت کو آئمہ مسلمین کے مزارات کے لئے اختیار کی جانے والی اسلامی طرز تعمیر کی عمومی شکل و صورت کو اپنایا اور ان خطوط پر کلیسا کی تعمیر کو استوار کیا۔ چنانچہ اندرونی حصے میں ملاقات کے کمروں کی مانند رواق (برآمدے) اس طرح بنائے کے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور باہر کی طرف دو بلند و بالا برج تعمیر کیے جو عام طور پر اسلامی طرز تعمیر کی عمارتوں کے میناروں کی مانند تھے اور ان دونوں کے درمیان ایک بھاری بھرکم بیضوی شکل کا گنبد تعمیر کیا۔

ساتھ ہی مورخین اس بات کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ اس نے تعمیر کی یہ طرز فکر مشرقی اسلامی ملکوں سے لی اس کام کی ابتدا اس نے ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) میں کی لیکن ابھی وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا پایا تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اور ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۳ء) کو اس جہان سے رخصت ہوگیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے جوزف [1] نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا اور اس کی تکمیل سے ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) میں فارغ ہوا۔ ایک قول کے مطابق اس کلیسا کی تعمیر پر ۲۵ سال کا عرصہ لگا۔

کلیسا کے سامنے والا حصہ دنیائے مغرب میں اپنی نوع کا منفرد حصہ ہے جس کی بنیادیں تو مغربی طرز تعمیر اور عمارت مشرقی طرز کی غماز ہے۔ برجوں کی تعمیر کے لئے مشرقی طرز کے میناروں کو مدنظر رکھا گیا ہے اور یورپین مصنفوں نے بھی اس چیز کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بہرحال اس عمارت کا شمار اسلامی طرز تعمیر میں ہوتا ہے۔ جو یورپ میں اختیار کیا گیا ہے۔ [2]

تصویر نمبر ۹۹ (۲)	چارلس کا کلیسا	صفحہ نمبر ۳۵۵

(۱) جوزف عمانوئیل (Josef Emanuel) انجینئر جوہان ایرلاچ کا بیٹا تھا۔ تعمیراتی انجینئرنگ کا کام اپنے باپ سے سیکھا اور پھر اسے ترقی دی اور والد کے بعد اس فن میں بڑی شہرت پائی۔

(۲) یہ معلومات فراہم کرنے کے لیے برطانیہ میں آسٹریائی سفارت خانے نے ہمارے ساتھ تعاون کیا جبکہ اس نے ہمیں گرجوں کی بعض تصویریں اور مختلف مقالے بھی فراہم کئے۔

بادشاہی خیمہ (ROYAL PAVILION)

یورپ میں ہم ایک اور حقیقت کی طرف جاتے ہیں جہاں پر گنبد اور دو میناروں پر مشتمل عمارت تیار کی گئی ہے وہ ہے خیمہ محل ① جو برطانیہ کے شہر برائٹین ② میں تعمیر کیا گیا ہے اسے شہنشاہ جارج چہارم ③ کے حکم کے تحت ابتدائی طور پر انجینئر ہنری ④ ہولینڈ نے تعمیر کیا جبکہ جارج چہارم ابھی تک ولی عہد بھی نہیں بنا تھا اور یہ ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ء) کا واقعہ ہے چنانچہ اس نے اپنے انجینئر سے یہ خواہش کی کہ اس کے لئے ایک ایسا خیمہ بنایا جائے جس میں قدیم اور جدید طرز تعمیر کا امتزاج ہو جس کے اوپر دائرہ کی شکل میں ایک گنبد ہو جس کے اطراف میں یونانی طرز کے ستون ہو چنانچہ مطلوبہ صورت میں عمارت کی تعمیر ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) میں مکمل ہو گئی لیکن ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۵ء) میں جارج موصوف نے ایک اور انجینئر جان نالش ⑤ کے ذمہ مذکورہ خیمہ کی دوبارہ تعمیر کا کام لگایا جو انڈین اسلامی مشرقی طرز پر بنایا جائے چنانچہ جان نائن نے ایسی عمارت کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا جس کا بیرونی منظر "ہمفرے ریپٹن" ⑥ اور کتاب "اورینٹل سینری" ⑦ میں مذکور عمارتوں کا مظہر تھا۔ سات سال تک عمارت پر کام ہوتا رہا اور ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۳ء میں مکمل ہوئی

صفحہ نمبر ۳۵۵	شاہی خیمہ	تصویر نمبر ۱۰۰ (۳)

① شاہی خیمہ (Royal Pavilion) جو اس وقت کے شہزادے ولز (جارج اگسٹس) کا خیمہ نما محل تھا۔ اس نے بعد میں وہاں کی زمین ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ء) میں ملکہ وکٹوریا سے خریدی۔

② برٹین (Brighton) ایک گرمائی تفریحی شہر ہے جو دریائے "مینچ" (Manche) کی گھاٹی پر لندن سے ۹۴ کلو میٹر جنوب میں واقع ہے جغرافیائی تقسیم کے مطابق "سوئیکس" (Sussex) ڈویژن کے ماتحت ہے۔

③ جارج چہارم اگسٹس، جارج سوم ولیم فریڈرک کا بیٹا تھا ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۲ء) میں پیدا ہوا، ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۳ء) میں برائٹین کا اس وقت دورہ کیا جب بیماری سے صحت یاب ہو چکا تھا لیکن نقاہت باقی تھی تاکہ وہاں پر سیر و تفریح کر سکے اس وقت ولز (Wales) کا حاکم تھا برائٹین میں اپنے چچا کروف ہاؤس کے ہاں قیام کیا اور یہاں پر قیام اسے بہت اچھا لگا۔ ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) ولی عہد بنا اور جب ۱۲۲۶ھ (۱۸۲۰ء) میں بیماری نے اس کے والد کو چلنے پھرنے سے عاجز کر دیا تو اس کی جگہ بادشاہ بن گیا ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) میں فوت ہوا۔ اور ولیم چہارم اسکا جانشین قرار پایا۔

④ ہنری ہالینڈ (Henry Holand) ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ء) میں پیدا ہوا تعمیرات کا انجینئر تھا شاہی دربار میں اسے خصوصی مقام حاصل تھا۔

⑤ جان ناش (Johan Nash) انگریز انجینئر ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ء) میں پیدا ہوا۔ معماری انجینئرنگ میں اپنے ہم پایہ انجینئروں میں زیادہ شہرت پائی لندن میں کارٹن ہاؤس کی عمارت اسی کا کارنامہ ہے جو کہ ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ء) میں تباہ ہو گئی۔ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) میں فوت ہوا۔

⑥ مشہور انگریز معمار "ہمفرے ریپٹن" (Hompray Repton) ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ء) میں پیدا ہوا اور ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں فوت ہوا۔

⑦ اورینٹل سینری (Orietal Scenery) معماری ہندی فن میں چار کتابوں کا عنوان ہے جنہیں ولیم (Williom) اور تھامس دانیال (Thomas Danial) نے مرتب کیا۔

اسٹرنج ویز ٹاور

جو بھی شخص مانچسٹر① شہر کے قلب (درمیان کی طرف نظر کرتا ہے اور اس کی نگاہیں فوراً ہی ایک ایسے بلند و بالا ٹاور پر جا پڑتی ہیں جسے دیکھتے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اسلامی عمارت (مسجد) کا مینار ہے۔لیکن جب ''برے نیوروڈ''② کے نزدیک جا پہنچتا ہے تو اچانک معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو سٹرنج ویز③ نامی جیل کا ٹاور ہے۔ یہ ٹاور بڑی بڑی سرخ رنگ کی بلاکوں سے تیار کیا گیا ہے۔جس کی اونچائی تقریبا 25 میٹر ہے۔ستونی شکل کا چوکور ٹاور ہے۔جس کی گلدستہ اذان نما جگہ کھلی فضا میں اور اس کی آخری تہائی کے اول میں واقع ہے' سے دیدبانی کے لئے بنایا گیا ہے اور اس پر اس کی تاریخ تاسیس درج ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۲۷۴ء (۱۸۵۷ء) میں اعلان کیا ہے چونکہ مانچسٹر شہر، ایک عدالتی شہر ہے جس میں بہت سے امور کا اجراء ہوتا ہے جن میں سے عدالتی دیوان اور ججوں کی رہائش گاہوں کو جیل کے ساتھ ہی تعمیر کیا جائے گا۔سٹرنج ویز کی عمارت کی تعمیر کے لئے ایک ملحقہ زمین جس کا رقبہ آٹھ④ ہیکٹر ہے کی خریداری کا کام مکمل ہو چکا ہے، تاکہ اس پر جیل خانہ تعمیر کیا جائے اور عمارت کو بہترین انداز میں تعمیر کرنے کے لئے ٹینڈر طلب کئے گئے

---

① مانچسٹر (Manchester) تیسرا برطانوی شہر ہے جو ملک کے درمیان میں واقع ہے اور برطانیہ کے پایہ تخت لندن کے شمال میں ۳۱۹ کلومیٹر (۱۸۹ میل Miles) کے فاصلے پر ہے۔

② برے نیوروڈ (Burynew Road) سڑک کا نام ہے۔

③ اسٹرنج ویز (Strangeways)

④ آٹھ ہیکٹر دس ہزار کلومیٹر مربع۔

جن کے حصول میں ''واٹر ہاؤس''[1] کامیاب ہوگیا اور اس نے نقشے میں تمام فنی امتیازات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیدیوں کی ہر قسم کی ضروریات کو بھی مدنظر رکھا۔

واٹر ہاؤس جیل کی تعمیر سے ۱۹۲۵ء (۱۸۵۹ء) میں فارغ ہوا، اور اس نے اس کی تعمیر میں ان جدید انگریزی اور مغربی یورپ کی تعمیری روشوں کو یکجا کردیا جو چھٹی تا دسویں صدی ہجری (۱۲ویں تا ۱۶ویں صدی عیسوی) میں اختیار کی گئی تھیں۔لیکن اس نے ٹاور کی تعمیر میں مشرقی یورپ بلکہ تمام مشرق کو سب سے زیادہ ترجیح دی اور صفر ۱۲۸۱ھ (جولائی ۱۸۶۴ء) میں حکومتی اداروں کا افتتاح ہوا۔

۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء دوسری عالمی جنگ[2] میں فضائی حملوں کی وجہ سے حکومتی اداروں اور جیل کو تو نقصان پہنچا لیکن ٹاور اور آج تک اپنی جگہ پر قائم ہے اور سرزمین دولت مشترکہ کے دل میں مشرقی طرز تعمیر کے جھنڈے گاڑے اپنی عظمت کا اعلان کررہا ہے۔

صفحہ نمبر ۳۵۶	مانچسٹر برطانیہ میں اسٹرینج ویز ٹاور	تصویر نمبر ۱۰۱ (۴)

---

① الفرڈ واٹر ہاؤس (Alfred Water House) ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) میں لیورل پول (Lever Pool) میں پیدا ہوا، مانچسٹر میں رچرڈ لین (Richard Lane) سے تعلیم حاصل کی تعمیرات کا انجینئر تھا۔قرون وسطی اور وکٹوریہ طرز تعمیر کو اختیار کیا، مانچسٹر کی سرکاری تعمیرات اس کا وہ پہلا کارنامہ تھیں جن کی وجہ سے اسے شہرت حاصل ہوئی اس نے زیادہ وقت علمی اور ثقافتی مراکز کی تعمیر پر خرچ کیا۔مثلاً یونیورسٹیوں، سکول اور کالج کی عمارتوں پر جو کہ کیمبرج اور آکسفورڈ میں ہیں۔اسی طرح اس نے لندن میں بھی بہت سے گرجے تعمیر کئے، زیر تعمیر عمارتوں میں اکثر و بیشتر سرخ جلی اینٹوں اور عمدہ لوہے کو استعمال کیا۔۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں برطانیہ کے شہر اٹینڈن (Yattendon) میں فوت ہوا۔

② دوسری عالمی جنگ کا آغاز ۲۳ محرم ۱۳۵۸ھ 15-3-1939 میں چیکوسلواکیہ پر ہٹلر کے حملہ سے ہوا۔جس کی وجہ سے فرانس اور برطانیہ نے ۱۸ رجب ۱۳۵۸ھ 3-9-1939 میں جرمنی پر حملہ کردیا۔اور ۲۴ رمضان ۱۳۶۴ھ 2-9-1945 میں جاپان کی شکست پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

سینٹ جاڈ ہاسپٹل

امریکہ کے شہر ممفس ① میں آنے والا شخص اس وقت حیران رہ جاتا ہے جب اس کی نظر میں اچانک گنبد صخرہ کی چمک پڑتی ہے اور پہلے ہی مرحلے میں اپنے آپ کو فلسطین کے شہر بیت المقدس میں تصور کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اسے سینٹ جاڈ کے ② ہسپتال کی عمارت کے ایک حصے میں بیت المقدس کے گنبد کی مانند گنبد نظر آتا ہے اور جب وہ چیز کا راز معلوم کرنا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک لبنانی نژاد نوجوان ''دانی توماس ③'' کا کارنامہ ہے جب اس نے دو جاڈ تھاڈیوس ④ کا گرجا گھر دیکھا تھا تو اسنے اپنے ساتھ یہ پختہ عہد کرلیا تھا کہ بچوں کے سرطان کے علاج کے لیے ایک ہسپتال تعمیر کریگا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ چنانچہ اس نے ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) میں اپنے اس نظریہ پر عمل درآمد شروع کردیا اور اس پر برابر کام جاری رہا بالآخر ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ء) میں اس کی مراد بر آئی جب ہاسپٹل کے دروازے سرطان کینسر جیسے موذی مرض کے شکار بچوں کے علاج کے لیے کھول دیئے گئے۔

تصویر نمبر ۱۰۲ (۵) سینٹ جاڈ ہاسپٹل	صفحہ نمبر ۳۵۶

① میمفس (Memphis) ریاستہائے متحدہ امریکہ کا ایک مشہور شہر ہے جو مشہور دریا میسیسپی (Mississippi) کے کنارے پر واقع ہے اور امریکہ کے جنوب مشرقی ریاست ''ٹینیسی'' (Tennesse) کا دارالحکومت ہے۔ اور مشرق کی طرف سے بحیرہ اطلس کے ساحل پر ہے۔

② بچوں کی خطرناک امراض کے علاج اور تحقیق کے لحاظ سے دور حاضر میں سینٹ جاڈ ہاسپٹل کا شمار عالمی مراکز کے اول درجے کے مرکز میں کیا جاتا ہے۔ ۱۴۱۸ھ تک دنیا بھر سے آنے والے قابل علاج ۱۴ ہزار بچوں کا مفت علاج کیا جا چکا ہے کیونکہ جو شخص علاج معالجے کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا خیراتی، رفاہی ادارہ ''الساک'' (Alsac) اس کے تمام اخراجات برداشت کرتا ہے اور الساک ادارے کو امریکہ، لبنان اور شام پر مشتمل افراد کی ایک کمیٹی چلا رہی ہے۔

③ ڈانی تھوماس ''لبنانی نژاد مسیحی ہے جس نے امریکہ کو اپنا وطن بنانے کے لئے لبنان کو خیرباد کہا۔ اس نے اپنی زندگی کا آغاز دوسروں کو آرام پہنچانے کے کام سے کیا۔ چونکہ اس کا اللہ پر ایمان تھا لہٰذا اس کے صدقے میں اس نے اپنے آپ کو آگے بڑھایا چونکہ خداوند عالم کو بھی اسے توفیق عطا کرنا مقصود تھی لہٰذا اس نے اس ہسپتال کی تعمیر میں دلچسپی لی اور آخرکار اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوکر رہا۔ ہسپتال کی انتیسویں سالانہ تقریبات میں شرکت کے دو دن بعد ۶ فروری ۱۹۹۱ء میں داعی اجل کو لبیک کیا اور ہسپتال ہی کے احاطہ میں مدفون ہوا۔

④ سینٹ جاد تھادیوس (St. Jude Thaddeus) پادری خاتون جس کے نام سے ڈیٹرویٹ (Detroit) میں گرجا تعمیر کیا گیا۔

مزارات کی
تاریخ اور تدریجی عمل

حرف الف

۱۔ ابراہیم اشترؒ کا مزار

۲۔ ام البنینؑ کا مقام

۳۔ ام کلثومؑ کا مزار

۴۔ اولاد مسلمؑ کا مزار

ابراہیم اشترؑ کامزار

حضرت ابراہیم بن مالک اشترنخعیؒ کی شہادت جمادی الاخر ۷۱ھ میں شہر "مسکن"[①] میں ہوئی ابراہیم اپنے والد مالک اشتر کی مانند بہادر، شہسوار، اہلبیت اطہار علیہم السلام کے حبدار اور آپ کے شیعہ تھے۔ جب ۶۶ھ میں مختار بن عبیدہ ثقفی[②] نے خون حسین علیہ السلام کا بدلہ لینے کے لئے کوفہ میں خروج کیا تو ابراہیمؒ نے ان کی اسی بات پر بیعت کی۔

جب عبدالملک بن مروان[③] کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے عبیداللہ بن زیاد امور حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنے والوں کی سرکوبی کے لئے شام سے روانہ ہوا تو ابراہیم اشترؒ نے بہت سے[④] جنگجوؤں کے ساتھ اس کے مقابلے کی ٹھانی، شمالی عراق میں خازر[⑤] کے مقام کے نزدیک دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور وہ بنی امیہ کے بڑے بڑے سورماؤں کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو گئے۔

---

① مسکن : میم کے زبر، سین کے سکون، کاف کے زیر اور نون کے ساتھ ایک جگہ کا نام جو نہر دجیل کے نزدیک ہے۔ بغداد سے تقریباً ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر اس سے شمال مغرب میں واقع ہے۔

② مختار بن ابی عبیدہ ثقفی، انقلابی لیڈروں میں سے ایک تھے جنہوں نے کوفہ میں خون حسین علیہ السلام کا بدلہ لینے کے لئے امویوں کے خلاف خروج کیا، ۱۴ رمضان ۶۷ھ میں مصعب بن زبیر سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

③ عبدالملک بن مروان اموی، اموی حکمرانوں کا پانچواں بادشاہ جس نے ۶۵ھ تا ۸۶ھ حکومت کی مدینہ میں پیدا ہوا اور دمشق میں فوت ہوا۔

④ کتاب "مراقد المعارف" کا حاشیہ جلد اول صفحہ ۴۰۔ منقول از انساب الاشراف جلد ۵ صفحہ ۳۳۶۔

⑤ خازر ایک نہر کا نام ہے جو شمالی عراق میں اربیل اور موصل کے درمیان ہے

جن میں زیادہ نمایاں یہ لوگ تھے، عبید اللہ بن زیاد[1] حصین بن نمیر[2] شرجیل[3] بن ذی الکلاع، ابن حوشب[4] اور غالب باھلی[5] وغیرہ۔ جب ۶۷ھ میں حضرت مختار کو شہید کر دیا گیا تو ابراہیم اشتر اس وقت ان کے ''موصل'' اور الجزیرہ[6] کے والی تھے۔

---

① عبید اللہ بن زیاد بن ابیہ کوفہ اور بصرہ پر امویوں کی طرف سے والی تھا، اسی نے عمر بن سعد کی سربراہی میں ایک لشکر کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے لے لئے بھیجا۔

② حصین بن نمیر بن نائل سکونی تمیمی حمص کا رہنے والا تھا، اموی لشکر کی اس جماعت کا سربراہ تھا جو کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ کی گئی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں عبید اللہ بن زیاد کی فوج کے میمنہ کا سربراہ تھا جو ابراہیم اشترؒ کے ساتھ جنگ کے لئے گئی ہوئی تھی۔

③ شرجیل بن ذی الکلاع حمیری، اموی فوج کا ایک کمانڈر تھا، ابراہیم بن مالک اشتر کے ساتھ جنگ میں عبید اللہ بن زیاد کے لشکر کی سربراہی کی۔

④ بظاہر یہ وہی ابن جوشب ہے جو طخمہ ذوظلیم الھانی حمیری کا بیٹا تھا جو جنگ صفین میں معاویہ کا ساتھ دیتے ہوئے مارا گیا تھا اور ابن خوشب نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کی۔

⑤ غالب باہلی، باہلہ بن اعصر کی طرف منسوب ہے اور عرب لوگ باہلہ کی طرف اپنی نسبت کو معیوب سمجھتے تھے یا قبیلہ باہلہ میں کوئی بھی شریف النسب آدمی نہیں تھا۔

⑥ الجزیرہ ''موجودہ شام کے شمالی علاقہ میں واقع ہے۔ جبکہ سابقہ دور میں جغرافیہ دان یہ نام دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان واقع شمالی علاقے کے لئے بولتے تھے

جب مصعب بن زبیر [1] نے عنان حکومت سنبھالی تو انہیں ان دونوں علاقوں پر برقرار رکھا اور انہیں نے بھی امویوں کے ساتھ جنگ کے لئے اس کی اس پیشکش کو قبول کر لیا [2] عبدالملک بن مروان نے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حیلہ سازی سے کام لیتے ہوئے انہیں عراق کا گورنر بنانے کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے اس کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور محمد بن مروان [3] کی سربراہی میں اموی لشکر کے ساتھ مقابلہ کی ٹھان لی۔ دونوں کی مڈبھیڑ عراق کی سرزمین ''مسکن'' کے مقام پر ہو گئی، دونوں لشکروں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا مورخ مسعودی [4] ابراہیم اشتر کے بارے میں کہتے ہیں ''ان پر نیزوں کی بوچھاڑ ہوگئی اور ان کے جسم میں بہت سے نیزے پیوست ہو گئے، ان کے ساتھی انہیں چھوڑ گئے، جب وہ زین سے زمین پر آ گرے تو دشمن نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان پر ٹوٹ پڑے اس پر بھی انہیں نے دادِ شجاعت دی اور بہادری کے جوہر دکھائے اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا، بالآخر شہید کر دیئے گئے اور ان کے سر کو کاٹ لیا گیا، عبدالملک بن مروان کے پاس ان کے دھڑ کو لے جا کر اس کے سامنے ڈال دیا گیا۔ حصین بن نمیر کے غلام نے اس دھڑ کو لیا اور لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ میں جلا دیا [5] یہ جمادی الآخر ۷۱ھ کا واقعہ ہے۔ [6]

---

(۱) مصعب بن زبیر (۶۷۔۷۱ھ) عبداللہ بن زبیر کا بھائی اور عراق کی حکومت میں اس کا نائب تھا۔ کوفہ میں مختار ثقفی کا محاصرہ کیا اور ۶۷ھ میں انہیں شہید کر دیا۔ دیر جاثلیق کے معرکہ میں عبدالملک بن مروان نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

(۲) ملاحظہ ہو کتاب ''انساب الاشراف'' جلد ۵ صفحہ ۳۳۶ جب کہ کتاب مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۴۰ کے حاشیہ پر ہے۔

(۳) محمد بن مروان بن عبدالملک متوفی ۱۰۱ھ اپنے والد کی طرف سے موصل اور الجزیرہ کا گورنر تھا اور دیر جاثلیق کے معرکہ میں اس کی طرف سے لشکر کا سردار تھا۔

(۴) علی بن الحسین بن علی مسعودی متوفی ۳۴۶ھ بغداد کا رہنے والا تھا تاریخ نگار تھا، مصر میں رہائش اختیار کی اور وہیں پر وفات پائی۔ اس کی تالیفات میں اخبار الزمان، البیان اور ذخائر العلوم شامل ہیں۔

(۵) کتاب مروج الذهب جلد ۳ صفحہ ۱۰۶۔

(۶) بقولے ۷۲ھ کا واقعہ ہے۔

بظاہر اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قبر کو اسی جگہ پر بنایا گیا جہاں ان کے جسد اطہر کو جلایا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی قبر اس وقت نہر دجیل کے کنارے ''دیر جاثلیق''① کے نزدیک ''مسکن'' کے مقام پر ہے اور اس وقت یہ جگہ بغداد اور سامرا کے درمیان ایک صحرا میں ہے جو قدیم طرز کی عمارت میں بلند زمین پر واقع ہے۔ اس پر ایک گنبد ہے جو نیچے سے مربع اور اوپر سے دائرہ کی شکل میں ہے۔ سرزمین دجیل② میں گچ اور اینٹوں سے بنی ہوئی ہے اور ''قبہ شیخ ابراہیمؒ'' کے نام سے مشہور ہے اور باب القبلہ کے اوپر ایک پتھر پر یہ عبارت نقش ہے۔

یہ علمدار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم③ مالک اجدر نخعی کے فرزند مرحوم سید ابراہیم نخعی کی قبر ہے ۱۰۸۹ھ④

---

① دیر جاثلیق ایک قدیمی دیر (عیسائیوں کی عبادت گاہ) ہے۔ جہاں سے مختلف علاقوں کو جانے والے راستے نکلتے ہیں۔ قدیم زمانے سے مسکن کے مقام پر سرکاری ادارے کا کام دیتا آرہا ہے۔ دجیل کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

② کتاب مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۳۷۔

③ شاید یہ لفظ ''اشتر'' کی تحریف ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا یا تو فارسی تھا یا پھر ترکی۔ کیونکہ علمدار کا لفظ ان کے ہاں ہی بولا جاتا ہے جبکہ مالک اشتر رسول خدا کے نہیں بلکہ رسول خدا کے ابن عم امام علی علیہ السلام کے علمدار تھے۔ ممکن ہے کہ اس لکھنے والے کی مراد بھی یہی ہو۔ اسی بنا پر عبارت میں سے ایک لفظ ساقط معلوم ہوتا ہے اور شاید صحیح اس طرح ہو ''علمدار صاحب رسول اللہ'' یا ''علمدار وصی رسول اللہ''۔

④ ملاحظہ ہو کتاب مراقد المعارف کا حاشیہ جلد اول صفحہ ۳۷ منقول از کتاب ''مراقد الائمۃ والاولیاء فی سامراء'' صفحہ ۴۲ محمد حسین حرز الدین کتاب مراقد الاولیاء کے مولف کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا اور یہ یا تو نسخہ برداروں کی طرف سے اشتباہ ہے یا پھر قصداً اس میں تحریف کی گئی ہے اور صحیح ''ابراہیم بن مالک اشتر'' ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کا مزار مبارک دجلہ کے اطراف میں ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں مورخین کے درمیان بھی کسی قسم کا اختلاف نہیں اور ساتھ ہی فریقین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ دور میں اس مقام پر موجود عمارت ابراہیم بن مالک اشتر ہی کی قبر ہے۔

حرزالدین[1] کا بیان ہے کہ انہیں نے ۱۳۱۱ھ میں ابراہیم بن مالک کی قبر کی زیارت کی ان کی قبر سامراء اور بغداد کے پرانے راستے پر واقع ہے اور دجلہ سے تقریباً چار فرسخ[2] کے فاصلے پر ہے۔ سامراء سے ان کے مزار تک تقریباً آٹھ فرسخ کا فاصلہ ہے[3]

قدیم زمانے میں اختیار کئے جانے والے بعض معروف راستوں کے ذریعہ کرخ اور مقابر قریش دس فرسخ کا فاصلہ ہے۔

صاحب کتاب مشکاۃ کہتے ہیں ابراہیم بن مالک نخعی رضوان اللہ علیہا کو ۶۷ھ میں دیر جاثلیق کے نزدیک شہید کر دیا گیا اور ان کی نعش کو آگ میں جلا دیا گیا۔ ان کی قبر دجیل کے اطراف میں ہے جس پر گچ اور اینٹوں کا گنبد تعمیر کیا ہوا ہے۔ عوام میں یہ ابراہیم بن مالک اشتر کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ بات بعید بھی نہیں سمجھنی چاہیئے۔ کیونکہ اسی جگہ پر ان کی شہادت ہوئی اور بنوامیہ نے ان کے مقدس جسم کو جلا ڈالا۔[4]

ان کے مزار کے نشانات دجیل شہر سے تھوڑے سے فاصلے پر سامرا جانے والے راستے کے دائیں طرف سے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

آج ان کی قبر کاظمین شریفین سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ضلع فارس ڈویژن صلاح الدین میں واقع ہے۔ سامراء اور کاظمین کو ملانے والی شاہراہ عام سے نکلنے والی ایک کچی سڑک کے پاس ہے اسحاقی پل کے قریب جس کی از سر نو تعمیر ۱۴۱۷ھ میں روضہ کے محافظین کی طرف سے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

---

① حرزالدین محمد بن علی بن عبداللہ از بنی مسلم ۱۲۷۳ ـ ۱۳۶۵) امامیہ مذہب کے علماء میں سے ہیں۔ نجف اشرف میں متولد ہوئے اور وہیں پر ہی وفات پائی۔ مختلف علوم وفنون پر کتابیں لکھیں جن کی تعداد ۹۷ کے لگ بھگ ہے۔ جن میں سے ''معارف الرجال'' دیوان اشعار اور المسائل فی الفقہ زیادہ مشہور ہیں۔

② ایک فرسخ ساڑھے پانچ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔

③ کتاب مراقد المعارف جلداول صفحہ ۳۷۔

④ کتاب مراقد المعارف جلداول صفحہ ۳۷ کا حاشیہ، منقول از کتاب مشکوٰۃ الادب۔

میں نے سلمان ہادی آل طعمہ سے خواہش کی کہ وہ مزار مبارک کی طرف توجہ دیں، ساتھ ہی مجھے اس کی تفصیل سے بھی آگاہ فرمائیں، چنانچہ انہوں نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے مجھے درج ذیل تفصیل مزار کے ایک محافظ سلیمان کی زبانی عطا فرمائی جس پر وہ میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اور یہ جمعۃ المبارک ۲۴ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ [1] کی بات ہے۔

سید سلمان [2] سلیمان سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس عمارت کی تعمیر کی تاریخ تقریباً ایک صدی پہلے کی طرف اس کے جد بزرگوار کے عہد کی طرف لوٹتی ہے۔ البتہ اس کے گنبد کی از سر نو تعمیر ۱۳۹۱ھ میں کی گئی گنبد کے بیرونی حصے کو کاشی کی اینٹوں سے مزین کیا گیا ہے جبکہ اندرونی حصے کو آیات قرآنی سے زینت بخشی گئی ہے۔ ضریح کی ۱۲ کھڑکیاں بنائی گئی ہیں جو چھ ستونوں پر سات میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ ستونوں کی دو میٹر اونچائی تک سنگ مرمر سے مزین کیا گیا ہے اور ایک سے دوسرے ستون کے فاصلے میں دو کھڑکیاں بنائی گئی ہیں۔

گنبد کے نیچے ابراہیم بن مالک اشتر کی ضریح ہے جو زرد کانسی سے بنائی گئی ہے۔ اور یہ ضریح ۱۳۸۵ھ میں حضرت سید محمد بن امام علی نقی علیہ السلام کے روضہ سے منتقل کی گئی ہے۔ جس کا حجم ۳ میٹر x ۵۰۔۴ میٹر اور اونچائی ۵۰۔۲ میٹر ہے اس کے گرد مربع شکل میں حرم ہے۔ جس کے ایک سے دوسرے کونے تک کا فاصلہ ۱۸ میٹر ہے اور صحن میں چار دروازے لگائے گئے ہیں جو لوہے سے بنے ہوئے ہیں۔

---

(۱) بمطابق ۲ مئی ۱۹۹۷ء۔

(۲) سلمان بن ہادی آل طعمہ بن محمد مہدی موسوی، کربلا معلّی ۱۳۵۳ھ میں پیدا ہوئے۔ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی ہیں ان کی بہت سی تالیفات میں جن میں سے زیادہ تر کربلا معلّی کی تاریخ کے ساتھ مخصوص ہیں

(۳) سید محمد علیہ السلام، حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے فرزند اکبر جن کی وفات ۲۵۲ھ میں ہوئی۔ سامراء سے آٹھ فرسخ کے فاصلے پر سامراء کو جانے والی شاہراہ پر کاظمین اور سامراء روڈ پر ''بلد'' نامی شہر کے قریب آپ کا روضہ مبارک ہے۔

روضے کے باہر کی طرف گچ کاری کی گئی ہے اور اس کے اطراف میں صحن ہے جس کی پتھروں کی فرش بندی نہیں کی گئی اس کا طول ۱۰۰ میٹر اور عرض ۸۰ میٹر ہے۔ البتہ سیمنٹ کی بری بلاکوں کو ضرور کام مین لایا گیا ہے۔ روضے کا ایوان تو ہے لیکن پختہ اینٹوں وغیرہ سے تعمیر نہیں کیا گیا۔ اس میں روضے سے متصل ایک کمرہ ہے جس میں مزار کے اثاثوں کو محفوظ کیا گیا ہے۔ جس طرح روضہ مبارکہ بجلی کی مصنوعات اور ٹھنڈک پہنچانے والے تمام وسیلوں سے آراستہ ہے۔

تصویر نمبر ۱۰۳ (۱)	روضہ حضرت ابراہیم بن مالک اشتر	صفحہ نمبر ۳۵۷
تصویر نمبر ۱۰۴ (۲)	روضہ ابراہیم بن مالک اشتر کا اندرونی منظر	صفحہ نمبر ۳۵۸
تصویر نمبر ۱۰۵ (۳)	روضہ ابراہیم بن مالک اشتر کا گنبد	صفحہ نمبر ۳۵۹

روضہ کے تیرہ محافظ ہیں جو ہفتہ وار باری باری اپنی خدمت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ہمارا ان میں سے صرف دو حضرات سے تعارف ہوا۔ ایک جبار حسین خضیر خزرجی اور دوسرے صبار گعید حمود خزرجی تھے مزار کی زیارت کے لئے عراق کے جنوب اور اس کے وسطی علاقے سے ہفتہ وار چھٹی یا کسی مخصوص میں ایام لوگ بڑی تعداد میں آتے ہیں۔

روضے کے اندر زیارت نامہ لکھا ہوا ہے جس کا آغاز قبرستان کی عمومی دعا سے ہوتا ہے اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی زیارت ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بنانے والا یقیناً کوئی اہل معرفت ہی ہوگا۔ زیارت نامہ یہ ہے۔

زیارت نامہ حضرت ابراہیم بن مالک بن اشترؒ

"السلام علي اهل لا لله الا الله من اهل لا اله الا الله يا اهل لا اله الا الله بحق لا اله الا الله كيف وجدتم قول لا اله الا الله من اهل لا اله الا الله يا اهل لا اله الا الله بحق لا الله لا الله اغفر لمن قال لا اله الا الله و احشرنا في زمره من قال لا اله الا الله محمد رسول الله علي ولي الله[1] السلام عليك ايها البطل المغوار السلام عليك ايها الآخذ بالثار، السلام عليك ايها المجاهد بين امير المئومنين علي بن ابي طالب يوم صفين۔ السلام عليك يا من نهضت بك حميتك لا خذثار الغريب المظلوم الشهيد بكربلا، حتى شفيت القلوب و اثلجت الصدور، السلام عليك يا ابراهيم ابن البطل المشهور مالك الاشتر النخعي السلام عليك يا بن المفادى عن امير المئومنين حتى قال فيه سيد الوصيين كان لي مالك كما كنت لرسول الله[2] السلام عليك ايها الشجاع الهمام، الرئيس المقدام، الموالي لآل بيت[3] الرسول الكرام، الذى اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا۔ اللهم ان هذا قبر المحب لاهل البيت، الموالي لهم والمجاهد دون مبدئهم و المدافع عنهم، و ان المرء مع من احب اللهم ارزقنا و اياه مرافقتهم في الجنان، انك انت ارحم الراحمين و صلى الله على محمد رسوله و آله الطاهرين وسلم تسليما كثيرا كثيرا"

---

① یہاں تک اہل قبور کی زیارت ہے جو حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو مفاتیح الجنان صفحہ ۱۰۴۷۔

② زیارت نامہ میں اسی طرح ہے لیکن صحیح "وآلہ" ہے۔

③ "لاهل البيت" ہے۔

ترجمہ:

سلام ہو لا الہ الا اللہ والوں پر، لا الہ اللہ والوں کی طرف سے، اے لا الہ الا اللہ والو، تمہیں لا الہ الا اللہ کا واسطہ بتاؤ کہ تم نے کلمہ لا الہ الا اللہ کو کیسا پایا؟ لا الہ الا اللہ والوں کی طرف سے اے لا الہ الا اللہ کے اہل! لا الہ الا اللہ کے صدقے لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو بخش دے اور ہمیں ان لوگوں کے گروہ میں محشور فرما جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور علی ولی اللہ کہتا ہے۔[1] سلام ہو آپ پر اے دشمن کے غارت گر شجاع! سلام ہو آپ پر اے مظلوم کے خون کا بدلہ لینے والے! سلام ہو آپ پر اے امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے سامنے صفین کے دن جہاد کرنے والے! سلام ہو آپ پر کہ جس کی غیرت نے اسے کربلا کے مسافر مظلوم اور شہید (حسینؑ) کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قیام کرنے پر آمادہ کیا اور اتنا بدلہ لیا کہ جس سے دلوں کو سکون اور سینوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی، سلام ہو آپ پر اے حضرت ابراہیم! جو مشہور دلیر مالک اشتر نخعی کے فرزند ہیں۔ سلام ہو آپ پر اے اس شخص کے فرزند کہ جنہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ حق فدا کاری ادا کر دیا حتی کہ امیر المومنینؑ کو کہنا پڑا کہ مالک کا تعلق مجھ سے اسی طرح جس طرح میرا تعلق رسول خدا کا ساتھ تھا [2]۔ سلام ہو آپ پر دلیر و بہادر سردار! اے پیش قدمی کرنے والے سردار رسول پاک کی اہلبیت کرام[3] سے محبت کرنے والے کہ جن سے اللہ نے ہر طرح کی نجاست کو دور رکھا اور انہیں مکمل طور پر پاک و پاکیزہ کر دیا۔ خداوندیہ اہل بیت کے حبدار کی قبر ہے ان سے ولا کا قائل ہے۔ ان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والا ہے۔ ان کا دفاع کرنے والا ہے۔ اور انسان اپنے محبوب ہی کے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ خداوندا! تو ہمیں اور اسے بہشت میں اہل بیت کی معیت عطا فرما۔ یقیناً تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور خدا کے زیادہ سے زیادہ درود و سلام ہوں اس کے رسول حضرت محمدؐ اور ان کی پاکیزہ آل پر۔

---

① یہاں تک اہل قبور کی زیارت ہے جو حضرت امیرؑ سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو مفاتیح الجنان صفحہ ۱۰۴۸۔
② زیارت نامہ میں اسی طرح ہے لیکن صحیح "وآلہ" ہے۔
③ صحیح "لاہل بیت" ہے۔

مقام ام البنینؑ

کربلا معلیٰ میں روضہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے جنوب مغربی کونے میں ایک جگہ ہے جس کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت عباسؑ کی والدہ گرامی جناب ام البنینؑ (۱) کا مقام ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''ثبت الارش ثم انقش'' پہلے اپنا تاوان ثابت کرو پھر اس پر جھگڑا کرو، یعنی معروف و مشہور تو یہ ہے کہ حضرت ام البنینؑ واقعہ کربلا میں موجود ہی نہیں تھیں تو پھر وہاں پر ان کا مقام کیسا؟ البتہ ایسا وہ لوگ کہتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ۶۱ ھ تک زندہ رہیں اس بارے مزید تفصیل کے لئے اسی دائرۃ المعارف کا مطالعہ کیا جائے جہاں پر اس معظمہ کے حالات زندگی کو تفصیل کے ساتھ بیان (۲) کیا گیا ہے۔

بہر صورت جناب ام البنینؑ کا اسم گرامی فاطمہ ہے اور آپ حزام بن خالد کلابی کی دختر نیک اختر ہیں حضرت عباس علمدار علیہ السلام اور ان کے دوسرے تین بھائیوں (عبداللہ، جعفر، اور عثمان) کی والدہ ہیں جو صلب امیر المومنین علی علیہ السلام سے ہیں۔

سید سلیمان ہادی آل طعمہ کہتے ہیں۔ ''مقام ام البنینؑ کی دیوار پر حاجت مند عورتیں افقی صورت میں مٹی چپکاتی ہیں اگر مٹی دیوار کو چپک جائے تو سمجھ لیتی ہیں حاجت پوری ہو جائے گی اور اگر نہ چپکے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حاجت پوری نہیں ہوگی''۔

---

(۱) کتاب ''کربلائی الذاکرۃ'' صفحہ ۱۷۰۔ یہ مقام روضہ کے شمالی رواق میں ہے۔ لیکن یہ چھپائی کی غلطی ہے جبکہ صحیح ''جنوبی'' ہے۔

(۲) دائرہ المعارف کے ''معجم شعراء'' یا ''معجم انصار الھاشمین'' میں ان کے اور ان کی اولاد کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔

ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ''رواق کی دوبارہ تعمیر کے بعد یہ عادت ختم ہوگئی''[1] اور یہ بھی بتایا کہ ''اسی جگہ پر ایک قبر ہے جس میں حضرت عباسؑ کے روضہ کے محافظ متوفی ۱۱۸۷ھ شیخ علی بن عبدالرسول مدفون ہیں۔ قبر کے دروازے پر عورتوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہوجاتی ہے اور وہ اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھتی ہیں کہ یہ مقبرہ ''مقام ام البنینؑ'' ہے اور وہ اپنے ساتھ سبز رنگ کا دھاگہ لے آتی اور دروازے پر باندھ دیتی ہیں۔ اور دروازے پر مہندی لگا کر اپنی حاجت روائی کی دعائیں مانگتی ہیں''

قول مولف: یہ بے بنیاد نظریہ شاید اس بات سے پیدا ہوا کہ چونکہ بنی ہاشم کی تمام مستورات کربلا میں موجود تھیں یقیناً ان لوگوں نے حضرت ام البنینؑ کو بھی ان مستورات میں شمار کیا ہے اور اپنے تصور کے مطابق یہ گھڑ لیا کہ وہ اپنے بیٹے کی نعش پر آئیں اور اسی جگہ پر کھڑی ہوئیں جیسا کہ عام دستور ہے۔ لہٰذا یہ جگہ ان کے مقام کے نام سے موسوم ہوگئی۔

حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ معظمہ کربلا تشریف نہیں لائی تھیں اور آپ کی وفات بھی مدینہ میں ہی ہوئی تھی اور ظاہر ہے کہ آپ جنت البقیع میں ہی مدفون ہیں اور آپ کی قبر کے بارے میں مزید قیل وقال ہماری کتاب کے موضوع سے خارج ہے

تصویر نمبر ۱۰۶ (۴)	کربلا معلّٰی عراق میں روضہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام میں وہ جگہ جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مقام ام البنینؑ ہے۔	صفحہ نمبر ۳۶۰

① کتاب ''کربلائی الذاکرۃ'' صفحہ ۱۷۰۔

مزار سیدہ ام کلثومؑ

حضرت ام کلثومؑ، امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور سیدۃ النساء فاطمہ بنت رسولؐ کی صاحبزادی ہیں۔اور یہ بات بھی واضح رہے کہ آپ کے اسم گرامی، سال ولادت، سال وفات، کربلا میں موجودگی اور مقام دفن میں اختلاف ہے۔جس کی تفصیل ہم نے آپ کے تفصیلی تذکرہ میں بیان کی ہے۔البتہ قول مختار کے مطابق آپ کا اسم گرامی ''زینب صغریٰ'' اور کنیت ''ام کلثومؑ'' ہے اور اسی کنیت ہی سے آپ کے نام کی شہرت ہے۔

علیؑ اور زہراؑ کی بیٹی (ام کلثوم) سن چھ تا دس ہجری کے درمیان کسی سال مدینہ منورہ میں متولد ہوئیں۔اپنے والد گرامی کے ساتھ کوفہ تشریف لے گئیں اور وہاں سے اپنے برادر بزرگوار امام حسن علیہ السلام کے ساتھ واپس مدینہ آ گئیں۔پھر اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ معرکہ کربلا میں موجود تھیں اور پھر اپنے بھتیجے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ آ گئیں اور اپنے بھائی کے سال شہادت یعنی ۶۱ھ میں ان کی وفات بھی مدینہ منورہ میں ہی ہو گئی۔اور علی الظاہر جنت البقیع میں مدفون ہیں۔لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ملتا ہے کہ آپ کی خواہر گرامی جناب زینب سلام اللہ علیہا شام تشریف لے گئیں تو آپ مصر کو چلی گئیں یا اس کے برعکس وہ مصر کو چلی گئیں اور آپ شام تشریف لے گئیں اور انہی مقامات پر دونوں بہنوں کی وفات ہوئی اور ہر دو مرکزی مقامات اور دونوں ملکوں کے دارالحکومتوں (قاہرہ اور دمشق) میں دونوں کے مزارات مقدس موجود ہیں۔البتہ اس کا تفصیلی تذکرہ جناب زینبؑ کے مزار مبارک سے متعلق تفصیلی بحث میں مذکور ہوگا۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تاریخ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا۔لیکن ہم اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ آپ کا مزار مبارک جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں ہے۔البتہ ہمیں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جو ہمیں ان کی قبر کی رہنمائی کرے۔اور اگر کوئی چیز ملتی بھی ہے تو یہی کہ اہل بیتؑ اطہار پر اس قدر ظلم کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔کہ ان کے مزارات کی بھی صحیح تشخیص و تعین نہیں ہو رہا۔

فرزندان مسلمؑ کا مزار

مسیب ① شہر کے مشرق میں ② تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے مشرقی نے کنارے پر ایک مزار ہے جو مسلم بن عقیل بن ابیطالب علیہ السلام کے دوفرزندوں کی طرف منسوب ہے اور مؤرخین اور راویوں نے ان دونوں کے ناموں، قتل کی کیفیت اور قتل کے بارے میں اختلاف کیا ہے اور ہر ایک نے اپنا موقف مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ہم نے ان کے مفصل حالات میں تفصیلی بحث کی ہے۔ ③ شیخ صدوق ④ علیہ الرحمہ کی بیان کردہ تفصیلی روایت سے قطع نظر لوگوں کے درمیان ایک روایت یہ مشہور ہے کہ۔حضرت مسلم بن عقیلؑ کے دوفرزند محمد اصغرؒ اور ابراہیمؒ کربلا سلسلہ شہادت کے ختم ہونے کے بعد یعنی شام غریباں کے وقت جب گھوڑوں کی ٹاپوں سے لاشوں کو پامال کیا جارہا تھا تو اس وقت وہاں سے فرار ہو گئے لیکن راستہ بھول گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قید کر کے زندان میں ڈال دیے گئے۔پھر داروغہ قید خانہ نے انہیں وہاں سے فرار کرادیا اور وہ ایک عورت کی پناہ میں آئے۔اس عورت نے ان سے ان کے والد حضرت مسلم بن عقیل کا واقعہ بیان کیا، حارث بن عروہ طائی ⑤ نے انہیں گرفتار کرلیا اور دریائے فرات کے کنارے شہید کردیا۔چنانچہ یہ روایت شیخ صدوق کی روایت سے مختلف نہیں ہے۔یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ محمد اصغر ۵۲ھ میں اور ابراہیم ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۲ھ میں شہید کردیئے گئے اس اختلاف سے بھی دور رہتے ہوئے جو ان کے ناموں اور شخصیت کے ⑥ بارے میں ہے۔اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ دونوں شہزادے حضرت مسلم بن عقیل ہی کے فرزند ہیں، اس بات میں بھی تو اختلاف ہے کہ جو جگہ اس وقت ان سے منسوب ہے درحقیقت یہ ان کی ''مقتل'' ہے، ''مدفن'' نہیں ہے۔کیونکہ شہادت کے بعد ان کے مبارک جسموں کو دریا میں ڈال دیا گیا اور سر کو ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا۔ ⑥

---

① کتاب ''السفر المطیب'' صفحہ ۶۹۔ ② ''مسیب'' دریائے فرات کے کنارے پر عراق کا ایک شہر ہے جو حلہ سے ۴۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔یہ شہر ''مسیب بن نجبہ فزاری'' کی اراضی پر تعمیر کیا گیا ہے۔جو ''جماعت توابین'' کے سربراہوں میں سے ایک تھے۔اور جن کا شمار بزرگ تابعین میں ہوتا ہے۔۶۵ھ میں ''عین الوردہ'' کی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

③ اسی دائرۃ المعارف کی معجم الانصار قسم ہاشمین'' کا مطالعہ کیا جائے۔ ④ ملاحظہ ہو امالی صدوق صفحہ ۸۳۔شیخ صدوق، نام ہے محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی کا (۳۰۶ھ تا ۳۸۱ھ) مذہب امامیہ کے چوٹی کے علماء میں سے ایک ہیں۔ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے زیادہ تر مشہور الاستبصار من لا یحضرہ الفقیہ اور علل الشرائع ہیں۔ ⑤ حارث بن عروہ کوفی، ابن زیاد کے خبیث اور سرکش ساتھیوں میں سے عمر بن سعد کے ساتھ مل کر معرکہ کربلا میں شریک ہوا۔ ⑥ علامہ مجلسی بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۱۰۶ میں فرماتے ہیں۔

ایک اور قول کے مطابق یہ جگہ ان کے قید خانے کی ہے [1] اور کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں ان شہزادوں کی نعشوں کو دریا سے نکال کر اسی جگہ پر دفن کر دیا گیا۔ مقرم [2] اس مزار کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''اہل تشیع کے نزدیک ایک قدیم الایام سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ وہ مسیّب شہر کے نزدیک دونوں شہزادوں کے مزار پر حاضری دیتے آ رہے ہیں۔ جس قطع اور یقین کا فائدہ ملتا ہے اور شیخ صدوق کی اس روایت کی بنا پر بھی اسی نظریے کو تقویت ملتی ہے جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ شہزادوں کی نعشوں کو دریائے فرات میں ڈال دیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ جگہ یا تو ان کی مقتل ہے یا پھر نعشوں کو نکال کر یہیں پر انہیں دفن کیا گیا ہے آگے چل کر کہتے ہیں کہ ''شیعوں کے اس طرح کے انداز اور طریقہ کار اور ان کے درمیان شہرت نے اس بات کو پختہ کر دیا ہے کہ یہی جگہ ہی جو مزار فرزندان مسلم کے نام سے مشہور ہے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر دور میں آنے والی نسلوں نے بھی اسے مزار فرزندان مسلم کے طور پر مان لیا ہوا ہے اور اس بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ زائرین کے جوق در جوق قافلوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو قربۃ الی اللہ ان کی زیارت کے لئے آتے نذر ونیاز کی صورت میں چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور قبروں کے اطراف عمارت اسی انداز میں تعمیر ہو رہی ہے جس طرح کی دوسرے مسلم الثبوت روضے کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے اور یہ سب کچھ علماء کی موجودگی میں ہو رہا ہے اور اس وقت تک کوئی ایسا قابل ذکر شخص نہیں ملا جس نے وسوسے کا اظہار کیا ہو کہ اس طرح کے عطیات یہاں پر دینا صحیح نہیں اور خدا اس سے ناراض ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے مقامات مقدسہ کی شان ہے''۔ [5]

---

[1] علامہ مجلسی بحار جلد ۴۵ صفحہ ۱۰۶۔ میں اور دوسرے مورخین نے روایت کی ہے کہ۔ ''ان شہزادوں کا تعلق اولاد جعفر طیار سے ہے یعنی یہ ان کے پوتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے اسی دائرۃ المعارف کی معجم الانصار، قسم ہاشمیین کا مطالعہ کیا جائے۔

[2] بحر العلوم کی کتاب ''مقتل الحسین'' کا حاشیہ صفحہ ۲۱۵۔

[3] کتاب ''سفیر الحسین'' صفحہ ۲۰۔

[4] خطیب یگانہ اور زبردست اہل قلم عبدالرزاق بن محمد موسوی معروف بہ مقرم متوفی ۱۳۹۱ھ ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے مقتل الحسین کتاب العباس، الشہید مسلم بن عقیل ہیں۔

[5] الشہید مسلم بن عقیل صفحہ ۲۱۷۔

آقائے دربندی[1] ان معصوم بچوں کی شہادت کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ ''اور ان کی قبر اسی جگہ پر ہے جو آج تک مشہور ہے۔ یعنی مسیّب نامی گاؤں کے نزدیک فرات کے کنارے اور اس جگہ ان کے دفن کی کیفیت اگرچہ ایسے امور میں سے ہے کہ جن کے بارے میں بڑی تحقیق اور کدو کاوش کے بعد بھی ہم کامیاب نہیں ہو سکے کہ کوئی ایسی روایت ملتی جو ہمیں اس بات کی رہنمائی کرتی کہ ان کا مدفن یہی جگہ ہے سوائے اس کے کہ یہ وہی جگہ ہے جس پر فرقہ امامیہ کا اتفاق ہے، اور تواتر کے ساتھ نقل ہونے والی روایات سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ فقہاء مجتہدین اور گروہ محدثین کہ جن کا تعلق مقامات مقدسہ سے ہے وہ اس جگہ کی زیارت کو آتے رہے اور آرہے ہیں''۔[2]

---

(۱) آغا بن عابد بن رمضان دربندی حائری متوفی ۱۲۸۶ھ فقیہ، علم کلام کے ماہر، اہل قلم اور واعظ ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مولف ہیں جن میں سے اسرار الشہادۃ زیادہ مشہور ہے۔

(۲) کتاب اسرار الشہادۃ صفحہ ۲۴۲۔

شہر مسیّب کے مزارات کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ''کمونہ''[1] کہتے ہیں۔ ''اسی شہر کے نزدیک ایک زیارت گاہ ہے جو آباد اور پر رونق ہے جہاں پر حضرت مسلم بن عقیل بن ابیطالبؑ کے دو فرزندوں محمد اور ابراہیم کی قبر ہے''[2]

حرز الدین کہتے ہیں۔ ''اس شہرت کو صدیاں بیت گئی ہیں۔ اور آج ہم تک پہنچی ہوئی ہے اور علمائے شیعہ امامیہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا سوائے چند ایک شاذ و نادر کے اور ہمارے اس زمانے میں اس مقام کی ہمارے ان محقق علماء نے زیارت کی ہے جو علم تاریخ اور آثار قدیمہ کے لحاظ سے قابل اعتماد شخصیت کے حامل ہیں۔ رہے عراق کے دوسرے شیعہ تو ان میں سے کسی کے دل میں اس کے علاوہ کوئی اور خیال پیدا نہیں ہوا۔ اگر عراق میں فرزندان مسلم کی قبر ہے تو وہ یقیناً مسیّب ہی کے اطراف میں ہے اور یہی نظریہ ایرانی شیعوں کا ہے کیونکہ عراق میں آئمہ معصومین علیہ السلام کی زیارت کو آنے والے ایرانی زائرین کی غالب اکثریت طفلان مسلم کی زیارت کو مسیّب جاتی ہے اور وہاں پر زائرین کے آرام و آرائش کے کچھ لوگوں نے اموال خیریہ میں سے رواق اور صحن بھی تعمیر کرائے ہیں۔ علاوہ ازیں اور اخراجات کئے ہیں ان کا اس قسم کا اتفاق ''سیرت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا شہرت'' اور سیرت'' مل کر اس جگہ کی زیارت گاہ طفلان مسلم ہونے کا ثبوت بن گئی ہیں''[3] شیخ علی قسام[4] کا احتمال یہ ہے کہ ''جن لوگوں نے ان بچوں کو دفن کیا وہ قبائلی تھے جنہوں نے ان کو شہید ہوتے دیکھا یا پھر وہ شخص ہے جس نے ان کے قاتل کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی کیونکہ وہ محبان اہل بیت اطہار علیہ السلام میں سے تھا۔ جیسا کہ طریحی[5] نے اپنی کتاب ''المنتخب'' میں اس روایت کو ذکر کیا ہے''۔[6]

---

(1) عبدالرزاق بن حسن حسینی کمونہ (۱۳۲۴ھ۔ ۱۳۹۰ھ) نجف اشرف میں پیدا ہوئے اور وہیں پر وفات پائی۔ تقریباً گیارہ کتابوں کے مؤلف ہیں جس میں سے مشاہد العترۃ الطاہرۃ، فضائل الاشراف اور منیۃ الراغبین مشہور ہیں۔

(2) مشاہد العترۃ الطاہرۃ صفحہ ۲۴۵۔

(3) مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۱۷۰۔

(4) شیخ علی قسام معاصر ائمہ جماعت میں سے ہیں جنہیں سید محسن حکیم رحمہ اللہ نے اپنے ایام مرجعیت میں مسیّب شہر کے دینی امور کی تولیت کے لئے مقرر فرمایا ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو فضل اور ادب کے لحاظ سے مشہور ہے۔

(5) فخر الدین بن محمد بن علی بن احمد اسدی طریحی (۹۷۹ھ۔ ۱۰۸۵ھ) سلسلہ نسب حبیب بن مظاہر اسدیؒ تک جا پہنچتا ہے فقہاء امامیہ میں سے بہت سی کتابیں تالیف کیں مجمع البحرین، غریب القرآن، اور فقہ میں الفخریۃ الکبری زیادہ مشہور ہیں۔

(6) منتخب طریحی صفحہ ۳۸۵۔ نیز ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف کے باب معجم انصار الہاشمیین کی فصل میں ان کے تفصیلی حالات۔

قسام اسی جگہ کو مقام دفن کے طور پر ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''شاید یہاں پر فرزندان مسلم کے حرم کے محافظ الحاج علی[1] کا وہ قول بھی ہے جو اس نے بیان کیا ہے کہ۔ گزشتہ سالوں میں سے کسی ایک سال میں اتفاق سے دونوں گنبدوں میں شگاف پڑ گیا، جس کے لئے اس کی تعمیر کی ضرورت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اس تعمیر کے سلسلے میں جب کھدائی کی گئی تو کھدائی کرنے والوں کو آمنے سامنے دو قبریں ملیں جن میں سے ایک پر ''محمد بن مسلم'' اور دوسری ''ابرہیم بن مسلم'' لکھا ہوا تھا۔''[2]

یہ بات اپنے مقام پر ہم نے بھی فرزندان مسلم کے تفصیلی حالات میں اسی بات کو ترجیح دی کہ قبر ہی ان کے دفن کا مقام ہے۔ کیونکہ گزشتہ زمانے کے لوگوں کا اسی پر اتفاق رہا ہے اور ہمارے نزدیک اس کا اختلاف ثابت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی قیل و قال ہوئی ہے تو جناب ''قاسم اکبر'' کے بارے میں ہے۔ جو کسی دوسری جگہ مدفون ہیں۔ جس کا اس قبر سے کوئی تعلق نہیں ہے اب سب باتوں کے باوجود ہمیں کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا جس سے ہم اس قبر کی تعمیر کی تاریخ کی حد بندی کر سکیں اور ظاہر یہی ہے کہ یہ قبر اوائل کی صدیوں سے آباد چلی آرہی ہے۔ اور مؤرخین وفود کی صورت میں یہاں پر برکت کے حصول کی غرض سے آرہے ہیں۔

---

① الحاج علی بن حسین ہلال، کا تعلق مسیّب سے ہے چودہویں صدی ہجری کے آخر میں طفلان مسلم کے روضے کی حفاظت کا بندوبست سنبھالا ۱۳۵۲ھ میں وفات پائی۔

② کتاب السفر المسیب صفحہ ۸۱۔

میں نے بھی اس دہائی میں[1] اس قبر کی زیارت کی ہے اور اسے زائرین سے معمور پایا ہے اور اس کے گردونواح میں کھجور کے باغات ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ خاص کر اسی مزار کے لئے وقف ہیں۔ اس قبر پر زرد کانسی کی جالی دار ضریح ہے جو ایک حرم کے وسط میں مستطیل شکل میں ہے۔ اس کے دو دروازے ہیں جو مستطیل شکل کے طارمی طرف کھلتے ہیں۔ ہر قبر پر ایک ایک چھوٹا گنبد ہے جسے کاشی کی اینٹوں سے مزین کیا گیا ہے حرم کے اندر فرش پر ایرانی قالین بچھے ہوئے ہیں۔ حرم کے سامنے کے صحن کا رقبہ حرم کے اندرونی رقبے سے دوگنا ہے اور اس کے مشرق اور مغرب کے دونوں اطراف میں زائرین کے لئے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ صحن کے اطراف کی عمارت ایک منزلہ ہے۔ جس کا جنوب کی جانب صرف ایک دروازہ ہے اور آج دن تک اس پر کوئی مینار نہیں ہے۔

روضے کی عمارت سیمنٹ کے بلاکوں سے بنائی گئی ہے۔ صحن کے اطراف کے حجرے قوسی شکل میں ہیں۔ جن کے آگے سردی، گرمی اور بارش سے بچاؤ کے لئے برآمدہ تعمیر کیا گیا ہے۔ صحن میں زائرین کی سہولت کے لئے وضو خانے اور طہارت خانے بنائے گئے ہیں۔ حرم کا رقبہ اس کے سائبان سمیت 125x17.5 میٹر ہے اور اس کی بلندی چار میٹر تک ہے۔

---

[1] اسی کی دہائی سے مراد ۱۳۸۰ھ ہجری ہے جو عیسوی کیلنڈر کے لحاظ سے ساٹھ کی دہائی بنتی ہے۔ یعنی ۱۹۶۰ء یہ بات اپنے مقام پر، ہم نے بھی فرزندان مسلم کے تفصیلی حالات میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ وہی مزار مبارک ہے جو ان کا مقام دفن ہے۔ کیونکہ ہر زمانے کے لوگوں کا اسی پر اتفاق رہا ہے اور اس کے خلاف ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اختلاف ہوا بھی ہے تو وہ ''قاسم اکبر'' کے بارے میں ہے۔

قسام کہتے ہیں مبینہ طور پر حرم کی تعمیر الحاج محمد حسین صدر ① نے ۱۲۲۰ھ میں کرائی ② اور صحن کے درمیان میں ایک دیوار تھی جو اسے دو حصوں میں تقسیم کرتی تھی پہلا نصف حصہ جو اندرونی حصے سے ملتا تھا زائرین کے سواری کے جانور باندھنے کے لئے مخصوص تھا اور دوسرا حصہ زائرین کی استراحت کے لئے تھا۔ لیکن ۱۳۵۵ھ میں ایرانی تجار کی ایک پارٹی جو الحاج رضا جعفری ،الحاج معین خرازی ،الحاج غلام علی تنجی ③ اور الحاج مرتضی گیاہی پر مشتمل تھی ۔آقائے سید ابوالحسن اصفہانی ④ سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ مذکورہ درمیانی دیوار کو اٹھالیا جائے ۔انہوں نے اس بات کی اجازت دے دی اور دیوار کو اٹھالیا گیا اور ایوان کی طرف زائرین کے آرام واستراحت کے لئے حجرے بنائے گئے'' روضہ کے محافظ الحاج علی الہلال کی زبانی ،قسام کہتے ہیں ۔کہ ''انہوں نے مہمان خانہ کی عمارت کے لئے ۱۳۵۲ھ میں مومنین سے عطیات حاصل کئے اس کی تعمیر کا ذمہ مشہور معمار حمودی ⑤ بغدادی نے لیا''۔قسام نے یہ بھی کہا۔''عراق کی وزارت مال نے عتبات مقدسہ کی تعمیر کے لئے ساٹھ ہزار دینار مخصوص کئے تو روضے کے محافظ نے اس فنڈ سے ڈھائی ہزار دینار کا مطالبہ کیا تا کہ اس رقم سے صحن کو تعمیر کیا جاسکے ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی اور اس کی تعمیر کی نگرانی کے لئے ایک سرکاری کمیٹی تشکیل دی گئی ۔چنانچہ ۱۳۷۶ھ میں صحن کے مغربی حصے میں زائرین کی استراحت کے لئے عمارت تعمیر کی گئی''۔وہ کہتے ہیں۔''۱۳۸۱ھ ہجری میں مذکورہ ایرانی پارٹی نے روضے کی تعمیر وتوسیع کا ایک اور کام اپنے ذمہ لیا''۔

تصویر نمبر ۱۰۷(۱)	روضہ فرزندان مسلم بن عقیل	صفحہ نمبر ۳۶۰

① محمد حسین صدر اصفہانی ،فتح علی شاہ قاچار کے عہد میں اس کا وزیر اعظم تھا۔اور نہایت ہی مخیر انسان تھا اور اہل بیت اطہار علیہا السلام کے مزارات کی آبادکاری اور دینی مدارس کی تعمیر میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ ۱۲۳۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

② مطابق ۱۸۰۵ھ

③ اصل کتاب میں لفظ ''تنجی'' ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ ''تنچی'' کی بگڑی ہوئی شکل ہو جس کے معنی ہیں ''تمبا کو فروش'' تمبا کو کو فارسی میں ''تو تون'' اور ترکی میں Tu Tun کہتے ہیں۔جبکہ اصل میں یہ لفظ ''اسپانوی'' ہے۔

④ سید ابوالحسن اصفہانی بن محمد عبدالحمید موسوی (۱۲۸۴ھ۔ ۱۳۶۵ھ) ایران کے شہر اصفہان کے مضافاتی قصبہ ''سدہ'' میں پیدا ہوئے جب ان کے جد امجد عراق میں حصول علم کے لئے تشریف لائے تھے تو ان کے والد سید محمد ،کربلا معلی میں پیدا ہوئے تھے۔سید ابوالحسن نے پہلے تو اصفہان سے تعلیم حاصل کی اور بعد میں نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے ۔۱۳۵۵ھ میں شیخ محمد حسین نائینی کی وفات کے بعد عالم تشیع کی مرجعیت ان کے پاس آ گئی۔اور کاظمین شریفین میں وفات پائی۔

⑤ حمودی بغدادی بن رضا معمار ،عراق کے معروف معمار خاندان سے اس کا تعلق ہے اور خود بھی مشہور کاریگر تھا۔

⑥ بغداد کے محلّہ ''بتاوبین'' میں سکونت پذیر تھا آخری عمر میں بصارت ضائع ہو گئی تھی اور ۱۳۹۱ھ میں وفات پائی۔

اور وہ یہ کہ زائرین کی سہولت کے لئے پینے کے صاف پانی اور عمارت کی الیکٹریکل سروس سے متعلق جملہ ضروریات کا بندوبست کیا اور یہ ۱۳۸۴ھ کا واقعہ ہے۔[1]

۱۳۹۴ھ میں روضے کی از سرنو تعمیر کی گئی اور اس میں قومی انداز میں اسلامی طرز کی محرابیاں بنائی گئیں اور انہیں خوبصورت نقش و نگار سے مزین کیا گیا۔ اور مزار سے ملحقہ زمین کو زائرین کی گاڑیوں کے گیراج میں تبدیل کیا گیا جبکہ اس سے پہلے اس کے نشانات تک مٹ چکے تھے۔

خلاصہ کلام، مذکورہ عمارت میں مندرجہ ذیل مراحل میں تبدیلیاں کی گئیں۔

۱۔ قدیمی عمارت جو صرف دو قبروں پر مشتمل تھی باغ کے درمیان میں تھی۔

۲۔ جب صفوی خاندان نے عراق پر حکومت کی اور شاہ اسماعیل صفوی اول متوفی ۹۳۰ھ کے دور حکومت میں اہل بیت اطہار علیہ السلام کے روضوں کی تعمیر کی گئی تو اس مزار پر دو گنبدوں کی تعمیر بھی انہی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

۳۔ ۱۲۲۰ھ میں قاچار بادشاہ کے وزیر اعظم الحاج محمد حسین صدر نے اس عمارت میں تعمیراتی تبدیلیاں کیں۔ شاید اس نے گنبدوں کو کاشی اینٹوں سے مزین کیا، اور بعض ایوان تعمیر کئے اور زائرین کی سہولت کے لئے ان کی ضروریات کی چیزیں وضو خانے، طہارت خانے اور حجرے وغیرہ بنوائے۔ اور صحن کے سامنے والے حصے کو زائرین کی سواری کے جانوروں کے لئے مخصوص کیا۔

۴۔ ۱۳۵۲ھ میں روضے کے محافظ ''علی ہلال'' نے مخیر حضرات کے تعاون سے روضے کے سامنے مہمان خانے بنوائے۔

۵۔ ۱۳۵۵ھ چار ایرانی تاجروں کی پارٹی نے تعمیراتی اضافے کئے اور زائرین کے لئے حجرے تعمیر کرائے۔

۶۔ ۱۳۷۶ھ میں حکومت عراق نے صحن کے مغربی حصے میں تعمیرات کا کام کیا اور زائرین کے لئے دو منزلہ عمارت بنوائی۔

۷۔ ۱۳۸۱ھ میں مذکورہ چار تاجروں نے صحن میں کچھ اور تعمیرات کرائیں اور زائرین کی سہولت کے لئے صاف ستھرے پانی کا بندوبست کیا۔

۸۔ ۱۳۸۴ھ میں بعض مومنین نے عمارت کی الیکٹریکل سروس سے متعلق جملہ ضروریات کا بندوبست کیا۔

۹۔ ۱۳۹۴ھ میں روضے کی عمارت کو از سرنو تعمیر کیا گیا اور اس میں بعض فنی اور آرائشی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔

---

① السفر المطیب صفحہ ۶۹ تا ۷۱

ان متواتر تبدیلیوں کے بعد روضہ مبارک کی اب موجودہ صورت حال یہ ہے جو نظر آ رہی ہے۔ چنانچہ میں نے سید سلیمان ہادی آل طعمہ سے ۲۹ شوال ۱۴۱۷ھ ① میں درخواست کی کہ روضہ اقدس پر جا کر ایک مکمل تفصیلی اور تحقیقی رپورٹ مرتب کر کے مجھے دیں، لہٰذا ان کی تحقیق کے مطابق۔

روضہ مبارکہ خسرہ نمبر ۱۱۸ کھتونی نمبر ۲۵ میں اولاد مسلم کے نام موقوفہ زمین پر واقع ہے جس کا کل رقبہ ۲۷ دونما ② ہے۔ اس کے ایک حصے میں زائرین کی گاڑیوں کے لئے پارکنگ ہے اور دوسرا حصہ مزار مبارک کے لئے مخصوص ہے۔ روضے کے سامنے والا حصہ جو اس کے جنوب میں ہے ایسے صحن پر مشتمل ہے جس کی شرقاً غرباً لمبائی 40 میٹر ہے اور چوڑائی 30 میٹر ہے صحن کی طرف سے اس کے سامنے والے حصے سے روضہ کے اندر جانے کا صدر دروازہ جس کی بلندی 6 میٹر اور چوڑائی 3-1/2 میٹر ہے۔ دروازہ کے اوپر کربلائی کاشی کی اینٹوں پر سورہ نور کی یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم ـ الله نورالسمٰوٰت والارض مثل نوره كمشكوٰة فيها مصباح المصباح فی زجاجة الزجاجة كانها كوكب دری يوقدمن شجرة مباركة زيتونة لاشرقية ولاغربية يكادزيتها يضیٔ ولولم تمسسه نار نورعلی نور يهدی الله انوره من يشاء و يضرب الله الامثال للناس والله بكل شیٔ عليم ③

ترجمہ

''اللہ تو سارے زمین و آسمان کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک روشن چراغ ہو اور چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہو اور قندیل گویا ایک چمکدار روشن ستارہ ہو جو زیتون کے ایسے مبارک درخت سے روشن کیا جائے۔ جو مشرق کی طرف ہو نہ مغرب کی طرف بلکہ درمیان میں اس کا تیل ایسا شفاف ہو کہ اگرچہ آگ اسے چھوئے بھی نہیں۔ غرض ایک نور نہیں بلکہ نور علیٰ نور، نور کی نور پر چھوٹ پڑ رہی ہے خدا اپنے نور کی طرح جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور خدا لوگوں کے سمجھانے کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے''۔

---

① السفر المطیب صفحہ ۶۹ تا ۷۱۔

② مطابق ۹ مارچ ۱۹۹۷ء۔

③ ترکی پیمائش کی اکائی جسے عثمانی دور حکومت سے استعمال کیا جاتا آ رہا ہے ایک دونم ۱۶۱۸ ایکڑ کے برابر ہے (تقریباً ڈھائی ہزار مربع میٹر)۔
اس آیت کے نیچے یہ آیت (آیت تطہیر) لکھی ہوئی ہے۔

"انما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ①

ترجمہ

''اے اہلبیتؑ (پیغمبرؐ) خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر قسم کی برائی سے دور رکھے اور ویسے ہی پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔''

ان آیات کو آب زر کے ساتھ کاشی کی اینٹوں پر لکھا ہوا ہے۔ ان آیات کے نیچے اور دروازے کے بالکل اوپر کاشی کی ٹائیلوں کے اوپر درخت کے پتوں کی جیسی نقش و نگاری کی گئی ہے اور درمیان میں ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ'' لکھا ہوا ہے۔ دروازے کے ارد گرد قوسی شکل کی محرابیں بنی ہوئی ہیں جنہیں کربلائی کاشی سے زینت دی گئی ہے اور دروازہ صاج کی لکڑی سے ۱۳۸۵ھ میں بنوایا گیا۔② جیسا کہ اس پر لکھی ہوئی تاریخ سے ظاہر ہے۔ اور دروازے کے ایک طرف پانی کی سبیل ہے جس کے اوپر کاشی کی اینٹوں پر لکھا ہوا ہے۔

---

① سورہ نور ۳۵ سورۂ احزاب ۳۳

② مطابق ۱۹۶۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،"و جعلنا من الماء کل شئ حی "[1] ۔سلام علی الحسنؑ و الحسین۔اشرب الماء ھنئیا یا محب ...... و اذکر السبط الشھید المحتسب [2] قام بہ الحاج علی حسین سادن روضۃ اولاد مسلم ۱۳۸۸ھ

ترجمہ

ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے۔سلام ہو حسنؑ اور حسینؑ پر: اے حبدار حسین! پانی پی لے اور رسول کے مظلوم شہید نواسے (حسینؑ) کو یاد کر! اسے فرزندان مسلم کے روضہ کے محافظ حاجی علی حسین نے ۱۳۸۸ھ میں تعمیر کرایا۔

صحن کا مشرقی حصہ جو طارم کے ساتھ ملا ہوا ہے نو قوس نما محرابوں پر مشتمل ہے جو پختہ اینٹوں سے بنائی گئی ہیں ان کے اوپر کاشی کی اینٹوں پر (آیت الکرسی) ''تین آیات'' تک لکھی ہوئی ہے۔[3] اس کی مغربی جانب میں دو منزلہ عمارت بنی ہوئی ہے۔جس کی پہلی منزل میں چھ کمرے ہیں جن میں سے کچھ میں تو محافظ روضہ کا دفتر ہے ان کے ساتھ ہی نماز خانہ ہے۔بعض کمروں کو خزانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اوپر کی منزل بارہ کمروں پر مشتمل ہے جن میں سے ہال میں زائرین کرام استراحت کرتے ہیں۔صحن کے شمالی حصے میں جہاں روضہ واقع ہے اس کے سامنے مہمان خانہ ہے جس کا مشرق سے مغرب تک طول 28 میٹر، عرض 6 میٹر اور بلندی بھی عرض کی مانند ہے جس کے سامنے کے حصے میں پانچ قوس نما محرابیں ہیں جو صحن کی طرف کھلتی ہیں کاشی کی اینٹوں سے مزین کیا گیا ہے۔جن کے اوپر کے حصے پر آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں۔جو درحقیقت لمبائی میں مشرق کی طرف چلی جاتی ہیں۔[4]

---

[1] سورہ انبیاء آیت ۳۰۔

[2] شعر بحر رمل کے وزن پر ہے۔

[3] سورۃ بقرہ آیات ۲۵۵ تا ۲۵۷۔

[4] آیت الکرسی کی تینوں آیات کے بعد والی آیت کے ساتھ چاروں آیات (۲۵۵ تا ۲۵۸) لکھی ہوئی ہیں۔

مہمان خانہ میں آہنی پنجرے کی جالیاں لگی ہوئی ہیں سوائے دو کھڑکیوں یعنی پہلی اور پانچویں کھڑکی کے، کیونکہ یہ زائرین کی آمد و رفت کے لئے کھلی ہوئی ہیں اور یہیں پر دونوں جانب سے دروازے لگے ہوئے ہیں جو سرداب کی طرف کھلتے ہیں جہاں پر طفلان مسلم کی قبریں ہیں۔

مہمان خانہ ہی میں دو دروازے ایسے بھی ہیں جن میں سے ایک مشرق کی طرف مہمان خانہ کی دوسری محراب کے روبرو اور حضرت ابراہیمؑ کی قبر کے مقابل میں ہے جس کی بلندی ڈھائی میٹر اور چوڑائی 1.80 میٹر ہے اور دوسرا مغرب کی طرف تیسری محراب کے مقابل اور حضرت محمدؑ کی قبر کے روبرو ہے۔ جو چاندی سے بنا ہوا ہے۔ اس کی اونچائی چار میٹر اور چوڑائی دو میٹر ہے اور اس کے اوپر یہ لکھا ہوا ہے۔ ''قال عزّ شانہ: (و سیق الذین اتقوا ربھم الی الجنة زمرا حتی اذا[1] جاؤوھا وفتحت ابواھا ابوبھا وقال لھم خزنتھا سلم علیکم طبتم فادخلوھا خلدین) من عمل استاذ رجب علی الصائغ ابن الحاج فتح اللہ شوشترلی[2] النجفی ۱۳۵۵ھ''

یعنی خداوند فرماتا ہے ''اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ گروہ گروہ بہشت کی طرف (عزت و احترام سے) بلائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچیں گے اور بہشت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے نگہبان ان سے کہیں گے سلام علیکم تم اچھے رہے تم بہشت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ''۔

تعمیر بدست استاد رجب علی زرگر ابن الحاج فتح اللہ شوشترلی نجفی ۱۳۵۵ھ۔

اسی طرح دروازے کے تمام اطراف کو قرآنی آیات سے مزین کیا گیا ہے اور یہ دروازہ ۱۳۸۶ھ میں کربلا معلّٰی سے حضرت عباس علمدار کے روضے سے یہاں لایا گیا ہے۔

---

① سورہ زمر ۷۳۔

② شوشترلی، جنوبی ایران کے شہر شوشتر کی طرف منسوب ہے۔

روضہ مطہرہ کی لمبائی 24 میٹر اور چوڑائی شمالاً جنوباً 12 میٹر سے زیادہ ہے۔روضے کے داخلی حصے میں اسلامی مغربی ممالک کی طرز تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے[1]۔یہاں پر ایک چھوٹی شمعدان ہے جس پر مندرجہ ذیل عبارت فارسی میں کندہ کی گئی ہے۔:"**وقف مرقد مطہر طفلان جناب مسلم علیہ السلام نمود نواب علیہ عالیہ شمس الدولہ حرم محترم پادشاہ بتاریخ شہر صفر ۱۲۸۶ھ**"[2] روضہ مبارک کے درمیان دو ضریحیں ہیں جن میں سے ایک مشرق کی طرف اور وہ حضرت ابراہیم بن مسلم بن عقیل کی ہے اور ایک مغرب کی طرف جو حضرت محمد بن مسلم بن عقیل کی ہے اور ان دونوں ضریحوں کے درمیان 6 میٹر کا فاصلہ ہے اور ہر ایک ضریح کا طول 3 میٹر عرض 2 میٹر اور بلندی سوا دو میٹر ہے۔ضریحوں پر بنی ہوئی دھات کی جالیاں زرد کانسی سے تیار کی گئی ہیں۔جو ۱۳۰۱ھ میں تیار کی گئی تھیں۔جبکہ ان کا لکڑی کا کٹہرا ضلع بابل کے محکمہ اوقاف کی نظامت کی طرف سے ۹۵۔۱۳۹۴ھ ۷۵۔۱۹۷۴ء میں تیار کرایا گیا۔ان دونوں ضریحوں کے اندر لکڑی کا ایک ایک صندوق ہے جو ہاتھی دانت سے جڑا ہوا اور پر شیشے کا فریم لگا ہوا ہے۔اور یہ صندوق ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء میں عراق کے باہر سے تیار کرنے کے بعد یہیں پر رکھے گئے۔

دونوں ضریحوں کے اوپر نصف دائرہ کی شکل میں بنے ہوئے دو بلند گنبد ہیں جنہیں کاشی کی نیلی اینٹوں سے مزین کیا گیا ہے۔جن کے نیچے قرآنی آیات تحریر کی گئی ہیں۔جو گنبد کے اردگرد کے دائرے میں ہیں۔ ہر گنبد کے گرد پندرہ کھڑکیاں ہیں جو مناسب باہمی فاصلے سے لگی ہوئی ہیں اور روضے کی جانب کھلتی ہیں۔جن سے روشنی اور تازہ ہوا کا کام لیا جاتا ہے گنبد کے اوپر کانسی کے دو رمانے ہیں۔جن پر سونے کی ملمع کاری کی گئی ہے اور ان کے اوپر لفظ "اللہ" موجود ہے۔روضے کے محافظ الحاج عبدالرسول کہتے ہیں کہ پہلی عالمی جنگ (۱۳۳۳ھ تا ۱۳۳۶ھ)[4]۔میں روضہ کی عجائبات کی چیدہ چیدہ چیزیں لوٹ کر "برٹش میوزیم" لے جائیں گئیں اور ضریحوں کو جلادیا گیا اور یہ سب کچھ اس وقت ہو جب برطانوی فوجیں ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں مسیّب میں داخل ہوئیں۔[5]

---

(۱) اسلامی مغربی ممالک کی طرز تعمیر کی نسبت ان اسلامی ممالک کی طرف دی جاتی ہے۔جو مغرب میں واقع ہیں۔اور یہ زینت کے نقوش کی وہ قسم ہے جو گچ (پلاسٹر) پر کندہ کی جاتی ہے۔اس طرز کو عراق میں اس وقت رواج ملا جب اس ملک میں باہر سے کاریگر اور ماہرین فن داخل ہوئے یا پھر جنہیں حکومت عراق نے نویں صدی ہجری کے آخر میں خود بلایا تھا۔

(۲) چوتھے قاچار بادشاہ ناصرالدین شاہ قاچار جس نے ۱۲۶۴ تا ۱۳۱۳ھ ایران پر حکومت کی اس کی ملکہ شمس الدولہ کہلاتی تھی

(۳) فارسی عبارت کا ترجمہ یہ ہے "بلند مرتبہ بادشاہ کی ملکہ شمس الدولہ نے یہ شمعدان صفر ۱۲۸۶ھ میں فرزندان مسلم بن عقیل کے مزار کے لئے وقف کیا"

(۴) مطابق ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء

(۵) برطانوی فوجیں شوال ۱۳۳۵ھ مطابق جولائی ۱۹۱۷ء میں مسیب شہر میں داخل ہوئیں اور "ٹامسن" نامی شخص کو وہاں کا فوجی حکمران مقرر کیا۔

روضہ کے جن محافظین کے نام ہمیں معلوم ہوسکے وہ یہ ہیں۔

۱۔ علی بن الحسین ہلال متوفی ۱۳۵۲ھ
۲۔ علی بن الحسین بکری متوفی ۱۳۹۷ھ
۳۔ عبدالرسول بن علی بکری پندرہویں صدی ہجری

اس وقت روضے کی محافظت آل بکری کے پاس ہے جس کے متولی الحاج عبدالرسول بکری ہیں۔

تصویر نمبر ۱۰۸ (۲)	روضہ فرزندان مسلم کے گنبد	صفحہ نمبر ۳۶۰

حرب باء

۱۔ بکر بن علیؑ کا مزار
۲۔ بیت فاطمہؑ (یا محل ولادت امام حسین علیہ السلام)

بکر بن علیؑ کا مزار

حلہ شہر کے نواح میں ایک قبر ہے جو" بکر بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی قبر" کے نام سے مشہور ہے۔ کفل [1] "نامی" بستی سے حلہ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر اس شاہراہ عام کے قریب [2] واقع ہے جو کوفہ اور حلہ کو آپس میں ملاتی ہیاور حلہ سے تقریباً چھ [3] کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بلند ٹیلے پر ہے۔ یہ قبر اس علاقہ میں ہے جو "حیط الامام"۔۔" تاجیہ"۔۔۔ کے نام سے معروف ہے۔ رقبے کا خسرہ نمبر ۲۰ اور کھیوٹ نمبر ۱۷ ہے۔ [4]

بیان کیا جاتا ہے کہ سید محمد قزوینی [5] نے ۱۳۲۳ھ میں انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ خدام کو قبر اور اس کی تعمیر کی لاپرواہی پر ڈانٹ رہے ہیں۔ چنانچہ سید محمد قزوینی نے خدام کو اسی سلسلے میں پیغام بھیجا اور ان سے خواب کی کیفیت بیان کی، چنانچہ عوام فوری طور پر اس کی تعمیر کے لئے کمربستہ ہوگئے اور کھدائی کے دوران جب قبر سے مٹی اور پتھر ہٹائے گئے تو وہاں پر ایک محراب ظاہر ہوئی جس پر ایک بڑا سا پتھر رکھا ہوا تھا۔ اور اس پر کچھ عبارت تحریر تھی، جب اسے پڑھنے کے لئے پتھر کو اکھیڑا گیا تو اس پر خط کوفی میں یہ عبارت تحریر تھی۔ "هذا قبر بكر بن علي بن ابي طالب الهاشمي مات سنة ستين للهجرة النبوية على مها جرها الشناء" یعنی یہ بکر بن علی ابن ابی طالب ہاشمی کی قبر ہے جو ۶۰ھ نبوی میں فوت ہوئے۔ درود وسلام ہو ہجرت کرنے والے پر۔

سید قزوینی نے مزار کے محافظ سے کہا۔ "اس پتھر کو محفوظ رکھ لو اور عمارت میں استعمال نہ کرو تا کہ چوری ہونے سے محفوظ رہے جب کوئی اسے دیکھنے کے لئے آئے تو اسے دکھایا جائے"۔ [6]

---

(1) "الکفل" کی نسبت حضرت ذوالکفل پیغمبر کی طرف ہے جو اس علاقے کا مرکز ہے حلہ اور کوفہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اور بابل کے ضلع میں ہے کتاب "معجم البلدان" میں اسے "برملاحہ" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ (2) روضہ اور شاہراہ عام کا فاصلہ 500 میٹر کا ہے۔

(3) کتاب "مراقد المعارف" جلد اول صفحہ ۱۹۷۔ میں ہے کہ یہ حلہ سے دو فرسخ یعنی تقریباً گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اور یہ اختلاف شاید حلہ شہر کی توسیع کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ (4) حاشیہ مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۱۹۸۔

(5) محمد بن مہدی قزوینی کا شجرہ نسب محمد بن زید بن علی بن الحسینؑ تک جاملتا ہے۔ ادیب اور شاعر امامیہ مذہب کے علماء اعلام میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حلہ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں حلہ ہی میں وفات پائی۔ حلہ کی دینی امور کی سربراہی ان کے پاس تھی۔ عمومی اصلاحات کا علم اٹھا کر کھڑے ہوئے اور حلہ میں موجود علماء کی قبور کو تعمیر کر دیا جو مٹ رہیں تھیں۔

(6) ملاحظہ ہو حاشیہ مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۱۹۶ تا صفحہ ۱۹۹ منقول از حاشیہ کتاب "الفحتہ العنبریہ"

ذردی مائل سنگ مرمر مربع شکل میں 18 × 19 سینٹی میٹر کے حجم میں ہے۔ جس پر تین سطریں میں لکھی ہوئی ہیں۔[1]
چنانچہ انہوں نے قبر پر ایک چھوٹا سا گنبد بنا دیا پھر عراق میں عثمانی عہد حکومت[2] کے آخری دنوں میں قبر کو پختہ بنایا گیا اس کے بعد ۱۳۸۷ھ میں روضہ کی توسیع کی گئی اور قبر کو از سر نو پختہ کیا گیا اور گنبد کو بھی اینٹوں کے ساتھ بڑا بنایا گیا جس کی بلندی تقریباً 9 میٹر اور حرم کا رقبہ 5x5 میٹر ہے۔ قبر پر لکڑی کی ایک جالی ہے جس پر سبز پردہ پڑا ہوا ہے اور ایک لوح پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے "هذا قبر بكر بن علي بن ابي طالب امه ليلى بنت مسعود بن خالد التميميه"[3] یعنی یہ قبر، بکر بن علی بن ابی طالب کی ہے جن کی والدہ مسعود بن خالد کی تمیمی کی دختر ہیں۔ براقی[4] حلی[5] سے مزار کی بعض کرامتوں کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

---

① کتاب "مراقد المعارف" جلد اول صفحہ ۱۹۷۔ کا حاشیہ، انہوں نے اسے ذاتی طور پر دیکھا ہے اور کہتے ہیں کہ پتھر اس مقام کے محافظین کے پاس ہے
② ۱۳۳۵ھ میں عراق میں ترک سلطنت کا خاتمہ انگریز جنرل موڈ کے ہاتھوں سقوط بغداد کے ساتھ ہی ہو گیا۔
③ حاشیہ کتاب مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۱۹۸۔ محمد حسین حرز الدین کے تحقیقی مشاہدات سے
④ حسین بن احمد بن اسماعیل حسینی نجفی "براقی" ۱۲۶۱ھ میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ تاریخ نگار تھے۔ ان کی طرف بہت سی تالیفات کی نسبت دی جاتی ہے۔ جن میں سے "تاریخ الکوفہ" بھی ہے۔ "حیرہ" کے نواحی گاؤں میں سے "لھیات" بستی میں ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی۔
⑤ حلی یعنی محمد حسین حلی کیونکہ وہاں پر "حلی" نام سے دو "حسین" مشہور ہیں۔ ایک شیخ حسین بن علی حلی بصیر المعروف "ابن زکوم" متوفی ۱۳۲۹ھ جو کہ زبردست ادیب تھے۔ دوسرے حسین بن علی حلی نجفی متوفی ۱۳۹۴ھ علمائے نجف میں سے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت امیر المومنین کے روضے کے صحن میں امام جماعت بھی تھے۔ براقی نے جس حلی کی "عالم ثقہ" سے تعریف کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کی مراد شاید یہی دوسرے عالم ہیں۔

''حلہ سے ذوالکفل''① جاتے ہوئے حلہ سے سات میل کے فاصلے پر نہر تاجیہ کے کنارے راستے میں ایک قبر ہے جس پر پرانے زمانے کا بنا ہوا ایک گنبد ہے، اسکی کچھ زرعی موقوفہ زمین ہے جو قبر کے منتظم کے پاس تھی۔ اچانک حلہ کے ایک شخص نے ترک حکمرانوں کے ذریعے② یہ زمین ہتھیالی اور اس کے منتظمین سے غصب کرلی اور اس پر زراعت شروع کردی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگیا اور جو بھی شخص اس پر کام کرتا وہی مصیبت میں مبتلا ہوجاتا۔ بالآخر لوگ بھی اور ترک حکومت بھی ایسے اقدام سے باز آگئے۔③ اس مزار کی حفاظت اور بندوبست ''عزت'' قبیلے کے ہاتھ میں ہے۔ جو حلہ شہر سے④ شمال مغرب میں رہتا ہے۔

---

① ذوالکفل کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کا نام ''عویدایا بن ادریم'' ہے۔ بعض کہتے ہیں ''بشر'' ہے جو حضرت ایوب نبی کے فرزند ہیں اور بعض کہتے ہیں وہ ''یہودا ابن یعقوب بن اسحاق پیغمبر ہیں۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

② حاشیہ کتاب مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۱۹۸۔ منقول از الطبعۃ العنصریۃ براقی کا حاشیہ

③ ''عزت'' ایک عربی قبیلہ ہے۔ جس نے عراق کو اپنا وطن بنایا اور ملک کے مختلف شہروں مثلاً دیالی، کرکوک، حلہ، بغداد، کوت اور العمارہ میں پھیلا ہوا ہے اس قبیلے کا اصلی وطن حجاز اور یمن کا درمیانی علاقہ اور سرزمین ''سراۃ'' ہے۔ صحابی رسول عمرو بن معد یکرب زبیدی کی اولاد سے ہے اور ''عزت'' قبیلہ ''زبید اصغر'' کی اولاد ہے۔

④ حاشیہ کتاب مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۱۹۷۔

قبر سے ملنے والے مواد کو دیکھا جائے تو ہمیں تاریخ وسیر اور سوانح عمری کی کتاب میں اس نام کے شخص کا سراغ نہیں ملتا۔البتہ ہوسکتا ہے کہ ''بکر'' سے انکی مراد ابوبکر بن علی بن ابیطالبؑ ہوں جن کے نام میں اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ''عبداللہ'' تھا۔دوسرا قول یہ ہے کہ ''محمد''[۲] تھا ایک اور قول ہے کہ ''عبداللہ''[۳] تھا اور بقولے ان کا نام مشہور نہیں[۴] تھا اور پھر ان کی والدہ گرامی کے نام میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ''لیلیٰ بنت مسعود بن خالد دارمی''[۵] تھا ایک قول یہ ہے کہ ان کی والدہ ''ام ولد''[۶] تھیں۔اس طرح دو اقوال کے مطابق دو ناموں ''محمد''[۷] یا ''عبداللہ''[۸] کے ساتھ ان کا لقب ''اصغر'' تھا پہلا لقب محمد بن حنفیہ کے مقابل میں تھا اور دوسرا حضرت عباس علمدار بن ام البنین کے بھائی ''عبداللہ'' کے مقابل ہیں۔ہم نے ''انصار حسین'' کے تفصیلی حالات میں ان کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

---

① مقتل الحسین خوارزمی جلد ۱ صفحہ ۲۸۔اسی طرح کتاب انصار الحسین صفحہ ۱۳۵۔

② مقتل الحسین مقرم صفحہ ۲۶۳۔

③ بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ ۷۴۔از کتاب ''العدد القویۃ''

④ مقاتل الطالبین صفحہ ۹۱۔

⑤ انصار الحسین صفحہ ۳۵۔

⑥ حاشیہ کتاب مقتل الحسین مقرم صفحہ ۲۶۳۔از کتاب صفوۃ الصفوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹۔

⑦ بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ ۷۴۔از ''العدد القویۃ'' و ''صفوۃ الصفوۃ'' اس میں محمد اصغر مذکور ہے۔

⑧ تاریخ التواریخ حیات امام حسین علیہ السلام جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ تا ۲۲۷۔اس میں عبداللہ اصغر مذکور ہے۔

البتہ جہاں تک ہماری رسائی ہوئی ہے وہ یہ کہ ''ابوبکر'' وہی ''عبداللہ اصغر'' ہی ہیں جس کی والدہ ''لیلیٰ بنت مسعود نہشلی''[1] ہیں۔اور ہم نے بتایا ہے کہ آپ معرکہ کربلا میں موجود تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہ کر جام شہادت نوش فرمایا ہے۔

اب آیئے لوح قبر کی طرف، تو اس بارے میں چند امور غور طلب ہیں۔

۱۔ لوح پر لفظ ''بکر'' تحریر ہے۔

۲۔ انہیں ''ہاشمی'' کا لقب دیا گیا ہے، جو غیر متعارف ہے۔

۳۔ اس میں ذکر ہے کہ انہوں نے ''وفات پائی'' جبکہ غالب امر یہ ہے کہ آپ ''شہید'' ہوئے۔

۴۔ آپ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی۔

مذکورہ بالا تمام تصریحات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ''ابوبکر بن علی بن ابی طالبؑ'' نہیں تھے۔لیکن ان سب سے لفظی ہیر پھیر بھی احتمال سے باہر نہیں ہے، کیونکہ۔

۱۔ ہو سکتا ہے کہ کثرت استعمال کی وجہ سے لفظ ''ابو'' ساقط کر دیا گیا ہو، جیسا کہ عرب لوگ کہا کرتے ہیں اور یہ ایک عام سی صورت حال ہے۔

۲۔ ''ہاشمی'' کا لقب بھی غلطی پر محمول نہیں کیا جا سکتا، اگر چہ کہ عربوں میں ''بنی ہاشم'' یا ''آل ابی طالبؑ'' زیادہ متعارف ہیں

۳۔ ''وفات پائی'' کا کلمہ بھی مقتول، شہید اور طبعی موت مرنے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۴۔ ۶۰ھ میں ان کی موت کا واقع ہونا واقعہ کربلا سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ واقعہ ۶۱ھ میں ہوا ہو سکتا ہے کہ یہ تاریخ اس اختلاف کی وجہ سے درج کی گئی ہو جو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سال میں ذکر ہوا ہے کہ آیا وہ سال ۶۰ھ یا ۶۱ھ اس کی مزید تفصیل اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔[2]

---

(۱) ملاحظہ ہو دائرہ المعارف کا باب حالات انصار ہاشمی سوانح عمری فرزندان علی بن ابی طالبؑ۔عبیداللہ، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، محمد اصغر اور ابوبکر۔

(۲) دائرہ المعارف کا باب ''تحقیقات تاریخیہ فی النہضۃ الحسینیۃ''

اس تمام کچھ کے باوجود پھر بھی قطعی طور پر اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ''ابو بکر بن امام علی بن ابی طالب علیہ السلام ہوں۔

حرز الدین نے اس بات کا احتمال پیش کیا ہے کہ ''ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں موجود ہوں اور جنگ کی ہو اور گھوڑے پر زخمی ہو گئے ہوں اور گھوڑا انہیں اٹھا کر یہاں لے آیا ہو''۔لیکن انہوں نے اس احتمال کو شک اور استفہام کے طور پر پیش کرتے ہوئے خود ہی کہا ہے کہ۔'' آیا ممکن ہے کہ گھوڑا انہیں میدان کربلا سے زخمی حالت میں یہاں لے آیا ہو اور وہ یہیں پر ہی شہید ہو گئے ہوں اور انہیں اسی جگہ پر دفن کیا گیا ہو؟''۔یہ احتمال مطلقاً وارد نہیں ہوا کیونکہ نہ تو اسے ارباب مقاتل نے ذکر کیا ہے اور نہ ہی اس بات کا کہیں اور تذکرہ ملتا ہے۔بلکہ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ ان کی شہادت واقعہ کربلا میں ہوگئی تھی اور اگر ایسا ہوتا تو اس وقت ظاہر ہو جاتا جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بنی اسد کے تعاون سے مقدس لاشوں کو دفن کیا تھا تو امام علیہ السلام نے جس طرح دوسرے شہداء کی قبور کی حد بندی فرما دی اسی طرح اس کی حد بندی بھی فرما دیتے۔البتہ یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ یہ مزار ان کے علاوہ کسی اور اللہ کے نیک بندے یا ولی خدا کا ہو ،اور تاریخ وفات میں غلطی واقع ہوگئی ہو جس کی وجہ سے یہ اشتباہ پیدا ہوا ہو۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے بہر حال صورت الاحوال جو بھی ہے حرم کو ۱۴۱۲ھ میں از سر نو تعمیر کیا گیا اور اس کے ساتھ کچھ اور برآمدے بھی ملا دیئے گئے۔اسی طرح ۱۴۱۶ھ میں اس کا ایوان عام تعمیر کیا گیا اور اب مندرجہ ذیل صورت میں ہے۔

۱۔ حرم کے شمالی جانب ضریح رکھی ہوئی ہے جس کی لو ہے اور المونیم[۲] کی بنی ہوئی جالی ہے جس کی لمبائی 2 میٹر چوڑائی 1.5 میٹر اور اونچائی 2.5 میٹر ہے جس کے سامنے کے حصے میں تین جالی دار کھڑکیاں ہیں۔جن پر سورۃ حمد لکھی ہوئی ہے۔مغربی طرف کی جالی ضریح کے اندر جانے کے لئے مخصوص ہے۔ضریح کے دونوں کناروں پر زرد کانسی کے دو رمانے ہیں اسی طرح ضریح کے اوپر اور حجم میں اس سے کچھ چھوٹا گلدستہ اذان نما عمارت کا ایک خوبصورت حصہ ہے اور اس کے چاروں کونوں پر زرد کانسی کے رمانے ہیں اور ضریح کے اوپر ایک فانوس لٹکا ہوا ہے۔

تصویر نمبر ۱۰۹(۱) بکر بن علی بن ابی طالبؑ کی ضریح	صفحہ نمبر ۳۶۱

---

① مراقد المعارف جلد اول صفحہ ۲۰۰۔

② المونیم (Aluminuim) جس کی سائنسی علامت (AL) F ہے یہ ایک سفید دھات ،ہلکی دھات جو برقی موصل اور حرارت پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہیں گھریلو استعمال کے برتنوں ،دروازوں اور کھڑکیوں کے بنانے کے کام آتی ہیں۔بسیط جسم ہے۔

ضریح کے گرد کی دیواریں اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں جس پر سیمنٹ سے پلستر کیا گیا ہے۔اس پر آئمہ اطہار علیہ السلام کے اسماءِ گرامی مکتوب ہیں۔اور قبر کے اطراف میں اینٹوں سے بنے ہوئے چھ ستون ہیں۔

۲۔ تین برآمدوں کے ملانے کے بعد حرم کا رقبہ 16x16 میٹر پر مشتمل ہے۔

۳۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ۱۴۱۲ھ میں تین رواق جدید انداز میں بنائے گئے ہیں جن میں سے دو تو خواتین کے لئے مخصوص ہیں اور ایک مردوں کے واسطے ہے۔اور یہ حرم کے تین اطراف کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔مردوں کا رواق جو مسجد کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔مزار کے دائیں طرف ہے اور اس پر قالینوں کا فرش بچھا ہوا ہے۔اور محراب بھی اسی جگہ پر ہے۔جبکہ اس کے بائیں طرف میں خواتین سے مخصوص رواق اور تیسرا رواق شمالی جانب ہے۔

تصویر نمبر ۱۱۰ (۲)	حضرت بکر بن علی علیہ السلام کے روضہ مبارک کا ایک منظر	صفحہ نمبر ۳۶۱
تصویر نمبر ۱۱۱ (۳)	روضے کا ایک اور منظر	صفحہ نمبر ۳۶۲

۴۔ قبر کے سامنے حصے میں ایک چھوٹا سا ایوان ہے جو زنانہ اور مردانہ مسجدوں کے درمیان ہے اور زائرین یہیں سے حرم کے اندر جاتے ہیں۔البتہ اس کا رقبہ مذکورہ تین رواقوں سے کم ہے۔ایوان سے حرم کو جانے کا راستہ ایک چوبی دروازے سے گزرتا ہے جس کا طول 2 میٹر اور عرض 1/2-2 میٹر ہے۔دروازے کے اوپر کربلائی کاشی کی اینٹوں پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے'' بسم الله الرحمن الرحيم -ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عندربهم يرزقون ''۱۲۱۷ھ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں انہیں مردہ گمان نہ کرو بلکہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی پا رہے ہیں ۱۲۱۷ھ

اور اس کے ساتھ یہ بھی تحریر ہے۔''السلام عليك يا من فدى الاخيه الحسين بنفسه السلام عليك يا ايها الشهيد ابو بكر بن علي بن ابي طالب ''یعنی سلام ہو آپ پر کہ جس نے اپنی جان کو اپنے بھائی حسینؑ پر قربان کر دیا۔سلام ہو آپ پر اے شہید،ابو بکر بن علی بن ابیطالبؑ،جبکہ اس دروازے کے دونوں اطراف میں کربلائی کاشی پر ''اسی صاحب مزار کی زیارت''،لکھی ہوئی ہے۔دائیں طرف کی تعمیر ثواب کے لئے جابر بن کاظم رماحی نے اور بائیں طرف کی تعمیر الحاج حسین نے کرائی۔

تصویر نمبر ۱۱۲ (۴)	بکر بن علی کے مزار کا بیرونی دروازہ	صفحہ نمبر ۳۶۲

۵۔ روضے کے صحن کی لمبائی 60 میٹر اور چوڑائی 40 میٹر ہے۔تو گویا مزار کا مجموعی رقبہ کہ جس میں روضہ تمام رواق اور ایوان شامل ہیں کل 240 مربع میٹر بنتا ہے۔اور صحن میں دو کمرے بھی ہیں جن میں سے ایک تو مزار کے محافظ کا کمرہ ہے اور دوسرا سامان وغیرہ رکھنے کے لئے ہے اور دونوں کمرے صحن کے شمالی حصے میں ہیں۔صحن کی زمین کے ایک حصے پر موزائیک[1] کا فرش لگا ہوا ہے۔جبکہ دوسرے حصے کو کنکریٹ[2] سے فرش کیا گیا ہے۔مغرب کی جانب (مزار کی بائیں طرف) ایک بہت بڑا ہال ہے جو زائرین کے بیٹھنے اور استراحت کے لئے ہے اسی طرح صحن کے شمال میں طہارت خانے وغیرہ ہیں۔بیرونی سڑک سے صحن میں داخل ہونے والا شخص ایک صدر دروازے سے گزر کر جاتا ہے جو اینٹوں سے بنایا گیا ہے۔مزار کے اندرونی حصے کی دیواروں پر معروف کربلائی کاشی کی اینٹوں پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔

۶۔ روضے کے قریب ہی چار رہائشی مکانات خدام کے لئے تعمیر کئے گئے ہیں۔

۷۔ مزار کی محافظت اس وقت[3] جاسم بن زیدان بن حسان عزت کے پاس ہے جو اپنے بھائی قاسم بن زیدان کا جانشین بنا اور اپنے والد زیدان کا جانشین بنا تھا۔

۸۔ روضے میں پڑھی جانے والی زیارت اس طرح ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم ـ السلام على آدم صفوة الله ،السلام على نوح نبي الله ،السلام على ابراهيم خليل الله ،السلام على عيسىٰ روح الله ،السلام على اسماعيل ذبيح الله ،السلام على محمدحبيب الله ،السلام على علي امير المومنين وصي رسول الله ، السلام على فاطمة الزهراء سيدة نساء العالمين بنت رسول الله ،السلام عليكما يا سبطي الرحمة ،وامامي الهدىٰ ،الحسن و الحسين سيد ى شباب اهل الجنة ،السلام عليك ياعلي بن الحسين زين العابدين ،السلام عليك يامحمد الباقر ،السلام عليك يا موسىٰ كاظم ،السلام عليك يا علي الرضا ،السلام عليك

---

① موزائیک ،انگریزی کلمہ (Mosaic work) کا معرب ہے جس کے معنی ''چپس'' کے ہیں۔یعنی رنگ برنگ کے شیشے اور پتھروں کے ٹکڑے جنہیں کچ یا سیمنٹ میں ملا کر خوبصورت قسم کی شکلیں بنائی جاتی ہیں اس کی مختلف اور معروف شکلوں کو خصوصیت شہرت حاصل ہے۔عراق میں ''چپس'' کی اینٹیں بنا کر ان کو فرش بنانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

② کنکریٹ بھی انگریزی لفظ (Concereet) ہے۔جس کا عربی ترجمہ ''خرسانہ'' ہے یعنی کنکر،سیمنٹ ،پانی اور ریت ملا کر لو ہے کے سریوں میں ڈالا جاتا ہے تاکہ پختگی میں اضافہ ہو جائے۔

یا محمد الجواد ،السلام علیك یاعلی الهادی، السلام علیك ایها الحسن العسکری ،السلام علیك ایهاالحجة① المهدی المنتظر عجل الله فرجه ،السلام علیك ایها.السید الزکی ،الطاهر الصفی یا ابن علی المرتضی ،السلام علیك ایها العبد الصالح المطیع لربك ولرسوله ولابیك امیر المومنین ،السلام علیك یا بکربن علی② اشهدانك سقطت شهیدا مفرجا بدمك الطاهر③ مع اخیك الحسین بیوم کربلا ،عرف الله بیننا وبینك بالجنة و حشرنا معکم اهل البیت صلواته علیکم ورحمة الله وبرکاته "④

ترجمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔سلام ہوآدم صفی اللہ پر،سلام ہونوح نبی اللہ پر،سلام ہوابراہیم خلیل اللہ پر،سلام ہوعیسیٰ روح اللہ پر سلام ہواسماعیل ذبیح اللہ پر،سلام ہومحمد حبیب اللہ پر،سلام ہوامیر المومنین علی،وصی رسول پر،سلام ہوسیدۃ نساء العالمین فاطمہ بنت رسول خدا پر،سلام ہوآپ دونوں پراے نبی کی رحمت کےنواسےاوراے ہدایت کےامام حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار سلام ہوآپ پراے امام علی زین العابدین،سلام ہوآپ پراے امام محمد باقر،سلام ہوآپ پراے امام جعفر صادق،سلام ہو آپ پراے امام موسیٰ کاظم،سلام ہوآپ پراے امام علی رضا،سلام ہوآپ پراے امام محمد تقی جواد،سلام ہوآپ پراے امام علی نقی ہادی،سلام ہوآپ پراے امام حسن عسکری،سلام ہوآپ پراے امام حجت خدااے مہدی المنتظر ،عجل اللہ فرجہ۔

سلام ہوآپ پراے ذکی سردار،سلام ہوآپ پرصاف اور پاک و پاکیزہ،سلام ہوآپ پراے علی مرتضی کے فرزند،سلام ہوآپ پراے اللہ کے نیک بندے،اے اپنے رب کے،اس کے رسول کے اوراپنے والدامیر المومنین کے اطاعت گزار،سلام آپ پراے بکر بن علی،میں گواہی دیتاہوں کہ آپ اپنے پاکیزہ خون میں غلطان،شہید ہوکر(زین سے زمین پر) گرے۔کربلا کے دن اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔خداوند تعالیٰ ہمارے اورآپ کے درمیان بہشت میں شناسائی کرائے اورہمیں آپ اہل بیت کے ساتھ محشور فرمائے خدا کادرودوسلام اوررحمت وبرکت ہوآپ اہل بیت پر۔

لوح کے آخر میں داہنی طرف "المتبرع المحروس الحاج جابر کاظم الرماحی "اور بائیں طرف "الفاتحہ علی روح المرحوم حجی حسین مونس⑤" تحریر ہے۔

---

① "رماحی" کی لوح میں "اسلام علی الحجۃ المھدی" ہے۔

② رماحی کی لوح میں "یاابوبکر" ہے۔

③ رماحی کی لوح میں "الطاہر" کالفظ نہیں ہے۔

④ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے یہ زیارت نامہ تیار کیا ہے۔اس نے اس کے کچھ حصے تو زیارت وارث اورکئی دوسری زیارتوں سے لئے ہیں۔اور کچھ کو اپنی طرف سے موقع کی مناسبت کے ساتھ اضافہ کیا ہے۔

⑤ لفظ "حجی" مخفف ہے لفظ "حاجی" کا جوعراق میں رائج ایک لہجہ ہے جو "الحاج" کے بدلے استعمال ہوتا ہے۔

اور مذکورہ دونوں گھروں کے درمیان ایک گزرگاہ[1] تھی۔ دروں میں سے ہو کر جامع لذیر جاتا ہے اور وہیں سے جامع کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے جم غفیر اور چکمدار اور زینت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔'' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''خوخ کالفظ ''خوخہ'' کی جمع ہے جو دو گھروں کے درمیان ایسا درہ ہوتا ہے۔ جس میں دروازہ نہیں لگایا جاتا۔ چنانچہ ''جامع الحسین'' سے محل کی طرف ایک تھا اور ''خان خلیلی'' کی جانب سے بھی ایک دروازہ تھا۔ ان دو دروازوں کے درمیان سات گزرگاہیں ''خوخ'' یا درے تھے۔ خلیفہ جامع ازہر جانے کے لئے جن میں سے چاہتا گزر جاتا۔ مجلّہ ''الزہراء'' قاہرہ شمارہ اول سال دوم صفحہ ۲۷ تاریخ ۱۵، محرم ۱۳۴۴ھ۔

---

[1] اسناد کے ساتھ عیسیٰ بن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا گھر اس گوشے میں تھا جہاں پر قبر ہے۔ اس گھر کے اور رسول خدا کے گھر کے درمیان ایک گزرگاہ تھی، جس کا نام عالی شنقیطی نے ''خوخۂ علی'' رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب ''بیوت الصحابۃ'' صفحہ ۱۷۸۔ اور اور ''خوخہ'' کے معنی قاموس جلد اول صفحہ ۵۱۲۔ میں ہیں۔ ''دو گھروں کے درمیان آنے جانے کا درہ'' اور اس سے مراد وہ فاصلہ ہے جو دو گھروں کے درمیان آنے جانے کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؑ کے گھر کا دروازہ وہیں سے تھا۔ اور ''خوخہ'' سے مراد گزرگاہ کے معنی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو شیخ عبدالقادر مغربی نے کتاب ''المبنیات'' میں قاہرہ میں سلاطین فاطمی کے محلات کی توصیف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ''باب الدیلم'' (جامع الحسین) اور ''تربت زعفران'' (خان خلیلی) کے درمیان سات گزرگاہیں یا سات درے ہیں چاندنی راتوں میں خلیفہ اپنے اہل حرم کے ہمراہ انہی دروں میں سے گزر کر جامع ازہر جاتا ہے اور وہیں سے جامع کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے اور لوگوں کے جم غفیر اور چمک اور زینت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''خوخ کالفظ'' ''خوخہ'' کی جمع ہے جو دو گھروں کے درمیان ایسا درہ ہوتا ہے جس میں دروازہ نہیں لگایا جاتا۔ چنانچہ ''جامع الحسین'' سے محل کی طرف ایک خوخہ تھا اور وہ ''خان خلیلی'' کی جانب سے بھی ایک دروازہ تھا۔ ان دو دروازوں کے درمیان سات گزرگاہیں ''خوخ'' یا درے تھے خلیفہ جامع ازہر جانے کے لئے جن میں سے چاہتا گزر جاتا'' مجلّہ ''الزہراء'' قاہرہ شمارہ اول سال دوم صفحہ ۲۷ تاریخ ۱۵ محرم ۱۳۴۴ھ۔

اسی گھر میں حضرت علی علیہ السلام ① اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی شادی کی تقریب عمل ② میں آئی، ستون اور محراب فاطمہؑ ③ کے نزدیک اور یہ ۲ھ کے آخر کی بات ہے۔ اور اسی گھر میں فرزندان رسول حسنؑ اور حسینؑ، نیز زینبؑ و ام کلثومؑ متولد ہوئیں۔ فاطمہؑ اور پیغمبرؐ خدا کے گھروں کے درمیان ایک روشندان تھا۔ ④ لیکن جب جناب زہراؑ کو معلوم ہوا کہ اسی روشندان کے ذریعے بی بی عائشہؓ ان کے گھریلو حالات سے باخبر ہوتی رہتی ہیں۔ تو آپ نے رسول خداؐ سے درخواست کی اسے بند کر دیا جائے تو آنحضرت نے ان کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے اسے بند کر دیا ⑤ اور علیؑ و فاطمہ علیہما السلام کے گھر سے مسجد نبوی کو جانے کے لئے ایک راستہ تھا۔

---

① کتاب ''فاطمۃ الزہراء من المہد الی اللحد صفحہ ۱۸۸ میں ہے حضرت فاطمہ زہراؑ کے ساتھ حضرت علیؑ کی شادی حارثہ بن نعمان کے گھر میں ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد سے ملحق ان کو گھر تعمیر کرا دیا'' ② کتاب وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ ③ کتاب الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۶۹ اور ''یمانی'' نے اپنی کتاب ''انھا فاطمۃ'' کے صفحہ ۲۷۱ میں لکھا حضرت زہراؑ کے ساتھ حضرت علیؑ کی شادی اس ستون کے نزدیک ہوئی جہاں پر آج ان کے گھر میں محراب موجود ہے اور نقشہ سے بھی معلوم ہتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی کا مقام ''محراب فاطمہؑ اور محراب تہجد'' کے درمیان ہے اور اس میں وہ جبوترا بھی شامل ہے جو شمال کی طرف واقع ہے تو گویا مقام عروسی، محراب تہجد کے پیچھے والا وہ حصہ ہے جہاں پر آج یہ چبوترہ ہے۔ واللہ اعلم ④ ہوسکتا ہے کہ گھر کی تعمیر ۳ھ میں ہوئی ہو، کیونکہ راویوں نے حضرت علی کی تاریخ تزویج میں اختلاف کیا ہے جن میں سے تین قول زیادہ مشہور ہیں۔

① ۲۱ محرم ۳ھ ۲۔ یکم یا چھ ذوالحجہ ۳۔ جنگ بدر سے واپس آجانے کے کچھ دن بعد اور یہ واپسی شوال ۳ھ میں ہوئی۔ ۵۔ روشندان سے مراد دیوار میں ایسا کھلا ہوا سوراخ جو چھوٹی سی کھڑکی کا کام دیتا ہے اور اس سے روشنی آتی رہتی ہے۔ ۶۔ کتاب وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ میں عمر بن علی بن عمر اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے تھے اور گھر کی دیوار میں بی بی عائشہ کے گھر کی طرف ایک روشندان تھا جب بھی حضور پاک گھر سے باہر تشریف لاتے تھے اسی روشندان سے جھانک کر فاطمہ زہراؑ کا حال احوال پوچھ لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ نے حضرت علیؑ سے کہا ''میرے دونوں بچے آج بیمار ہیں، اگر آپ تیل کا بندوبست جسے رات کو جلا کر روشنی حاصل کی جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت علی بازار گئے اور وہاں سے تیل خرید لائے اور فاطمہ زہرا کو دے دیا۔ انہوں نے یہ تیل جلایا اور چراغ صبح تک جلتا رہا۔ جب بی بی عائشہ رات کے وقت اٹھیں وہاں سے چراغ جلتا دیکھا اور باتیں ہوتی سنیں تو اس ماجرا کو ان سے بیان کیا۔ حضرت فاطمہ زہرا نے رسول خدا سے درخواست کی کہ اس سوراخ کو بند کر دیا جائے، چنانچہ حضور پاکؐ نے اسے بند کر دیا۔

جیسا کہ متواتر احادیث اسی بات پر دلالت کرتی ہیں[1] اور حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت رسول خداؐ کے گھروں کے درمیان میں ایک دیوار تھی اس دیوار میں درہ کی صورت مین گزرگاہ تھی جس سے دروازے کا کام لیا جاتا تھا اور بعض اوقات حضرت فاطمہ زہراؑ اس دروازے پر پردہ لٹکا دیا کرتی تھیں۔[2]

حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ کے گھر کا تعمیراتی مواد اور ہندسی شکل بھی حضرت رسول خدا کے گھر کی مانند بالکل سادہ تھی۔ کیونکہ اسے کچی اینٹوں، کھجور کی شاخوں اور بالوں کے بنے ٹاٹوں سے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ داؤد بن قیس[3] روایت کرتے ہیں: میں نے حجروں کو دیکھا ہے جو کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور باہر سے بالوں کے بنے ٹاٹوں کے ساتھ ڈھکے ہوئے تھے میرا گمان ہے کہ۔ پیغمبر خداؐ کے گھر کی چوڑائی حجرے سے دروازے تک چھ یا سات[4] ہاتھ ہوگی۔

---

① ملاحظہ ہو کتاب ''فضائل الخمسۃ من الصحاح الست'' جلد۲ صفحہ ۱۶۷۔

② وفاء الوفا جلد۲۔ صفحہ ۴۶۷ یہ وہی دروازہ ہے جو جنوب کی طرف سے گزرگاہ میں واقع تھا اور حضرت رسول خداؐ صبح کی نماز کے بعد اس چوکھٹ کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر کہتے تھے۔ ''السلام علیکم یا اهل البیت'' ''اے اہل بیت تم پر سلام ہو) یا فرماتے تھے ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهر کم تطهیرا (نماز، نماز، نماز! اے اہل بیت خدا تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تمہیں ہر طرح سے پاک و پاکیزہ رکھے) ملاحظہ ہو کتاب ''وفاء الوفاء''۔

③ داؤد بن قیس، ان کا نام فراء، پیشہ چرم سازی اور وطن مدینہ ہے۔ قریش کے غلام تھے بہت کچھ راویوں سے روایت کی ہے جن میں زید بن اسلم بھی ہیں۔ اسی طرح ان سے بھی بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے جن میں ابو داؤد طیلسانی بھی شامل ہیں۔ ابو جعفر منصور کے دور حکومت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے جس کا دور حکومت ۱۳۶ تا ۱۵۸ھ تھا

④ تقریباً ساڑھے تین میٹر کے برابر

یہ اندازہ بھی ہے کہ گھر کا اندرونی حصہ دس ہاتھ [1] ہوگا اور اس کی بلندی سات اور آٹھ [2] ہاتھوں کے درمیان ہوگی [3]۔

حسن بصری [4] کہتے ہیں: میں ابھی نابالغ لڑکا تھا اور رسول خداؐ کے گھروں میں آتا جاتا رہتا تھا۔ میرے ہاتھ ان گھروں کی چھت کو چھوتے تھے اور ہر گھر کے لئے ایک حجرہ تھا اور حجروں کو ٹاٹوں [5] اور سرو [6] جیسے درخت کی لکڑیوں سے چھپایا گیا تھا [7]

① یعنی جس کا طول پانچ میٹر کے برابر تھا تقریباً

② یعنی جس کا عرض تقریباً چار میٹر بنتا ہے۔ کتاب نزھۃ الناظرین صفحہ ۱۸۳ میں ابن نجار سے منقول ہے کہ حجرے کا کونہ قبلہ کی طرف سے مغرب سے مشرق تک ۳/۲-۱۰ ہاتھ اور شام کی جانب سے ۶/۴-۱۱ ہاتھ اور مشرقی اور مغربی دونوں اطراف سے سات ہاتھ تھا اور کتاب ''مراۃ الحرمین'' جلد اول صفحہ ۴۷۳ میں بھی اسی طرح ہے جس طرح کتاب وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۵۶۱ میں ہے کہ حجرے کا جنوبی کونہ اندر کی طرف سے ۳/۱-۱۰ ہاتھ شمالی کونہ ۲/۵-۱۱ ہاتھ اور دونوں مشرقی اور مغربی کونوں میں سے ہر ایک ۸/۵-۷ ہاتھ کے تھے۔

③ کتاب ''بیوت الصحابہ'' صفحہ ۲۲ از کتاب ''الادب المفرد'' بخاری باب التطاول فی البنیان صفحہ ۴۵۔

④ حسن بصری کا نام حسن بن یسار تھا زید بن ثابت انصاری کے غلام تھے ۲۱ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے ان کا شمار بصرہ کے علماء اور راویوں میں ہوتا ہے۔ ابن ابی العوجاء کی شاگردی اختیار کی معاویہ کے عہد حکومت میں والی خراسان ربیع بن زیاد نے انہیں اپنا کاتب مقرر کیا ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

⑤ وہ چادر جو کسی چیز کو ڈھانپ دے۔ کپڑے کو چادر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم کو چھپاتا ہے۔

⑥ کتاب میں ''عرعر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کو فارسی میں ''سرو'' کہتے ہیں۔ صنوبر کی ایک قسم ہے جس کی لکڑی زیبائشی کاموں میں اور تابوت و صندوق وغیرہ کے بنانے کے کام آتی ہے۔

⑦ کتاب ''بیوت الصحابہ'' صفحہ ۲۲ از کتاب خلاصۃ الوفاء صفحہ ۲۷۸۔

ہذلی① کہتے ہیں میں نے ازواج رسول کے گھروں کو اس وقت دیکھا تھا جب عمر بن عبدالعزیز② ولید بن عبدالملک③ کے دورِ حکومت میں مدینہ کے گورنر تھے۔ چنانچہ عمر بن العزیز نے ان گھروں کو گرا کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا تھا وہ گھر کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے جن میں ان کے حجرے کھجور کی شاخوں میں چھپے ہوئے تھے میری گنتی کے مطابق حجروں سمیت کل ۹ نو گھر تھے اور ام سلمہؓ کے گھر اور حجرے کو بھی دیکھا تھا جو کچی اینٹوں سے تیار کیے گئے تھے۔④

عطاء خراسانی⑤ کہتے ہیں: میں نے ازواج پیغمبرؐ کے حجروں کو دیکھا جو کھجور کی شاخوں سے تھے اور ان پر ٹاٹوں کے پردے پڑے ہوئے تھے۔⑥

---

① عبدالعزیز بن یزید ہذلی، جس کی کنیت ''ابن قسطنس'' تھی۔

② عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم اموی پچیس برس کے تھے کہ ولید بن عبدالملک اموی کے زمانہ حکومت میں ربیع الاول ۸۷ھ میں مدینہ کے امیر بنائے گئے اور ۹۳ھ میں معزول کر دیے گئے۔ پھر ۹۹ھ میں اموی خلیفہ بنے اور ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

③ ولید بن عبدالملک بن مروان سلسلہ امویہ کا چھٹا حکمران ۴۸ھ میں پیدا ہوا ۸۶ھ تا ۹۶ھ حکومت کی جامع اموی کی از سر نو تعمیر کی غوطہ (دمشق) میں فوت ہوا۔

④ الوفاء باحوال المصطفیٰ جلد اول صفحہ ۴۰۶

⑤ ابو مسلم خراسانی کا بیٹا عطا خراسانی، مہلب بن ابی صفرہ کا غلام تھا شام میں سکونت اختیار کی، راویوں میں شمار ہوتا ہے ۵۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۳۵ھ میں وفات پائی

⑥ الوفاء باحوال المصطفیٰ جلد اول صفحہ ۴۰۶

مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کا تخمینی رقبہ کچھ اس طرح بنتا ہے جنوبی کونہ ۵۔۱۴ میٹر، شمالی کونہ ۱۴ میٹر، شرقی اور غربی ہر ایک کونہ ۵۔۷ میٹر اور بلندی ۲ میٹر [1] یا یوں سمجھئے کہ لمبائی ۹ میٹر اور چوڑائی ۲۵۔۷ میٹر تھی جس کی چار دیواری یا تو کھجوری شاخوں کی تھی یا پھر کچی اینٹوں کی جن پر گارے [2] سے لپائی کی گئی تھی اور یا پھر ٹاٹوں پر مشتمل تھی، جن کو کھجور کی۔ [3] شاخوں سے چھتا گیا تھا اور وہ صحن اور حجرے میں تقسیم تھا۔

ظاہر یہ ہے کہ گھر کی چار دیواری لکڑیوں سے بنائی گئی تھی اور یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حجرہ عائشہ کہ جس میں رسول پاک کو دفن کیا گیا وہ کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا اور یہ کام یا تو عبداللہ بن زبیر [4] کا تھا یا عمر بن خطاب کا جنہوں نے لکڑیوں کی بجائے اینٹیں لگا دی تھیں۔

---

① بقولے یہ بلندی تقریباً ساڑھے تین چار میٹر تھی۔

② وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴ میں عبداللہ بن یزید ہزلی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز نے ازواج رسول کے گھروں کو گرایا تو اس وقت وہ کچی اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ لکڑیوں کی باڑ تھی جسے گارے سے لیپا گیا تھا۔۔

③ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر خداؐ اور علی مرتضیٰؑ کے گھروں کا تعمیراتی مواد اور ہندسی شکل ایک ہی تھی اور یہ صورت حال بعینہ مسجد نبوی کی تھی کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرماتے ہیں۔ "پیغمبر خداؐ نے مسجد نبوی کو پختہ اینٹوں سے تیار کیا، جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہؐ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس میں توسیع کر دیں؟ فرمایا ہاں! چنانچہ آپ نے اس کی توسیع کا حکم دیا اور ایسا ہی کیا گیا اور دیوار کی تعمیر میں تمام زن و مرد نے حصہ لیا پھر جب گرمی کی شدت محسوس ہوئی تو لوگوں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو اس پر سایہ بان بنا دیں؟ آپ نے اجازت دی اور سایہ بان بنانے کا حکم دیا اور کھجور کے تنوں کے ستون کھڑے گئے ان پر لکڑیاں، بانس اور گھاس پھونس ڈال دی گئی۔۔۔۔ کتاب عمدۃ الاخبار صفحہ ۱۰۴۔

④ عبداللہ بن زبیر بن عوام جن کی والدہ اسماء بنت ابی بکر ہیں۔ ۱ھ میں پیدا ہوئے، جنگ جمل میں بی بی عائشہ کے طرفدار تھے، حجاز اور عراق پر حکومت کی آخر کار حجاج بن یوسف ثقفی نے اس کا خاتمہ کیا جو ۷۳ھ میں اموی خاندان کی طرف سے وہاں کا گورنر بنا۔

اسی طرح مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے حجرے کا دروازہ سرو[1] کی لکڑی کا تھا جس کا ایک کواڑ' ایک تختہ[2] حضرت زہرا علیہا السلام کے گھر کا دروازہ بھی سرو کی لکڑی کا تھا، اور وہ بھی گاہے اوقات یک تختہ ہوتا تھا باہر سے چار دیواری شاید گارے سے لیپی ہوئی تھی یا پھر ٹاٹ کا پردہ تھا اور اندر سے سرو کے درخت کی لکڑی سے ڈھکی ہوئی تھی۔

یہ تو تھی اس گھر کی تعمیراتی کیفیت اب ایک اور پہلو سے اس کا جائزہ لیا جاتا ہے اور وہ یوں کہ فریقین کے نزدیک متواتر حدیث ''سدابواب'' (دروازوں کے بند کرنے والی حدیث سے بیت علی و فاطمہ کے کچھ اور پہلو بھی سامنے آتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ اس گھر کا دروازہ مغرب جانب تھا جو مسجد کی طرف کھلتا تھا.

۲۔ ان کی اور ان کی اولاد کی آمد و رفت مسجد ہی سے ہوتی تھی یعنی وہ مسجد ہی کو عبور کر کے آتے جاتے تھے۔ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

اب ہم ''سدابواب'' والی کچھ احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ اسی بات کا ذکر ہے۔ البتہ صرف بقدر ضرورت حصے کو ہی ذکر کریں گے۔

۱۔ اور سب لوگوں کے دروازے (جو مسجد کی طرف کھلتے تھے) بند کر دیئے گئے سوائے علیؑ کے دروازے کے۔[3]

۲۔ لوگوں نے مسجد کے سارے دروازے بند کر دیئے سوائے علیؑ کے دروازے کے۔[4]

۳۔ پیغمبرؐ نے مسجد میں ہمارے دروازے بند کر دیئے اور علیؑ کے دروازے کو برقرار رکھا۔[5]

۴۔ مسجد کے سارے دروازے بدن کر دیئے گئے اور علیؑ کا دوازہ کھلا رہنے دیا گیا۔[6]

---

① بعض کتابوں میں ہے کہ صاج کی لکڑی کا تھا۔

② کتاب ''تاریخ المسجد النبوی الشریف صفحہ ۱۲۷ از کتاب وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۵۴۲ اور کتاب ''مراۃ الحرمین جلد اول صفحہ ۴۷۲۔

③ فضائل الخمسہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۰۔ منقول از مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۶ و کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۱۹۔ و اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۴۔

④ فضائل الخمسہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۰۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۴ صفحہ ۱۵۳۔

⑤ فضائل الخمسہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۳۔ از مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۱۰۔

⑥ الغدیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ از تاریخ ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۳۴۲۔

۵۔ حضرت رسول خداؐ نے مسجد کی طرف سے آنے جانے کے لئے سارے دروازے بند کرنے کا حکم دیا اور علیؑ کے دروازے کو چھوڑ دیا گیا۔①

۶۔ کچھ اصحاب کرامؓ کے (گھروں کے) دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے ایک دن حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: علیؑ کے دروازے کے علاوہ ان باقی سب دروازوں کو بند کردو۔②

۷۔ ان سب لوگوں کے مسجد کی طرف کھلنے والے تمام راستوں کو بند کردو سوائے علیؑ کے دروازے کے کہ وہ جنب کی حالت میں بھی اس سے گزر سکتے ہیں۔ یہی اس کا راستہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں۔③

۸۔ خبردار رہو کہ اس مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہ تو جنب کو ہے اور نہ ہی کسی حائضہ کو سوائے رسول اللہؐ علی مرتضیٰؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے۔④

① الغدیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۵ از مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۱۴۔ الغدیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۶۔ از مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۱۷۵۔ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۱۔ اور دیگر میں ہے "ہمیں رسول اللہ نے حکم دیا کہ۔۔۔"

② الغدیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۲۔ از مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۶۹۔

③ فضائل الخمسہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۹۔ از مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۳۳۰۔

④ فضائل الخمسہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴۔ از سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۶۵۔

اس لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام کا دروازہ مسجد کی طرف کھلتا تھا اور یہ سمہودی کے اس قول کے منافی نہیں ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ ''علی و فاطمہ علیہا السلام کے گھر کا دروازہ جنوب کی طرف تھا جو گزرگاہ کی طرف کھلتا تھا'' اس لئے کہ ان دونوں اقوال کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ وہ یوں کہ گھر کے دو دروازے ہو سکتے ہیں۔ البتہ یہ قول بھی ضروری ہے کہ گزرگاہ کا رخ مسجد کے علاوہ کہیں اور نہیں تھا۔ تاکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ ان مقدس ہستیوں کے گھر کا دروازہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ کو نہیں کھلتا تھا۔ (1) یہ جو بات مشہور ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر کا دروازہ مشرقی جانب ہے اور آج تک موجود ہے تو یہ وہ مشرقی دروازہ ہے جو پیغمبر خداؐ کے حجرے کا دروازہ تھا اور بعد میں ''باب فاطمہ'' کے نام سے موسوم ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت فاطمہؑ کے گھر کے نزدیک تھا اور شاید حضرت فاطمہؑ کے گھر کا جنوبی دروازہ جو اندرونی دروازہ تھا اور ان کے والد گرامی پیغمبر خداؐ کے گھر کی طرف کھلتا تھا جو آنحضرت نے اپنی زوجہ بی بی عائشہؓ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کا صدر دروازہ وہی مغربی دروازہ تھا جو مسجد کی طرف کھلتا تھا اور وہ گھر کے جنوب غربی کونے پر تھا۔ (2) کیونکہ حد بندی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع آنحضرت کی قبر کے مربع اور ''ستون جبرائیلؑ'' (3) کے نزدیک تھا۔ جو اس حصے میں تھا جسے غربی کونے کے (4) موڑ پر عمر بن عبدالعزیز نے قائم کیا تھا۔ اور اسے ''مربع قبر کا ستون'' بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس شمال مغربی مربع کے رکن میں تھا جو مغربی جانب اس موڑ میں تھا جسے عمر بن عبدالعزیز نے شمال کی جانب ''ستون وفود'' کی قطار میں تعمیر کیا تھا جن کے درمیان وہ ستون ہے جو اس جالی سے ملا ہوا ہے جو ''ستون وفود'' کے مشرق میں ہے۔ (5)

---

(1) اس سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ پیغمبر خداؐ کے گھر کا مشرقی دروازہ نہیں تھا۔ جبکہ گزرگاہ کا مشرقی دروازہ نہیں تھا۔ کیونکہ ''حمد جاسر'' اپنی کتاب ''المناسک'' صفحہ ۶۲۷۔ میں محمد بن الیاس کی کتاب ''تاریخ المسجد النبوی الشریف صفحہ ۱۶۹۔ سے عمر ابن عبدالعزیز کے انہدام بیت عائشہ کی گفتگو کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''پھر عمر نے رسول خدا کے گھر کے مشرقی دروازے کے بنانے کا حکم دیا اور ان پر دروازہ بنا دیا پھر اس کے اطراف میں ایک چار دیواری تعمیر کرا دی اور اسے زیارت گاہ بنا دیا تا کہ وہاں نماز نہ پڑھی جائے''

(2) یہ وہ دروازہ ہے جہاں سے حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں سے بیعت لی اور جس پر حضرت فاطمہ نے پردہ ڈالا ہوا تھا۔

(3) اس کے ستون جبرائیل کی وجہ تسمیہ ابن جبر اپنے سفرنامے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ''اس جگہ پر جبرائیل علیہ السلام نازل ہوا کرتے تھے۔ اور یہ انہوں نے کہا ہے کہ اس پر پردہ ڈالا گیا ہے۔'' اور شاید یہ جگہ آنحضرت کے ساتھ جبرائیل کی ملاقات کی بھی ہو۔

(4) ملاحظہ ہو کتاب ''بیوت الصحابہ'' صفحہ ۹۳۔ از کتاب ''وفاء الوفا'' جلد ۲ صفحہ ۴۶۹۔

(5) کتاب ''تاریخ المسجد النبوی الشریف'' صفحہ ۱۳۳۔ از کتاب ''وفاء الوفا'' جلد ۲ صفحہ ۴۵۰۔

خلاصہ کلام

مسجد کی طرف کھلنے والا دروازہ، گھر کے جنوب مغربی کونے سے شمال کی جانب تقریباً ۷۵ سینٹی میٹر کے فاصلے پر ہے۔

تصویر نمبر ۱۱۴(۱)

گھر کا حدود اربعہ

حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کی حدود کے بارے میں سمہودی کہتے ہیں ''حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا گھر وہاں پر تھا جو جگہ قبر کے (۱) مربع اور ستون (۲) تہجد کے درمیان ہے اور راویوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ علی بن ابیطالبؑ اور سیدہ نساء اہل الجنہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا گھر بی بی عائشہؓ کے گھر کے شمال میں تھا (۳) اور سابقہ روایات بتاتی ہیں کہ حضرت علیؑ (کے) گھر (کا دروازہ) مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کا حجرہ حضرت علی و زہرا علیہما السلام کے گھر سے مشرق کی جانب تھا۔

مندرجہ بالا تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کے مغرب میں مسجد نبوی، مشرق میں حجرہ ام سلمہؓ، شمال میں وہ گزرگاہ اور درہ تھا جو اس گھر کے اور حجرہ حضرت عائشہ کے درمیان میں حد فاصل تھا اور شمال میں وہ راستہ تھا جو باب جبرائیل کو جاتا تھا۔ اور ان کے گھر کی دیوار ستون تہجد سے جا ملتی تھی اور یہیں پر وہ محراب تھا جہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد اور باقی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

دوسری طرف سے یہ بھی ہے کہ اس گھر کا جنوب مغربی کونہ مقام جبرائیل کے ستون کے نزدیک واقع تھا۔ جبکہ گھر مشرق کی طرف مسجد کے دوسرے دروازے کے برابر تھا۔ جسے عمر بن عبدالعزیز نے ۹۱ھ میں از سر نو تعمیر کرایا اور اس کا نام ''باب علیؑ (۶) رکھا۔ پھر اس کے بعد اس جالی میں بدل دیا گیا جو اس وقت باب جبرائیلؑ کے بیرونی حصے کے دائیں جانب ہے۔

---

(۱) کتاب ''بیوت الصحابہ'' صفحہ ۹۳ منقول از ''وفاء الوفاء'' جلد ۲ صحہ ۴۶۹۔

(۲) وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۶۹۔

(۳) بیوت الصحابہ صفحہ ۹۳ از ''التعریف بما آنست الہجرۃ'' صفحہ ۳۰۔

(۳) بیوت الصحابہ صفحہ ۱۱۶ از کتاب المناسک صفحہ ۳۷۳ بروایت محمد بن اسحاق۔

(۴) اور حجرہ عائشہ، مشرق کی طرف سے حجرہ سودہ سے ملتا ہے۔

(۵) بیوت الصحابہ صفحہ ۹۴۔

(۶) ''باب علیؑ'' کی وجہ تسمیہ اس کا بیت علیؑ کے مقابل میں ہونا ہے۔

گھر کے اجزائے ترکیبی

روایات اور تاریخ کی روشنی میں حضرت علی وزہرا علیہا السلام کا گھر مندرجہ ذیل صورت میں تھا

۱۔ گھر کی جنوبی دیوار کے پاس ''محراب فاطمہؑ'' موجود ہے اور اسی کے ساتھ ایک ستون ہے یہ ابن نجار کا قول ہے ① اور آج حضرت فاطمہؑ کے گھر کے اطراف میں کمرہ ہے جس میں ایک محراب ہے اور وہ حجرہ نبویؐ کے پیچھے ہے ②۔ ابن نجار کے علاوہ ایک اور صاحب کہتے ہیں ''محراب فاطمہ کمرے کے اندر اور محراب تہجد کے آگے ہے جو کہ ایک ایسے ستون پر مبنی ہے جو اندر سے خالی اور سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور محراب پیغمبر خداؐ کے مشابہ ہے۔ ③ یہ مشرق کی طرف جانے والے جنوب مغربی کونے میں پانچ میٹر سے کم کے فاصلے پر ہے۔

۲۔ ان کے گھر کے پیچھے شمال کی جانب اس راستے پر جو ''باب جبرائیلؑ'' کو جاتا ہے، ستون تہجد واقع ہے جسے محراب تہجد بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت رسول خدا صلی الہ علیہ وآلہ وسلم وہیں پر نماز تہجد اور دوسری نمازیں پڑھا کرتے تھے اور وہ ''محراب فاطمہؑ'' کے برابر میں واقع ہے۔

۳۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ کہ حضرت علی وزہرا علیہا السلام کا گھر دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک حصے میں گھر کا آنگن اور دوسرے میں حجرہ تھا۔ اور عام طور پر آنگن حجرے کے سامنے ہوتا ہے۔ بنا بریں جو شخص مسجد سے حضرت فاطمہؑ کے گھر کو جاتا وہ پہلے آنگن میں پھر حجرے میں داخل ہوتا۔ یعنی وہ حجرہ جس کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ وہ گھر کے مشرقی حصے میں تھا۔ ④

۴۔ جیسا کہ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ روشندان حجرے میں تھا جو گھر کے نصف جنوبی حصے میں تھا۔ ⑤

۵۔ بعض اوقات ایسا ابھی ہوتا ہے کہ آنگن کا کچھ حصہ آٹا پیسنے اور روٹی پکانے کے لئے چھتا ہوا ہوتا ہے اور یہ حصہ شاید شمال کی طرف ہو۔ یعنی شمال غربی زاویے میں۔ خدا بہتر جانتا ہے۔

---

① ابن نجار یعنی محمد بن محمود بن حسن بغدادی متوفی ۶۴۳ھ مورخ اور اہل قلم سے بہت سی تالیفات کی ہیں جن میں سے ''تذئیل تاریخ بغداد'' ''القمر المنیر'' اور ''الکمال فی معرفۃ الرجال'' شامل ہیں

② کتاب ''اخبار مدینۃ الرسولؐ'' صفحہ ۷۶۔ ③ مرآۃ الحرمین جلد اصفحہ ۴۷۔

④ ملاحظہ ہو کتاب 'انھا فاطمۃ الزہراءؑ صفحہ ۱۷۱ فرماتے ہیں حضرت فاطمہ زہرؑا کا حجرہ بی بی عائشہ کے گھر کے پیچھے اس دروازے کی طرف تھا جو باب جبرائیل کے سامنے اور اس پر غلاف کی صورت میں تالا لگا ہوا ہے اور ''باب'' سے مراد فاطمہ زہرؑا کا دروازہ ہے اور اب وہ مشرق کی طرف واقع ہے۔

⑤ ملاحظہ ہو کتاب ''انھا فاطمۃ الزہرؑا صفحہ ۱۷۱۔

۶۔ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ گھر کا مرکزی دروازہ ایک پاٹ (یک تختہ) تھا جو سرو کی لکڑی سے تیار کیا گیا تھا۔

۷۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گھر کی اندرونی دیوار سرو کی لکڑی سے چھپی ہوئی تھی۔

بيت فاطمة وعائشة وحدود المسجد النبوي الشريف من عام ٢ - ١٧ هـ

شکل نمبر ۱۱۵ (۲)

پھر یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر بنائی وہ حضرت عمر بن خطاب ہی تھے جنہوں نے ۱۷ھ میں یہ اقدام کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے مسجد نبوی کو توسیع دی اور اس میں کچھ تحریریں لکھوائیں۔ حضرت عائشہ کے حجرے کو بنوایا اور دیوار میں لگی ہوئی لکڑیوں کو ہٹا کر اینٹوں کی دیوار تعمیر کی۔ اس کے علاوہ کوئی اور تبدیلی نہیں کی اور یہ حجرہ چار کونوں پر مشتمل تھا۔ ①

شکل نمبر ۱۱۶ (۳)

① کتاب مدینہ شناسی صفحہ ۸۱۔

انہوں نے حضرت علیؑ اور فاطمۃ زہراؑ کے گھر کا کوئی حصہ نہ تو مسجد نبوی میں شامل کیا اور نہ ہی قبر پیغمبر کے ساتھ ملایا۔ انہوں نے جو دیوار بنائی تھی وہ چھوٹی تھی① جسے عبداللہ بن زبیر نے ۶۵ھ میں اونچا کر دیا② پھر جب ولید بن عبدالملک نے اپنی حکومت کے دوران عمر بن عبدالعزیز کی مدینہ کی گورنری کے ایام (۸۸۔۹۱ھ میں ان کے ذریعہ مسجد نبویؐ کو وسیع کیا تو بنات رسولؐ اور ازواج پیغمبرؐ کے گھروں کو مسجد میں ضم کر دیا③ جن میں حضرت عائشہؓ کا گھر بھی شامل ہے ④ اور مسجد نبوی کی چار دیواری سیاہ پتھروں سے تعمیر کی۔

پھر اسے پنجگوشہ ⑤ دیوار میں تبدیل کر دیا تا کہ خانہ کعبہ کی دیواروں کے مشابہ نہ ہو⑥ چنانچہ سمہودی نے پنجگوشہ دیوار کی کیفیت کو یوں تحریر کیا ہے: پنج گوشہ دیوار کی مسجد کی زمین سے بلندی ۳/۱۔۱۳⑦ ہاتھ ہے اور حجرے کی دیوار اور اس دیوار کے درمیان شمال کی جانب کھلی فضا ہے۔ جس کی صورت مثلث کی سی ہے۔ جس کا درمیانی فاصلہ آٹھ ہاتھ ہے⑧ اور گھر کی مشرقی دیوار اور مشرق کی طرف سے ظاہری دیوار کے درمیان بھی کھلی فضا ہے۔ مشرق کی طرف سے اس کی ابتدائی صورت میں ایک ہاتھ کا فاصلہ ہے جو کم ہوتے ہوتے دو دیواروں کے ملنے کی جگہ تک مغربی طرف میں ایک بالشت کے فاصلے تک جا پہنچتی ہے اور مغرب کی طرف⑨ سے اندرونی اور بیرونی دونوں اطراف میں کوئی کھلی فضا نہیں ہے۔

---

① کتاب تاریخ المسجد النبویؐ الشریف۔

② کتاب الطبقات الکبری جلد ۲ صفحہ ۲۹۴۔

③ ضم کر دینے سے مراد یہ ہے کہ اس مرتبہ مسجد نبوی کی توسیع، تین اور جہات کے ساتھ مشرقی جہت پر بھی مشتمل تھی۔ گویا یہ جہت بھی مسجد کی حدود میں شامل ہوگئی۔ اور یہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر کے بعد ہوئی کہ جہاں پر وہ اس وقت موجود ہے۔

④ کتاب مدینہ شناسی صفحہ ۸۲ منقول از "المناسک واماکن طرق الحج ومعالم الجزیرہ" صفحہ ۳۷۵۔

⑤ مدینہ شناسی صفحہ ۸۱۔

⑥ مدینہ شناسی صفحہ ۸۲۔ منقول از روضہ فردوسیہ اقشہری صفحہ ۳۷۶۔

⑦ تقریباً 6.5 میٹر کے برابر ہے

⑧ تقریباً 4 میٹر کے برابر ہے۔

⑨ وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۵۶۳ و مرآۃ الحرمین جلد ۱ صفحہ ۴۷۳۔

الحائز العزيزي
حدود بيت عائشة
حدود بيت فاطمة
الفاصل بين الفناء والحجرة
اسطوانة التعريس
اسطوانة جبرائيل
محراب فاطمة
محراب التهجد
الكوة

شکل نمبر ۱۱۷ (۴)

بيت عائشة مع الحائز العزيزي المخمس مع معالم بيت فاطمة (۸۸-۹۱ھ)-۶۸۸م. حسب القول بأن الحائز أحاط بيت عائشة مع تحديد الفواصل بين جداري بيت عائشة والحائز العزيزي

اور بیرونی دیوار کی ایک کونے سے دوسرے کونے تک کی لمبائی باہر کی طرف سے سترہ ہاتھ ہے[1] اور مغربی دیوار کی قبلہ کی جانب سے مقام جبرائیلؑ تک ساڑھے سولہ ہاتھ ہے[2] مقام جبرائیلؑ سے شمالی کونے تک کے موڑ کی لمبائی ساڑھے بارہ ہاتھ ہے[3] اور قبلہ کی طرف سے شمال کی جانب والے موڑ کو جانے والی مشرقی دیوار کی لمبائی ساڑھے بارہ ہاتھ ہے۔ جبکہ مذکورہ موڑ کی دیوار کی شمالی کونے تک کی لمبائی تقریباً[4] چودہ ہاتھ ہے[5] اس پنج گوشہ چار دیواری کی تعمیر کے وقت علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کے جنوب غربی دیوار کے کچھ حصے کو اس میں شامل کر لیا گیا اور شمال مشرقی جانب سے بچ گیا۔[6] یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ اس وقت حضرت فاطمہ زہراؑ کا گھر گنبد والے کمرے میں شامل ہے جیسا کہ ابن بخار[7] وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔

---

① 8.5 میٹر ② تقریباً 8 میٹر کے برابر ہے ③ تقریباً 6 میٹر کے برابر ہے ④ تقریباً 7 میٹر کے برابر ہے
⑤ وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۵۲۶ ⑥ التعریف بما آنست الہجرۃ صفحہ ۳۰ ⑦ اخبار مدینۃ الرسول صفحہ ۴۷۔

ہم نہیں سمجھتے کہ عمر بن عبدالعزیز نے قبر پیغمبر کے گرد جو چار دیواری تعمیر کرائی اس کے احاطے کا مدار بی بی عائشہ کا حجرہ ہو کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین مدفون ہیں۔ بلکہ اس کا مدار بی بی صاحبہ کا گھر ہے جس میں حجرہ ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اس مستطیل شکل کا احاطہ حضرت عائشہ کے گھر کی مقدار سے مطابقت رکھتا ہے۔ ورنہ نقشہ کچھ اس طرح بنے گا۔

محراب فاطمة
الاسطوانة التي عرس بها علي بفاطمة
اسطوانة جبرائيل
جدار حجرة عائشة
الجدار الفاصل بين الفناء وحجرة فاطمة
محراب التهجد
الحائز العزيزي
حدود بيت فاطمة
الكوة

شکل نمبر ۱۱۸(۵)

پیغمبر کی قبر کا مربع مع پنج گوشہ عزیزی دیوار اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کے گھر کے نشانات (۸۸ھ۔ ۹۱ھ) ۲۶۸ھ جب یہ قول تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر کا جنوب مغربی زاویہ شمالی مغربی زاویہ کے ساتھ دیوار عزیزی کے موڑ پر آپس میں ملتے ہیں اور ساتھ ہی ستون جبرائیل بھی ہے اور حضرت عائشہؓ کا حجرہ درمیان میں ہے۔

بہرصورت عمر بن عبدالعزیز کی تعمیر کردہ دیوار، حضرت عائشہؓ کے گھر، ان دونوں دیواروں کے فاصلے، حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر اور یہ قول کہ اس گھر کا جنوب مغربی زاویہ جو شمال مغربی زاویہ سے جاملتا ہے اور عزیزی دیوار کے موڑ پر ہے اور جو ستون (مقام) جبرائیلؑ کے نزدیک واقع ہے اگر ان سب فاصلوں کو ملایا جائے تو کوئی امکانی صورت پیدا نہیں ہوتی ہے مگر یہ کہ حضرت علیؑ کی گزرگاہ (درہ) کے عرض کی مقدار ساڑھے تین میٹر فرض کی جائے۔ اگرچہ یہ بات بھی بعید نظر آتی ہے۔ کیونکہ ایک تو لفظ ''خوخہ'' (گزرگاہ یا درہ) اتنی مقدار پر دلالت نہیں کرتا اور دوسرے یہ قول کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا پورا گھر پیغمبرؐ کے مخصوص کمرے (روضے) میں داخل کر دیا گیا ہے، اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اس مقدار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہاں البتہ اگر شمالی چبوترے کو مخصوص کمرے (روضہ) کے اندر شامل سمجھا جائے یا یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ چبوترہ بھی تو اس میں شامل تھا اور بعد کی تعمیرات میں اسے اس سے جدا کر دیا گیا۔ چنانچہ اسی بات کی تائید وہ باڑ کرتی ہے جو اس کے گرد کھینچی گئی ہے۔ مذکورہ فرض کی صورت میں نقشہ کچھ اس طرح ہوگا۔

شکل نمبر۱۱۹(۶)

حدود شبك المقصورة النبوية الشريفة
حدود بيت عائشة
حدود بيت فاطمة ع
الفاصل بين الفناء والحجرة
الحائز العزيزي للمخمس
حدود الدكتين
اسطوانة جبرائيل
اسطوانة التعريس
محراب فاطمة (ع)
محراب التهجد

القياس ١/٢٠٠
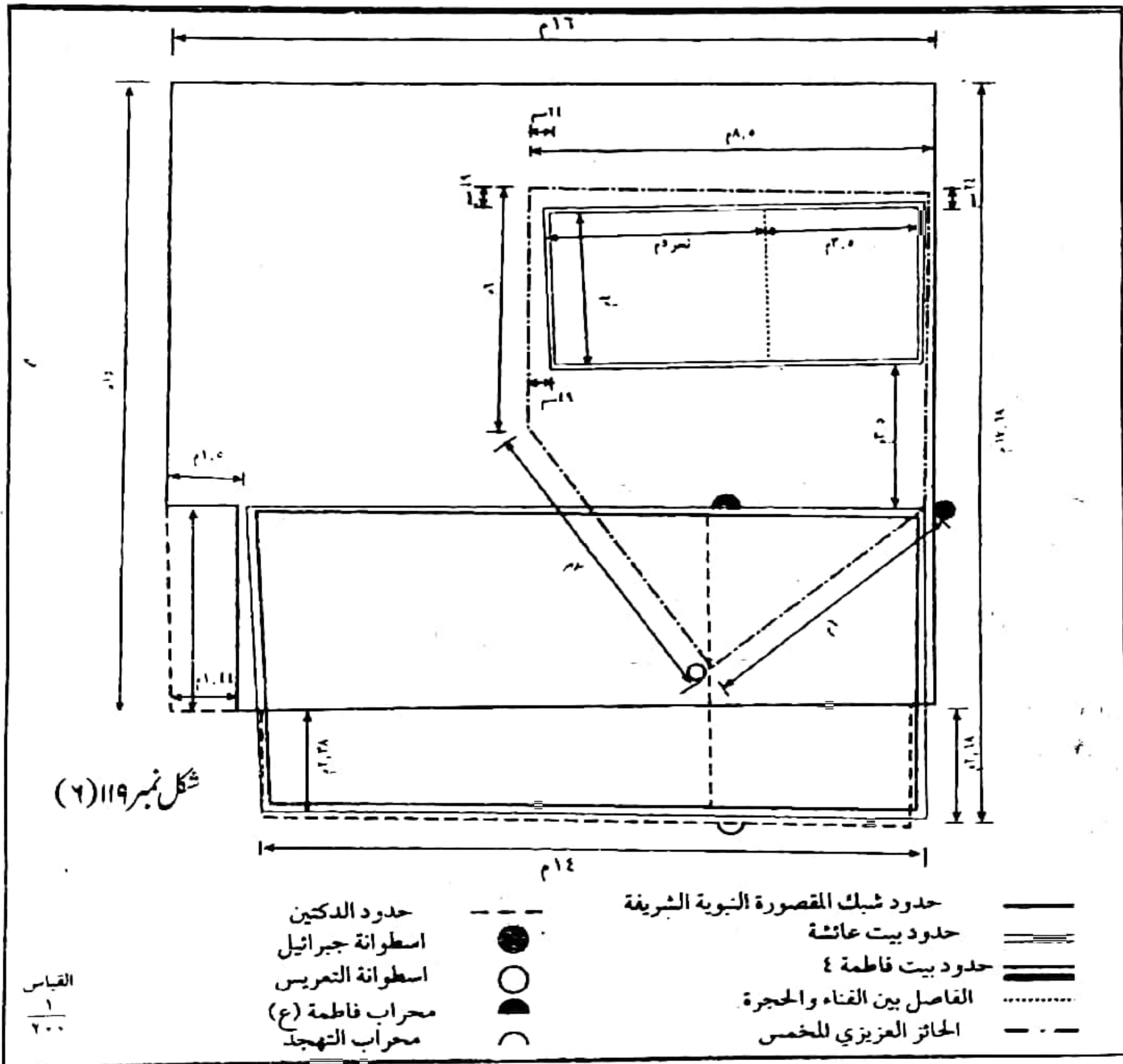
یہ بات بھی واضح رہے کہ بعض حوالے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں تھوڑی سی مقدار شاید دو میٹر یا اس سے کچھ زیادہ[1] جو کہ اس وقت روضے کے اندر آمد و رفت کا راستہ ہے۔ مسجد کا حصہ تھا جو بعد میں موجودہ روضے میں داخل کر دیا گیا۔ شاید مشرقی طرف کا مختصر راستہ اسی بات کا موید ہو۔ البتہ اس بات کو قبول کر لینا بھی ایک وجہ سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کی گزرگاہ (درہ) کے بارے میں جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو پھر نقشہ کچھ اس طرح ہوگا (البتہ فاصلہ ڈیڑھ میٹر سے زیادہ ہوگا۔

١٦م

١٤م

شکل نمبر ۱۲۰(ے)

حدود شبك المقصورة
حدود بيت عائشة
حدود بيت فاطمة
الفاصل بين الفناء والحجرة
الحائز العزيزي المخمس
حدود الدكتين
اسطوانة جبرائيل
اسطوانة التعريس
محراب فاطمة
محراب التهجد

القياس ١/٢٠٠

ج ش غ شم
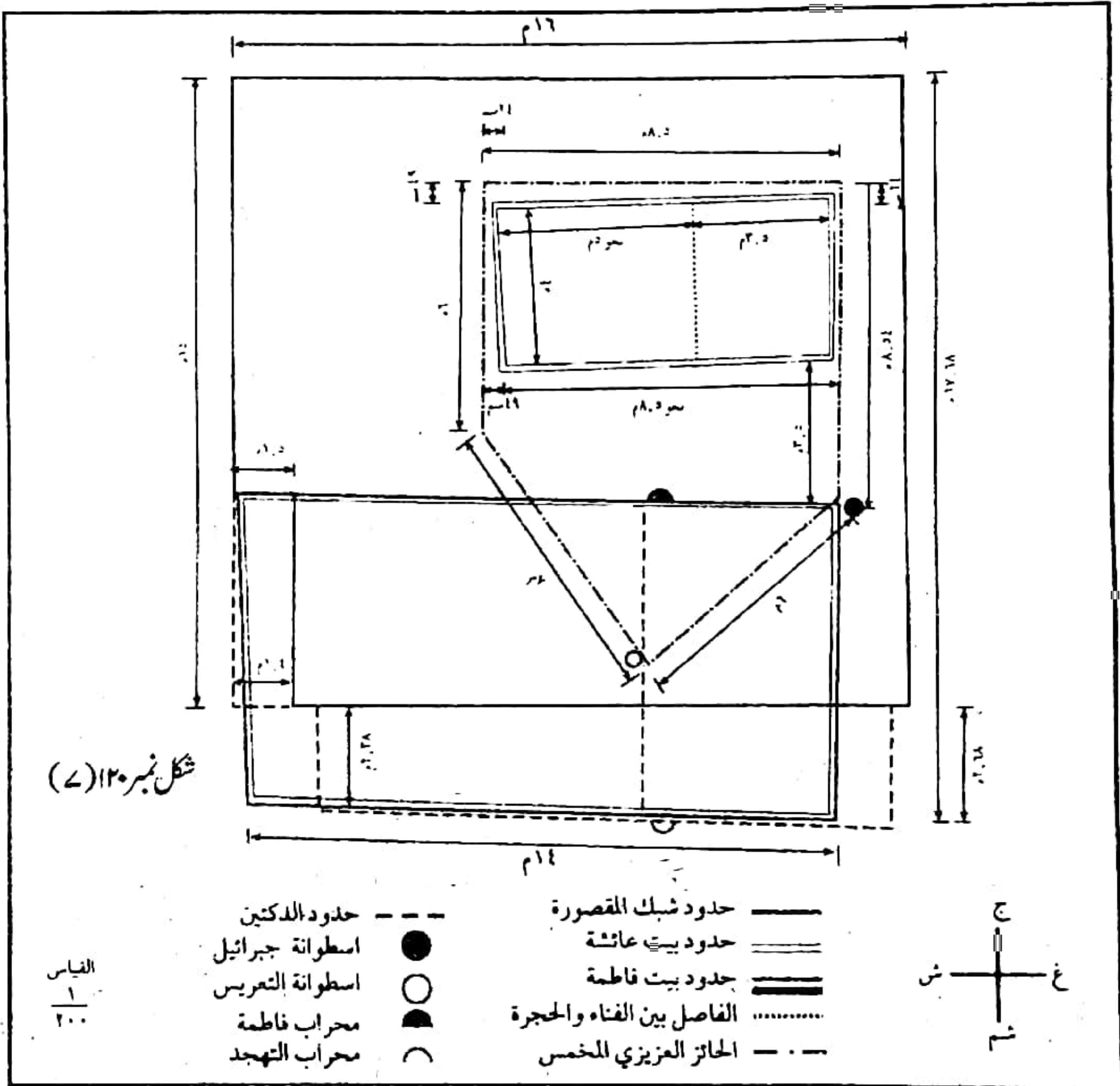
① کتاب ”تاریخ المسجد النبوی الشریف“ صفحہ ۱۱۶ میں سمہودی اور ابن زبالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ منبر کے قبلہ کی جانب کے حصے سے حجرے کے قبلہ کی جانب کے حصے تک کا درمیانی فاصلہ ۵۳ ہاتھ تقریباً 26.5 میٹر بنتا ہے زرد تانبے کی چادر نے جو حجرہ کے اردگرد ہے۔ روضے کے ایک حصے کو ڈھانپا ہوا ہے۔ اور روضے کا باقی ماندہ حصہ لمبائی میں منبر شریف سے لے کر اس زرد تانبے کی چادر تک 22 میٹر بنتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ”درشین“ صفحہ ۷۵ اور ”رحلۃ حجازیۃ“ صفحہ ۳۱۵ میں ہے کہ پیغمبر خدا کی قبر اور منبر تک کا فاصلہ 22 میٹر ہے۔

۶۶۸ھ میں سلطان بیبرس[1] نے رسول خداؐ کی قبر مطہر کے اردگرد چوبی کٹہڑا تعمیر کرایا اور اس میں حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہ زہرؑا اور عبدالعزیزی پنجگوشہ دیوار کو بھی اس میں شامل کرلیا۔ جس کی بلندی ۲ میٹر اور شمالاً جنوباً لمبائی ۱۶ میٹر جب کہ شرقاً غرباً لمبائی ۱۵ میٹر تھی۔[2]

۶۷۸ھ میں سلطان منصور قلاوون[3] نے پیغمبر اکرمؐ کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا جو بڑا گنبد اور دور سے معلوم ہوتا ہے اور آج "گنبد خضراء" کے نام سے مشہور ہے۔

---
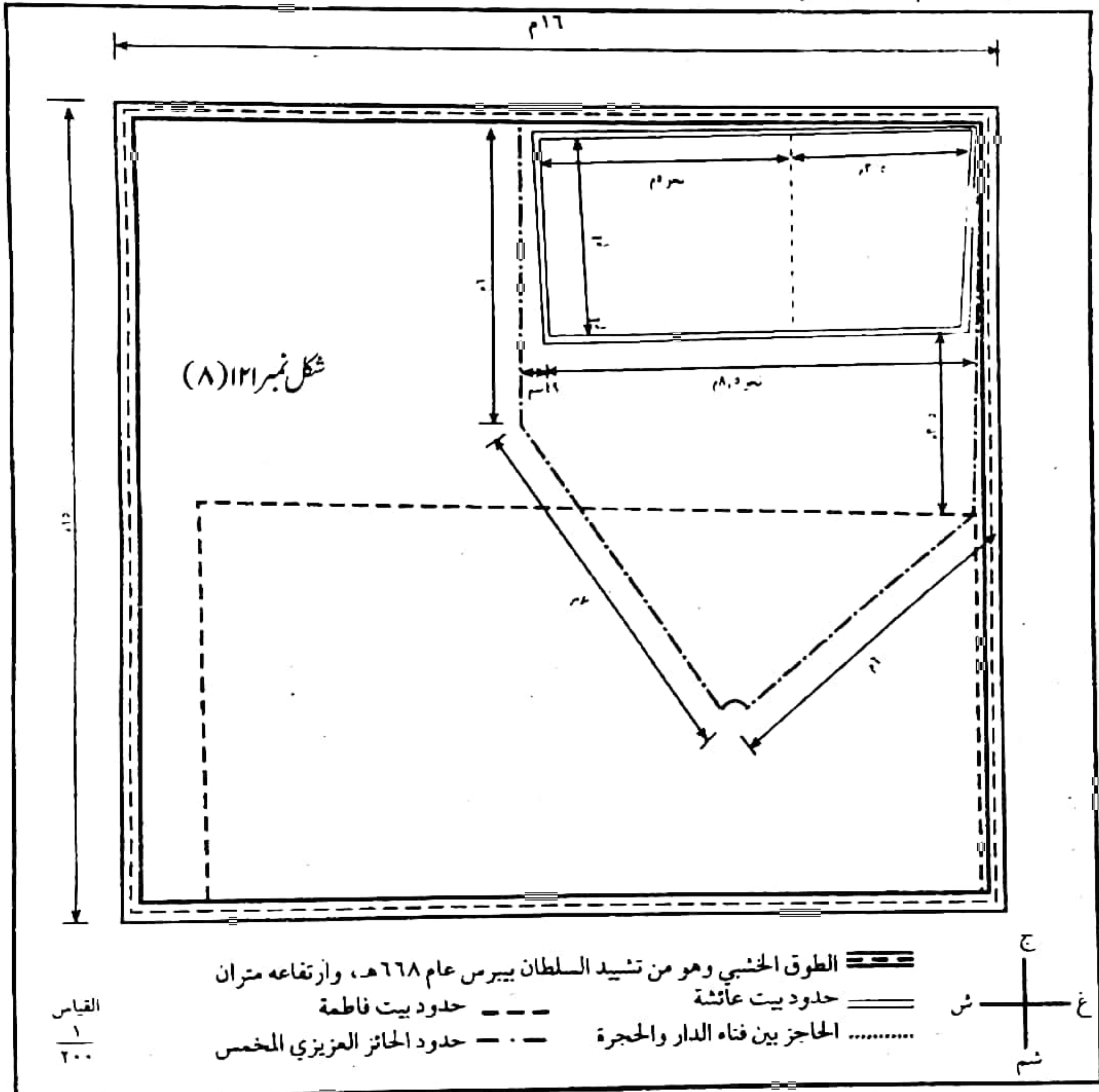
① بیبرس یعنی سلطان رکن الدین بیبرس بندقداری (۶۲۰ھ-۶۷۶ھ) ۶۵۸ھ میں حکمران بنا ② تاریخ المسجد النبوی الشریف صفحہ ۱۸۵۔

③ قلاوون یعنی سلطان منصور الفی صالحی قلاوون (۶۲۰ھ-۶۸۹ھ) ترکی الاصل تھا مصر اور شام میں دولت قلاوونیہ کا پہلا بادشاہ تھا۔ ۶۷۸ھ سے تا دم حیات حکمران رہا۔

نیچے سے مربع (چوکور) اور اوپر سے مثمن (ہشتگوشہ) ہے۔ سلطان ناصر صالحی ① کے ایام سلطنت میں اس کی از سرنو تعمیر کی گئی۔ ②

شکل نمبر ۱۲۲ (۹)
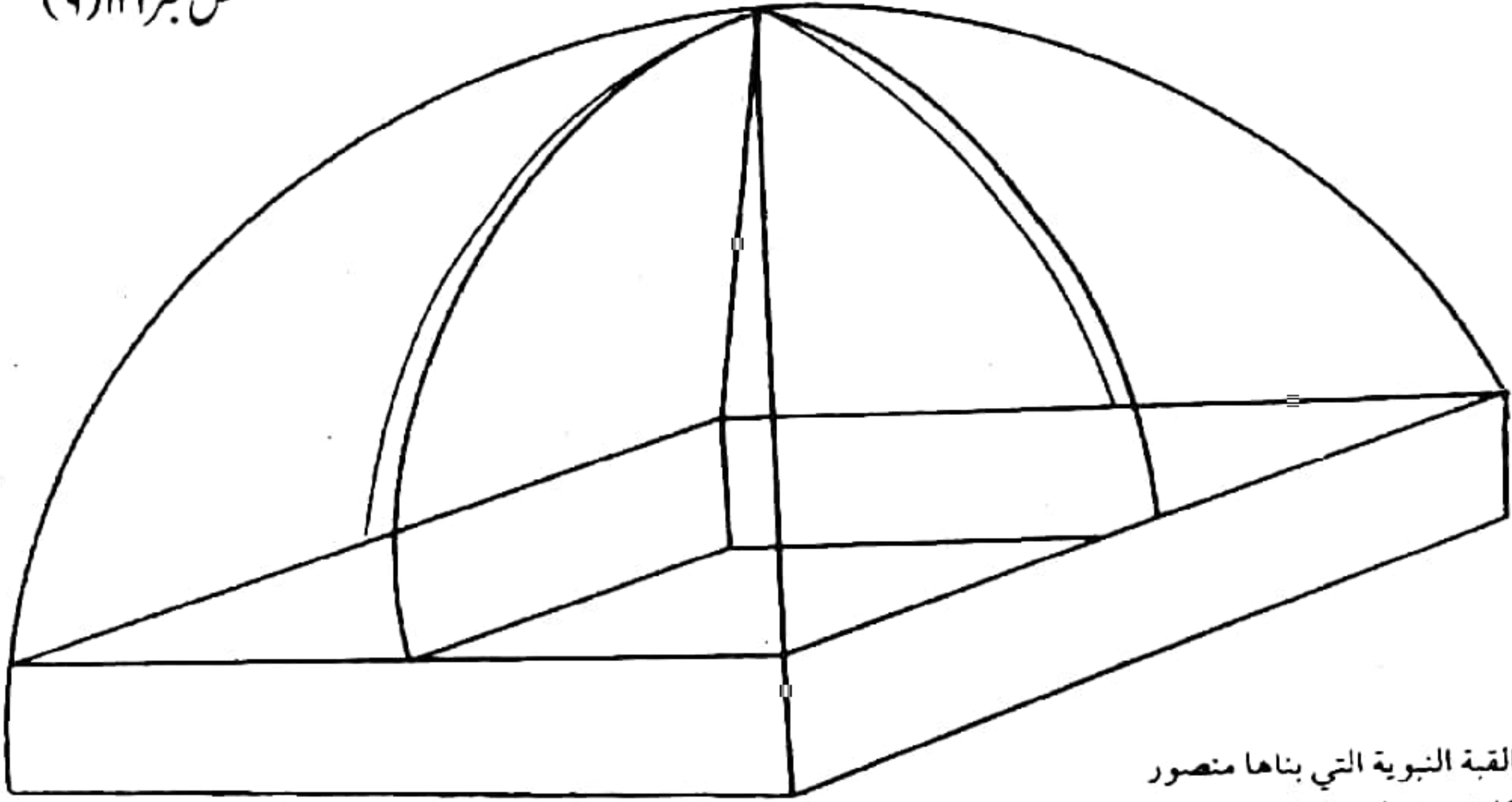
القبة النبوية التي بناها منصور قلاوون عام ٦٧٨ هـ.

شکل نمبر ۱۲۳ (۱۰)
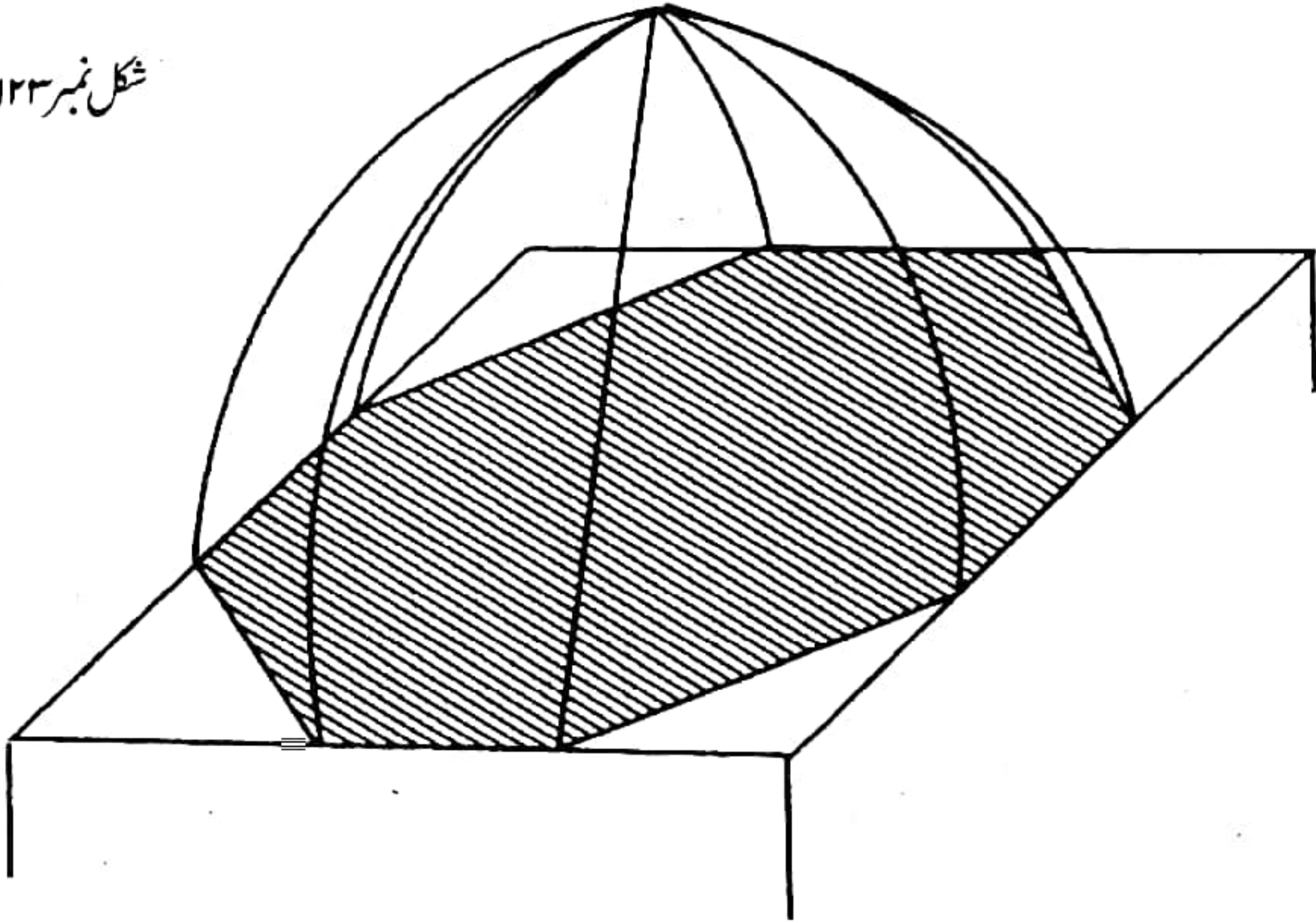
① محمد بن قلاوون ناصر صالحی سلطنت قلاوونیہ کا تیسرا بادشاہ جس نے ۶۹۳ھ تا ۷۴۱ھ حکومت کی۔

② ملاحظہ ہو کتاب ''تاریخ المسجد النبوی الشریف'' صفحہ ۱۸۹۔

۶۹۴ھ میں سلطان کتبغا[1] نے اس کی چار دیواری کو جالیوں کے ذریعہ بلند کیا اور جالیوں کو چھت کے ساتھ ملا دیا[2]

۷۶۵ھ میں سلطان اشرف[3] کے دور سلطنت میں گنبد کی دوبارہ تعمیر کی گئی اور یہ تعمیر اسی سال کے ماہ شعبان[4] میں ہوئی ۱۴ شعبان ۸۸۱ھ میں سلطان قاتیبائے[5] نے آنحضرتؐ کے حجرہ کی اس دیوار کو گرا کر از نو تعمیر کیا جس میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ اور اسی سال ماہ شوال میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔[6]

۸۸۶ھ میں سلطان قاتیبائے ہی نے گنبد کے جل جانے کی وجہ سے عمارت کو دوبارہ تعمیر کرایا اور گنبد کو جو پہلے لکڑی کے تختے اور شیشے جوڑ کر بنایا گیا تھا، پختہ اینٹوں سے تعمیر کرایا اور اسے پہلے سے زیادہ بلند اور مضبوط بنوایا، دو ستون نصب کیے ایک کو مثلث کی داہنی جانب اور دوسرا اس کے بائیں طرف اور ساتھ ہی جلی ہوئی لکڑی کی چار دیوار کی جگہ مصر سے لوہے اور تانبے کی جالی دار کھڑکیاں بھجوائیں۔ چنانچہ جنوب کی طرف تانبے کی اور باقی تین اطراف میں لوہے کی جالیوں کو نصب کیا گیا[7] اور اب یہ وہی مشہور کمرہ ہے جس میں یہ نصب ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس نے حجرہ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر علیحدہ گنبد تعمیر کرایا اور کمرے کے اندر ہی جناب فاطمہ زہراؑ اور بی بی عائشہؓ کے گھروں کے درمیان جالی دار کھڑکی لگا کر حد فاصل قائم کر دی۔[8]

---

① زین الدین کتبغا بن عبداللہ مز موری (۶۳۹ھ۔ ۷۰۲ھ) بحری خاندان غلامان کا بادشاہ جس نے ۶۹۴ھ میں مصر پر حکومت کی اور مرتے دم تک بادشاہ رہا

② تاریخ المسجد النبوی الشریف صفحہ ۱۸۵ از کتاب خلاصۃ الوفا صفحہ ۳۰۱۔

③ اشرف ثانی، یعنی شعبان بن حسین بن محمد بن قلاوون، سلسلہ قلاوونیہ کا بارھواں بادشاہ جس نے ۷۶۴ھ ۔ ۷۷۸ھ تک حکومت کی

④ وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۶۰۸، خلاصۃ الوفاء جلد ۳۰۴۔

⑤ سیف الدین قاتیبائے، خاندان غلاماں کا بادشاہ جس نے ۸۷۳ھ تا ۹۰۱ھ مصر پر حکومت کی۔

⑥ ۱۴ شعبان کی صبح کو کام کا آغاز ہوا اور سات شوال بروز جمعرات اختتام پذیر ہوا۔ ملاحظہ ہو تاریخ المسجد النبوی الشریف صفحہ ۱۷۰ از وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۶۱۷۔

⑦ تاریخ المسجد نبوی الشریف صفحہ ۱۸۶، از خلاصۃ الوفا صفحہ ۳۰۱ مرآۃ الحرمین جلد اول صفحہ ۴۷۵۔

⑧ مدینہ شناسی صفحہ ۸۴ و سفرنامہ مرزا احسن فراہانی صفحہ ۲۷۸۔

چنانچہ حجرہ کے مثلث کی شمالی جانب جو کھلی جگہ رہ گئی تھی وہ ایک مستقل کمرے کی صورت اختیار کر گئی جنوب کی طرف سے جس کی لمبائی ۱۴ میٹر اور شرق وغرب دونوں اطراف سے سات، سات میٹر اور مثلث کے دائیں اور بائیں ایک ایک دروازہ ہے۔[1]

۱۴م

حدود شبك المقصورة النبوية الشريفة
حدود بيت عائشة
الحائز العزيزي المخمس
حدود بيت فاطمة
حدود الدكتين
الفاصل بين الفناء والحجرة
دعامة القبة النبوية الشريفة

الدائرتان الكبيرتان قبة الرسول (ص) وقبة فاطمة (ع)
اسطوانة التعريس
اسطوانة جبرائيل
محراب فاطمة
محراب التهجد
حدود قبر فاطمة

شکل نمبر ۱۲۴ (۱۱)

تخطيط بناء قايتباي عام ٨٨٦ هـ

القياس ١/٢٠٠

---
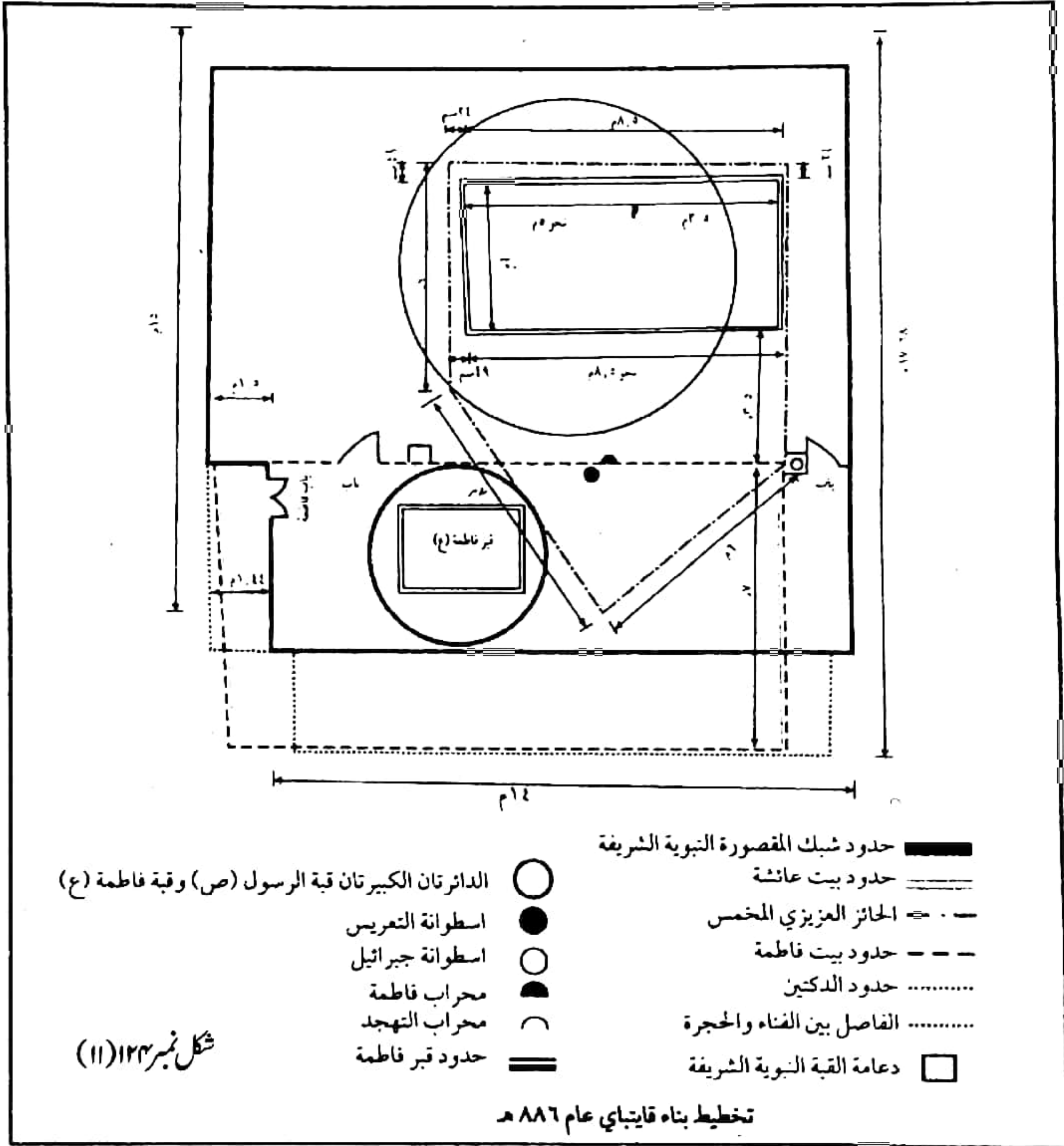
① تاریخ المسجد النبوی الشریف صفحہ ۱۸۶ از نزہۃ الناظرین صفحہ ۲۰۹، وصف المدینۃ المنورہ صفحہ ۶۷ اور الرحلۃ الحجازیۃ صفحہ ۲۴۶۔

شکل نمبر ۱۲۵ (۱۲)

الضريح النبوي الشريف ايام السلطان سليمان القانوني ٩٢٦ - ٩٤٨ھ
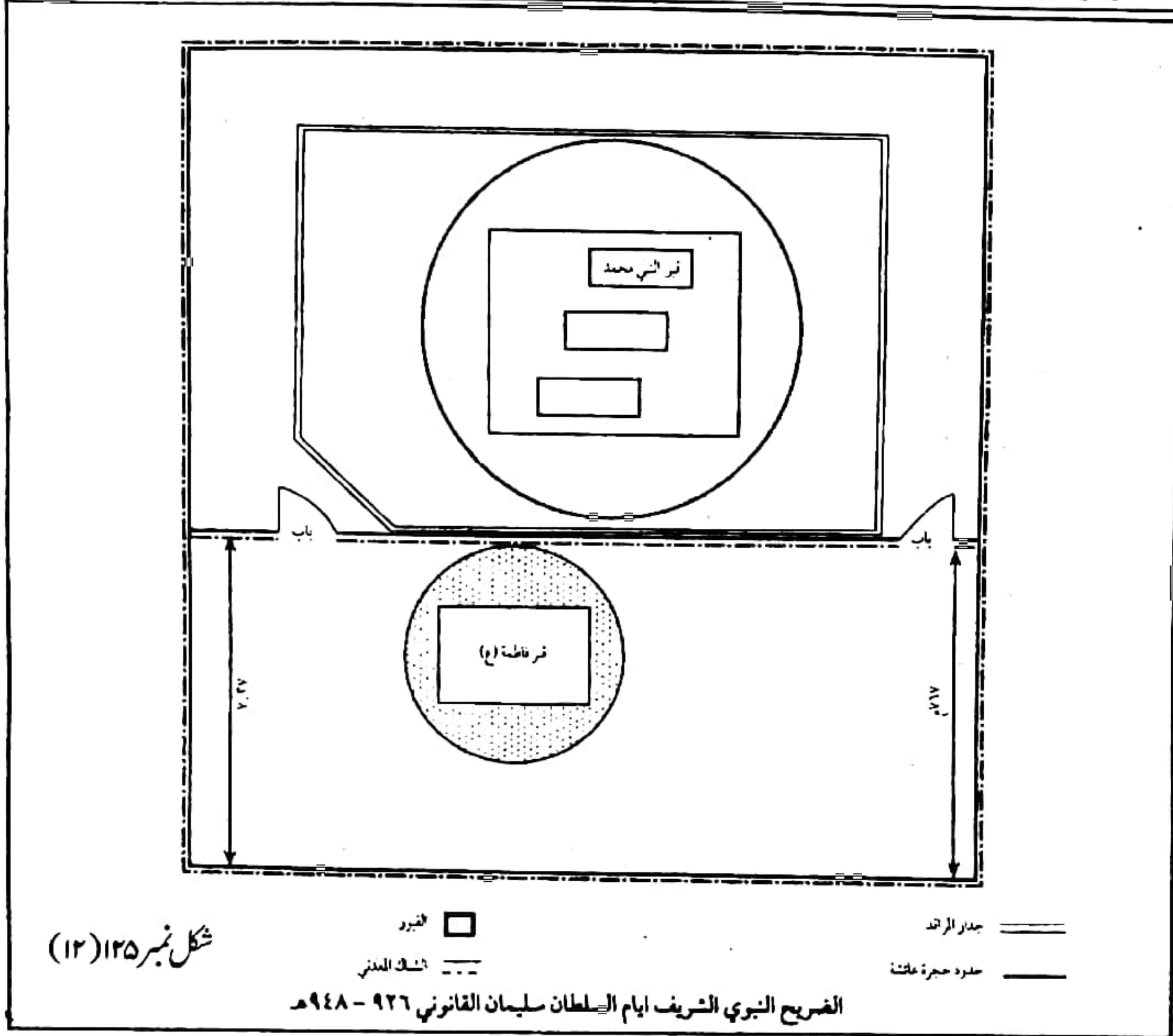
روضہ اقدس کے بیرونی شکل وصورت اسی قدیمی عمارت میں جوں کی توں اب تک موجود ہے۔ البتہ سلطان سلیمان عثمانی (۱) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارکہ کو اندر سے سنگ مرمر وغیرہ سے دوبارہ سجایا جب کہ وہ ۹۲۶ھ تا ۹۴۸ھ پر سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ (۲)

یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ سلطان سلیمان قانونی نے اپنے دور حکومت میں جو ترامیم کیں ان میں سے یہ بھی تھا کہ اس نے عزیزی دیوار کو بھی گرا دیا' روضے کے اندر تین قبریں بنوائیں اور ان پر کہان نما چوبی صندوقیں رکھوا دیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہوتا ہے البتہ یہ تصویر ۱۳۴۴ھ سے کچھ عرصہ پہلے لی گئی تھی۔ (۳)

---

(۱) سلطان سلیمان قانونی، سلیمان اول ابن سلیم اول، دسواں عثمانی خلیفہ (۲) ملاحظہ ہو تکملۃ الاخبار صفحہ ۴۶۸

(۳) محمد الیاسی نے اپنی کتاب تاریخ مسجد نبوی شریف کے صفحہ نمبر ۱۶۵ پر اس تصویر کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تصویر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قبر مبارک عثمانیوں نے بنوائی ہے اور واضح دلائل موجود ہیں جو کہ یہ سلیمان القانونی کے زمانے سے پہلے کی ہے چودھویں صدی کے پہلے نصف میں لوگ اس قبر کو دیکھنے سے محروم کر دیئے گئے۔ ہماری آرزو ہے کہ دیوار ہٹا دی جائے تا کہ اس قبر اور ضریح کی زیارت کی جا سکے۔

صفحہ نمبر ۳۶۳	تصویر نمبر ۱۲۶ (۱۳) ۱۳۴۴ھ سے کچھ عرصہ پہلے لی گئی قبر رسولؐ کی تصویر

اس کی دیگر ترمیمات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی قبر بھی بنائی

شکل نمبر ۱۲۷ (۱۴)

قبر فاطمة بنت رسول الله (عليها السلام)
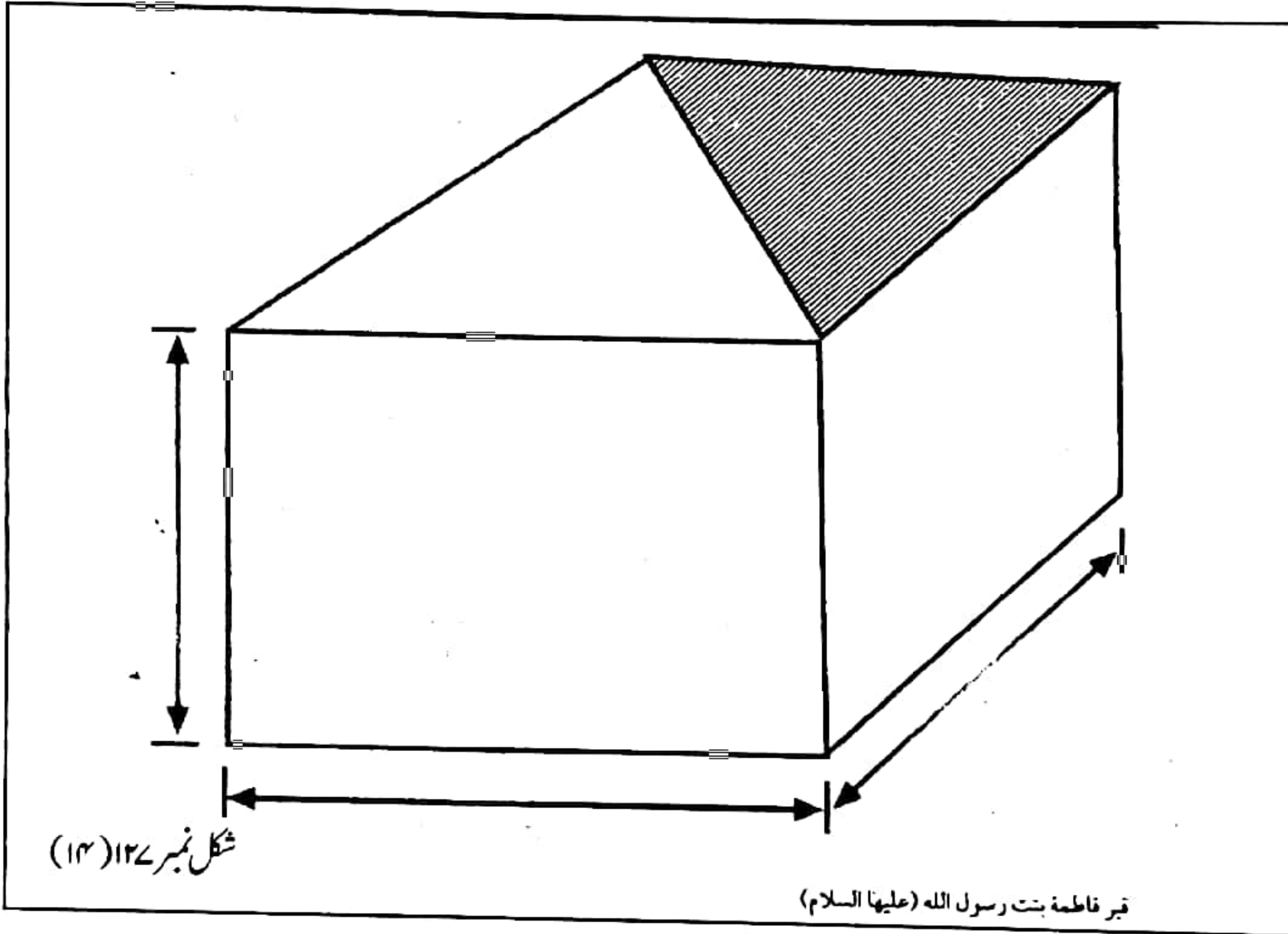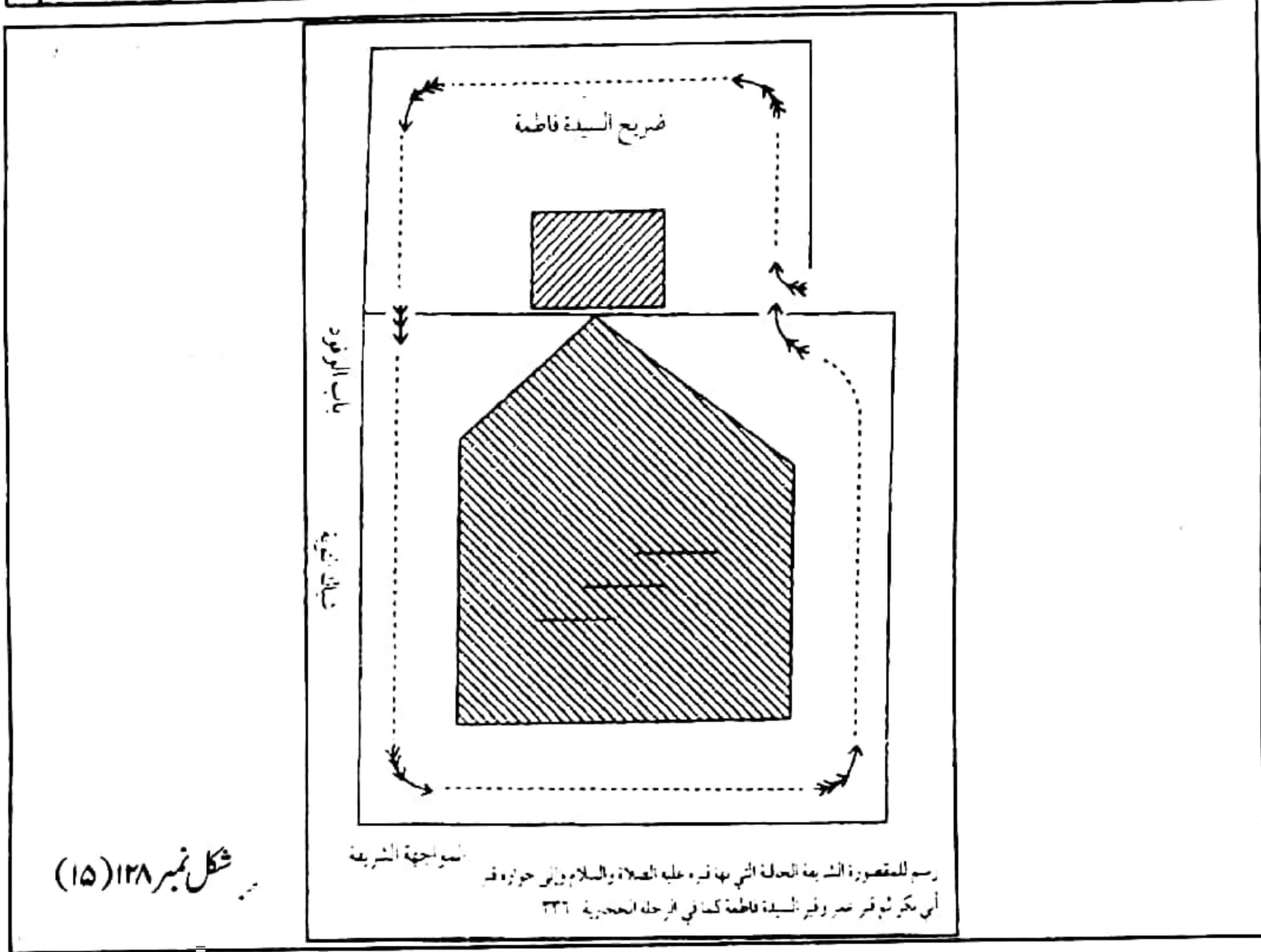
شکل نمبر ۱۲۸(۱۵)

اس کے بعد روضے کے اندر سے قبروں کو ایک دیوار کے ذریعہ ان کے چار اطراف سے احاطہ دے دیا گیا تا کہ یہ چوکور عمارت بن جائے اور اس کے شمال مغربی زاویہ میں سوراخ رکھا گیا تا کہ یہ عمارت کعبہ مشرفہ کی عمارت کے مشابہ نہ بن جائے، اس کے شمالی کونے کی لمبائی تقریبا ۱۲ میٹر اور مغربی کونے کی لمبائی تقریبا 8.5 میٹر ہے اور باقی دونوں کونے اپنے اندازے پر ہیں سوائے دو میٹر کے سوراخ کے۔ شاید یہ تبدیلی اس وقت عمل میں لائی گئی جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گنبد اور دیگر آئمہ بقیع علیہم السلام کے روضوں کو ۷ شوال ۱۳۴۴ھ میں وہابی ٹولے کے سربراہوں کے حکم کے مطابق منہدم کر دیا گیا، کیونکہ وہابی ٹولہ قبروں کی تعمیر کو حرام سمجھتا ہے۔

الضريح النبوي الشريف أيام الحكم السعودي منذ عام ١٣٤٤ هـ

شکل نمبر ۱۲۹(۱۶)
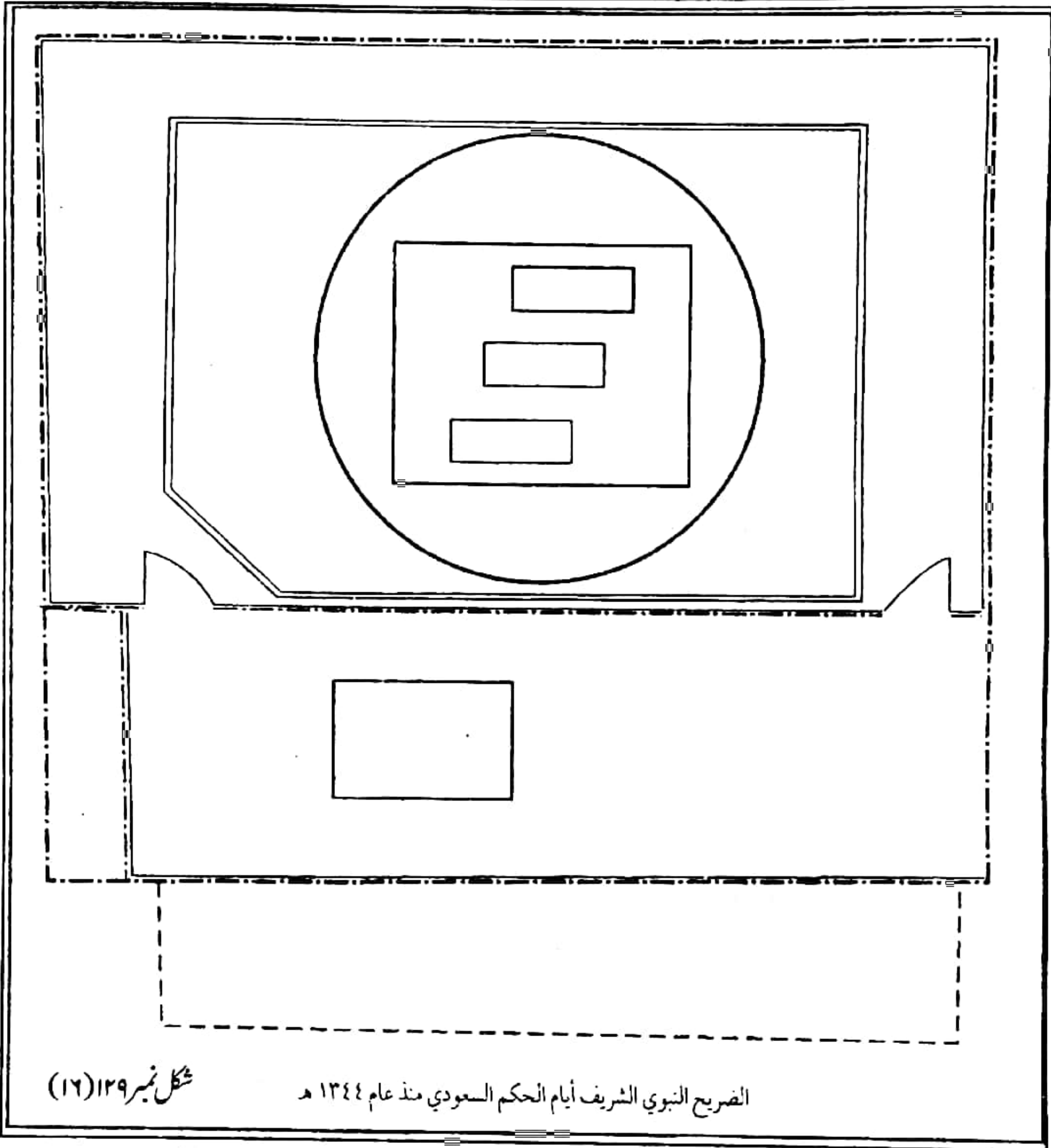
ہماری آخری اطلاع [۱] کے مطابق روضے کے اندر موجود سوراخ اس وقت موجود نہیں ہے اور نہ ہی کم از کم اندازے کے مطابق اس کا کوئی نشان نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اسے دیوار یا لکڑی کے ذریعے بند کر دیا ہو۔ یا پھر اسے اس سبز پردے کے ساتھ مکمل طور پر ڈھانپ دیا ہو جو دیوار پر پڑا ہوا ہے اور مشرقی کونہ مغربی کونے کے اور شمالی کونہ جنوبی کونے کے برابر ہو گیا اور سوراخ اسی میں چھپا ہوا ہو۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ روضے کا وہ مشرقی دروازہ جو جناب زہراؑ کے گھر اور قبر کے چوکھٹے کے درمیان رابطے کا کام دیتا ہے وہ اسی سوراخ میں ہی واقع ہے۔

---

① یعنی ۱۴۱۸ھ میں

شکل نمبر ۱۳۰(۱۷)
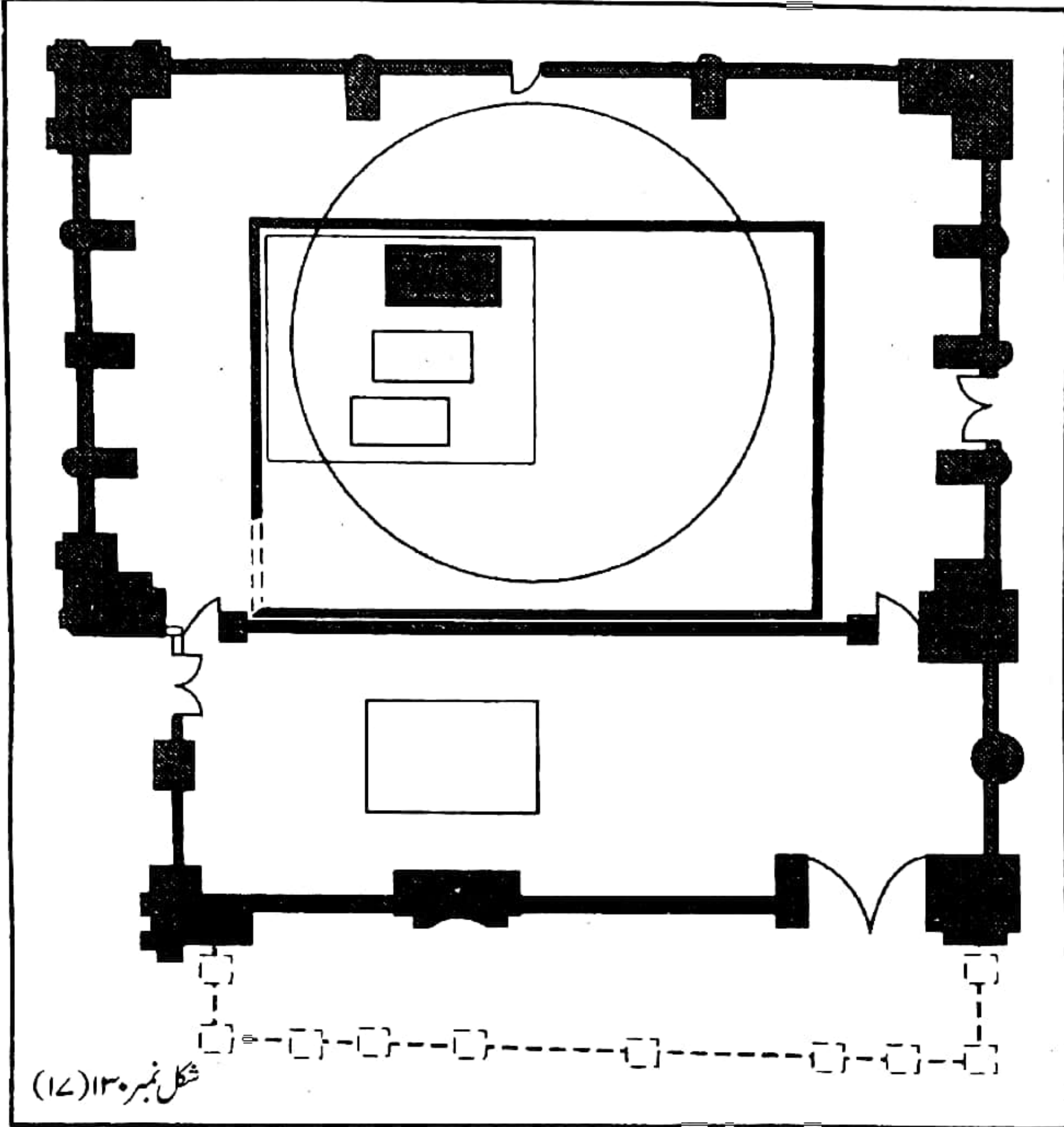
رہی حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر کے اندرونی حصے کی بات تو، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جالی کے نزدیک سبز پردے لٹکا دیے ہیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو پردوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اس کے باوجود ہم نے بھی اپنی مقدور بھر کوشش صرف کی ہے کہ ہمیں پیغمبر خداؐ کے روضہ مبارک کے بارے میں مکمل معلومات مل سکیں کہ اس سارے عرصے میں خصوصاً ۹۲۶ھ سے آج تک اس میں کیا کیا اور کون کون سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں؟۔لیکن نہ تو ہمیں کوئی ایسا مولف مل سکا ہے جو اس کی مکمل تاریخ بتاتا اور نہ ہی کوئی ایسا بزرگ ملا جو ہمیں مکمل معلومات فراہم کرتا، چنانچہ ہم نے لندن میں موجود سعودی سفارت خانہ کے ذمہ دار متعلقہ عملہ سے ٹیلیفون اور خط و کتابت کے ذریعہ معلومات منگوانے کی کوشش کی، انہوں نے ہمارے ساتھ وعدہ تو کرلیا کہ وہ اس بارے میں تعاون کریں گے لیکن ابھی تک بلکہ اس کتاب کی طباعت تک ہمیں کسی قسم کی معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔ بقول مترجم: وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا۔

روضہ مبارک کے چار دروازے ہیں

پہلا دروازہ

روضے کی جنوبی طرف ایک دروازہ ہے جس کا نام "باب التوجہ" یا "باب التوبہ" ہے اور اس پر چاندی کی پتری چڑھی ہوئی ہے۔ جس پر اس کی تاریخ صنعت مرقوم ہے یعنی ۱۰۲۶ھ اور یہ وہ دروازہ ہے جسے عثمانی بادشاہ سلطان احمد اول نے بطور ہدیہ پیش کی اور ۶۶۸ھ سے اب تک موجود ہے۔

تصویر نمبر ۱۳۱ (۱۸)	باب التوجہ یا باب التوبہ	صفحہ نمبر ۳۶۳

دوسرا دروازہ

یہ دروازہ روضے کے شمالی طرف میں ہے اور اس کا نام "باب التہجد"[۳] ہے اور اسے "باب الشامی" بھی کہتے ہیں۔ اسے ۷۲۹ھ میں اس وقت تعمیر کیا گیا جب شمال کی طرف دونوں رواق (برامدوں) کا اضافہ کیا گیا۔[۴]

شکل نمبر ۱۳۲ (۱۹)	باب التہجد یا باب الشامی	صفحہ نمبر ۳۶۴
شکل نمبر ۱۳۳ (۲۰)	باب التہجد یا باب الشامی	صفحہ نمبر ۳۶۴

---

① احمد اول ابن محمد ثانی ابن مراد ثالث، عثمانی بادشاہ (۹۹۸ھ-۱۰۲۶ھ) بارھواں عثمانی بادشاہ جس نے ۱۰۱۲ھ میں حکومت کی۔

② کتاب "المدینۃ المنورہ تطورھا العمرانی" صفحہ ۷۹

③ اسے باب التہجد اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ ستون تہجد کے بالمقابل ہے جہاں رسالت مآبؐ نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔

④ کتاب "نزھۃ الناظرین" صفحہ ۲۰۹۔

تیسرا دروازہ

یہ دروازہ مشرق کی طرف ہے اور ''باب فاطمہؑ'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کے نزدیک ہے اور ٦٦٨ھ [1] سے اب تک موجود ہے۔ اس کی اونچائی ۱۸۰ سینٹی میٹر اور چوڑائی تقریباً ایک میٹر ہے۔

تصویر	صفحہ
تصویر نمبر ۱۳۴ (۲۱) مینار کے مشرقی حصہ میں واقع دروازہ موسوم بہ ''باب فاطمہؑ''	صفحہ نمبر ۳۶۵
تصویر نمبر ۱۳۵ (۲۲) مینار کے مشرقی حصہ میں واقع دروازہ موسوم بہ ''باب فاطمہؑ''	صفحہ نمبر ۳۶۱
تصویر نمبر ۱۳۶ (۲۳) باب الوفود جسے بعض لوگ غلطی سے باب التوبہ کہتے ہیں۔	صفحہ نمبر ۳۶۵

چوتھا دروازہ

چوتھے دروازے کا نام ''باب الوفود'' ہے جو مغرب کی سمت واقع ہے۔ باب الوفود اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ''ستون وفود'' [2] کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ۸۸۸ھ سے اب تک موجود ہے اس وقت مذکورہ سارے دروازے مسدود ہیں سوائے ''باب فاطمہؑ'' کے اور اسی دروازے کے ذریعہ ہی لوگ روضے کے اندر جاتے ہیں۔ اس لئے کہ روضے کی عمارت میں کہیں اور سے جانا ناممکن ہے کیونکہ ہر طرف پردے پڑے ہوئے ہیں اور کوئی دوسرا دروازہ موجود نہیں ہے۔ [3]

---

① نزھۃ الناظرین صفحہ ۵۷۔ آثار المدینۃ المنورۃ صفحہ ۹۴۔

② وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۶۱۱۔ آثار المدینۃ المنورہ صفحہ ۹۶۔ یہ دروازہ ستون حفاظت یعنی ستون حضرت علی اور ستون وفود کے درمیان واقع ہے۔

③ تاریخ المسجد النبی الشریف صفحہ ۱۸۸۔

یہ بات اپنی جگہ پر ایک اور بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ کہ روضہ رسولؐ نے مکمل طور رعلیؑ اور فاطمہؑ کے گھر کو اپنے اندر لیا ہوا ہے اور وہ اس کے شمالی جانب ہے اور تقریباً اس کا سارا عرض بھی اسی روضے کے اندر میں ہے۔ جبکہ تینوں قبریں (پیغمبر خداؐ اور شیخین کی قبریں) اس کے جنوبی حصے میں ہیں۔ لیکن اگر یہ قول تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا سارا گھر مزکورہ صورت میں کہ جس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے [illegible] ضروری ہو جائے گا کہ تینوں قبروں کا محل وقوع روضہ کے جنوب غربی حصے میں ہو۔ حالانکہ ایسا ہونا بعید از خیال ہے۔ ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل نقشہ۔

جهة الجنوب
قبر الرسول (ص)
قبر ابي بكر
قبر عمر
بيت سودة
۸,۵م
۱۱,۵م
جهة الغرب
بيت ام سلمة
بيت فاطمة عليها السلام
۱۲م
اسطوانة التهجد
۱۶م
جهة الشمال

شکل نمبر ۱۳۷ (۲۴)
ارتفاع البيت ۲ متر او ۳,۵ متر
مقصورة رسول الله ﷺ

---
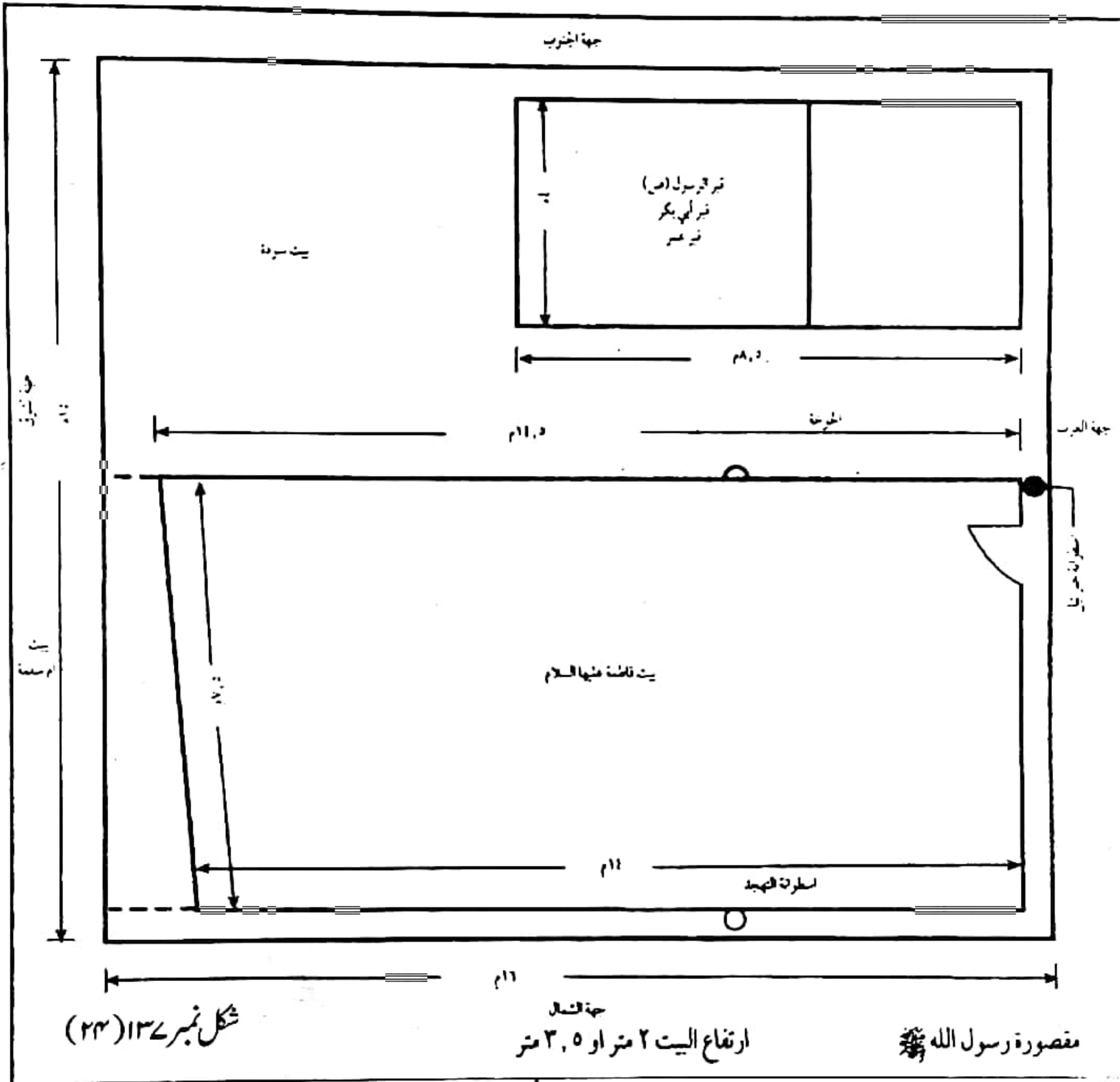
① اس کا تفصیلی جائزہ بیان ہو چکا ہے البتہ یہ احتمال ہے کہ دونوں چبوترے بیت فاطمہؑ کا جزو ہیں۔ لیکن مشہور ہے کہ آپؑ کا سارا گھر روضے میں شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

صورت حال خواہ کچھ بھی ہو اس وقت حضرت فاطمہؑ کے گھر کی زمین کو سنگ مرمر سے مزین کیا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا عثمانی بادشاہ سلطان سلیمان قانونی کے عہد حکومت میں ہوا اور کھلی جگہ کے جنوب کی طرف دو دروازے ہیں ایک مغرب کی جانب اور ایک مشرق کی جانب۔ اس مقام پر ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہماری رائے اس قول کے ساتھ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے گھر میں ہی مدفون ہیں۔ کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ جن حالات میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت فاطمہ زہراؑ کو دفن کرنا چاہا کہ کسی کو اطلاع دیئے بغیر ان کی تشیع جنازہ اور تدفین کے لئے انہیں جنت البقیع لے جایا جائے اور اس با فضیلت جگہ اور ان کے والد گرامی کے قرب اور روضہ و مسجد کے قرب کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ان معظمہؑ کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا ہے تو ہم اس بات کو ترجیح دیں گے انہیں ان کے حجرے ہی میں دفن کیا گیا کہ گھر کے صحن میں۔ ہمارے اس قول کی تائید شیخ غروی کی اس گفتگو سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے کہا کہ:

''میں ۱۳۸۹ھ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مطہر کے اندر اس دروازے سے گیا جو ''باب فاطمہؑ'' کے نام سے معروف اور مشرقی طرف سے ہے تو میں ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جس کا رقبہ تقریبا 5x10 تھا' اس کے درمیان میں ایک قبر تھی جو سطح زمین سے تقریباً دو میٹر سے زیادہ بلند ہوگی۔ اس کی بلندی مخروطی شکل میں تھی۔ لمبائی تقریبا تین میٹر اور چوڑائی اندازاً دو میٹر' اس کے اور قبر پیغمبرؐ کی شمالی جالی کے درمیان تقریبا 1.5 میٹر کا فاصلہ تھا اور جنوبی جالی سے 1.25 میٹر کا۔ مغربی جالی سے تقریبا 2.5 میٹر اور شرقی جالی اندازاً 2.5 میٹر دور تھی۔ قبر کے سرہانے چکی اور ہاون رکھے ہوئے تھے[3] وہ کہتے ہیں ''قبر پر گلابی رنگ کے کپڑے کا پرانا غلاف پڑا ہوا تھا' جس کے شمالی حصے پر یہ عبارت تحریر تھی ''ہذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللہؐ'' (یہ قبر دختر رسولؐ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ہے) اس کمرے اور رسول اعظمؐ کی قبر کے درمیان لوہے کی ایک جالی تھی جس میں دو دروازے تھے۔ ایک مشرق کی طرف سے تھا جو بند تھا اور دوسرا مغرب کی جانب سے۔ میں اس کے اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں پر ایک تنگ سا راستہ ہے۔ جس کا عرض ایک میٹر سے زیادہ نہیں تھا جو چھت تک ملی ہوئی بلند اندرونی دیوار جسے سبز غلافوں سے ڈھانپا ہوا ہے اور بیرونی سبز جالی کے درمیان واقع ہے۔

---

① کتاب ''مدینہ شناسی'' صفحہ ۸۶۔

② محمد بن محمد حسین بن محمد حسن غروی بتاریخ ۲۱/ ۸/ ۱۳۳۷ھ میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ علماء نجف سے علم حاصل کیا پھر تہران منتقل ہو گئے اور اس وقت لندن میں مقیم ہیں ان کے والد متوفی ۱۳۶۱ھ کا شمار مذہب امامیہ کے علماء وفقہاء میں ہوتا ہے۔ ان کی کی تالیفات ہیں۔ جن میں سے صلاۃ الجماعۃ، الانوار القدسیۃ اور اصول الفقہ بھی ہیں۔

③ لکڑی کا ہاون جسے عوامی اصطلاح میں ''جاون'' کہا جاتا ہے۔

جس نے دیوار کو چار اطراف سے اپنے احاطہ میں لیا ہوا ہے اور یہی دیوار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین کی قبروں کے چاروں طرف ہے۔ مربع شکل میں ہے جس کے شمال مشرقی کونے میں ایک سوراخ ہے۔ چنانچہ جب میں دوسرے دن زیارت کے لئے وہاں گیا تو شمال کی طرف واقع جالی سے روضے کے اندر جھانکا تو جناب زہراؑ کی قبر کے بوسیدہ غلاف کی بجائے ہلکے سبز رنگ کا نیا غلاف پڑا ہوا دیکھا۔ البتہ اس پر تحریر وہی پہلی تھی۔ تو میں نے سید حبیب [1] احمد سے اس تبدیلی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ گزشتہ رات ہم نے اس غلاف کو بدل کر دوسرا غلاف چڑھایا ہے کیونکہ وہ کافی بوسیدہ ہو چکا تھا۔ میں نے ان سے مذکورہ تحریر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا، ''ہم نے اس تحریر کو اپنے حال پر باقی رکھا ہوا ہے۔ اور یہ عہد عثمان سے اسی طرح موجود ہے۔ اور اپنی حالت پر باقی ہے۔'' غروی کہتے ہیں: جب کئی سال بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ ان معظمہؑ کی قبر پر مٹیالے رنگ کا سبز غلاف پڑا ہوا تھا جس نے تحریر کو چھپا دیا تھا۔ اس سے ان ایام میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کی بعض تفصیلات کا حصول ہمارے لئے ممکن ہوتا ہے اسی گھر کے بارے میں ابن مردویہ [2] اور بریدہ [3] کہتے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ" [4] (ایسے گھروں میں کہ جن کی تعظیم کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کے نام کو یاد کیا جاتا ہے۔ سورہ نور/۳۶)

تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر آپؐ سے سوال کیا یا رسول اللہ! وہ کونسے گھر ہیں؟ فرمایا: انبیاء کے گھر ہیں! پھر حضرت ابو بکر نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ: یہ گھر بھی انہیں میں سے ہے؟ اس سے ان کی مراد حضرت علیؑ اور فاطمہ علیہا السلام کا گھر تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! بلکہ یہ ان سب گھروں سے افضل ہے۔ [5] یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر کا سامنے کا حصہ مغرب کی طرف ڈیڑھ میٹر جنوب سے اور 1.44 میٹر شمال سے اندر کو داخل ہے۔

---

① سید حبیب احمد اس زمانے میں اوقاف مدینہ کی مشاورتی کونسل کے چیئر مین تھے، ان کے شاہی خاندان اور دیگر اعلیٰ حکام سے اچھے تعلقات تھے۔

② ابن مردویہ یعنی احمد بن موسیٰ بن مردویہ اصفہانی (۳۲۳ھ-۴۱۰ھ) اسے ابن مردویہ کبیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ''حافظ قرآن، مورخ، اور مفسر تھا، المسند، المستخرج، التاریخ اور تفسیر القرآن اس کی تالیفات ہیں۔

③ بریدہ بن حصیب بن عبداللہ اسلمی صحابی پیغمبرؐ اور راوی ہیں۔ جنگ بدر سے پہلے اسلام لائے، جنگ خیبر اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ پیغمبر خدا نے انہیں بنی غفار قبیلہ کی طرف بھیجا ۶۳ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

④ سورہ نور آیت ۳۶۔

⑤ فضائل خمسہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ از در منثور سیوطی اسی آیت کے ذیل میں۔

اس کے گرد لکڑی کی متحرک دیوار سے جو تقریبا ۲/۳ میٹر اونچی ہے۔ اور یہی دیوار پیغمبر اکرمؐ کی ضریح اقدس کی جالی کے تقریبا سامنے ہے جبکہ ''باب فاطمہؑ'' اس دیوار کے درمیان میں ہے جو پیغمبرؐ کے روضے اور شمالی ستون کے درمیان ہے۔ اس کی چوڑائی تقریبا ایک میٹر ہے اس دروازے کے دو کواڑ ہیں جو روضہ رسولؐ کی دیوار سے تقریبا 40 سینٹی میٹر دور ہے۔

حضرت فاطمہؑ کے گھر کا شمالی حصے کے سامنے والی جگہ میں جالی دار دروازہ ہے جس طرح پیغمبرؐ کے روضے کی جالی ہے۔ اس کے سامنے ایک چبوترہ ہے جو مسجد کی سطح سے تقریبا ۲۰ سینٹی میٹر بلند ہے۔ اور مغرب کی طرف سے 2.68 میٹر اور مشرق کی طرف سے 2.38 میٹر چوڑا ہے۔

اس کی لمبائی شرقاً، غرباً جالی سے آدھا میٹر کم ہے۔ چبوترے پر حدیدی پتھر کی باڑ لگی ہوئی ہے جو نصف میٹر سے زیادہ بلند ہے۔ اس پر سے دو راستے گزرتے ہیں ایک مشرقی زاویہ کے قریب سے اور دوسرا مغربی زاویہ کے نزدیک سے مومنین خدا کے قرب کے حصول کے لئے یہاں پر کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ محراب تہجد اور اس کی مشرقی جانب سے نصف حصے کے بعد جیسا کہ گزشتہ تصویر میں واضح کیا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ: جیسا کہ تحریر شدہ نقوش سے:

حاصل کلام یہ کہ قرون اولی سے اب تک تحریر شدہ نقشوں، خود موقعہ پر موجود زمین کو دیکھنے، مورخین کہ جن کا ذکر ہو چکا ہے، کی تصریحات اور ہماری اپنی معلومات کے تحت ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دور حاضر میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کی حدود اس طرح ہیں: شمال کی طرف سے شمالی چبوترے پر جا ختم ہوتی ہیں جس پر حدیدی① پتھر کی باڑ لگی ہوئی ہے۔ مشرق کی طرف سے ''باب فاطمہؑ'' کے پاس ختم ہوتی ہیں جو مشرق کی طرف ہے۔

اس صورت میں یہ پیمائش باب فاطمہؑ میں شامل نہیں ہے جب کہ اس کے برعکس شمال سمت اس میں شامل ہے۔ جنوبی طرف سے گھر کی حدود اس جالی سے جا ملتی ہیں جو گھر اور تینوں قبور کے درمیان حد فاصل ہے اور مغرب کی طرف سے وہ جالی ہے۔ جو حضور پاکؐ کی ضریح اقدس تک ملی ہوئی ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب اس قول کو تسلیم کیا جائے کہ گھر کا طول ۱۴ میٹر تھا لیکن اگر یہ قول تسلیم کیا جائے کہ گھر کی لمبائی ۹ میٹر تھی۔ جسے ہم بھی ترجیح دیتے ہیں۔ تو ظاہر یہ ہے کہ روضہ کی مغربی جانب کا حصہ سیدہ کے گھر سے نہیں تھا۔ بلکہ مسجد کا حصہ تھا جسے روضہ میں داخل کر دیا گیا اور ابن زبالہ نے اس کی حد ۵ ۱/۲ میٹر بتائی ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔ اگر اس بات کو معتبر مانا جائے کہ آج تک محراب تہجد روضہ کے اندر شامل ہے اور یہ قول بھی اس کے ساتھ ملایا

① پہلے یہاں سمیکہ پہاڑ کے پتھروں کے ستونوں والی قابل انتقال باڑ ہوتی تھی۔

جائے کہ پیغمبر اکرمؐ کی قبر مبارک اس جالی کے مقابل میں ہے جو ستون سریر اور ستون حفاظت (ستون علی بن ابیطالبؑ) کے درمیان ہے اور اس قول کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جو فاصلہ روضہ پیغمبرؐ اور روضہ حضرت زہراؑ کے درمیان اس لئے قائم کیا گیا فاطمہ زہراؑ کے گھر کی حد بندی کی جا سکے اور اس کے ساتھ ہی روضہ مبارکہ کے قدیم نقشوں کو ملاحظہ کیا جائے جن میں اس کی کیفیت اور حدود بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ان تاریخی کتابوں کا مطالعہ کی جائے جن میں بی بی عائشہ کے گھر کی کیفیت اور رقبہ کی حد بندی کی گئی ہے اور یہ بھی کہ ان دونوں گھروں کی حدود مغرب کی طرف سے مسجد نبوی سے ملی ہوئی ہیں۔ تو اس نقشہ کو ملاحظہ فرمایئے۔

شکل نمبر ۱۳۸ (۲۵)

(۱) قبر الرسول الکریم محمد (ص)
(۲) قبر ابی بکر
(۳) قبر عمر
(٤) اسطوانة السریر
(٥) شباك التوبة
(٦) اسطوانة المحرس (الحرس) علي بن أبي طالب (ع)
(۷) باب الوفود
(۸) اسطوانة الوفود
(۹) اسطوانة جبرائيل
(۱۰) الباب الشامي (التهجد)
(۱۱) محراب التهجد
(۱۲) باب فاطمة
[۱۳] فناء بيت عائشة
(۱٤) محراب فاطمة
[۱٥] بيت عائشة
[۱٦] فناء بيت فاطمة
[۱۷] حجرة فاطمة
[۱۸] قبر فاطمة
(۱۹) اسطوانة التعريس
(۲۰) باب التوجه (التوبة)

مخطط المقصورة النبوية الشريفة، اعداد الشريف إبراهيم بن علي العياشي المدني.

مواجہہ سعادت

نبی ارسل للعالمین وهو سید الانام

محراب تہجد

باب الشام

مخطط المقصورة الشريفة كما في كتاب معالم المدينة

شکل نمبر ۱۴۱ (۲۸)

عجیب بات یہ ہے کہ نئی اور پرانی کتابوں میں روضہ رسولؐ کی جو 16 x 15 میٹر حدود بیانکی گئی ہیں وہ اس سے مطابقت نہیں رکھتیں جو اس سال ہمارے بعض دوستوں سے پیائش کر کے ہمیں بتائی ہیں۔اور وہ پیائش 20 x 13 میٹر ہے اور یہ پیائش اس پیائش کے تقریباً مطابق ہے جسے ''یمانی''[1] نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر یہی احتمال ہوسکتا ہے کہ سعودی کے اول دور میں روضہ مبارک کی مغربی جانب سے کچھ حصہ مسجد کی طرف لوٹا دیا گیا ہو اور شمال کی طرف سے روضے میں کچھ حصہ ملا دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم (ملاحظہ ہو ذیل کا نقشہ)

راجع كتاب انها فاطمة : ۱۷۶
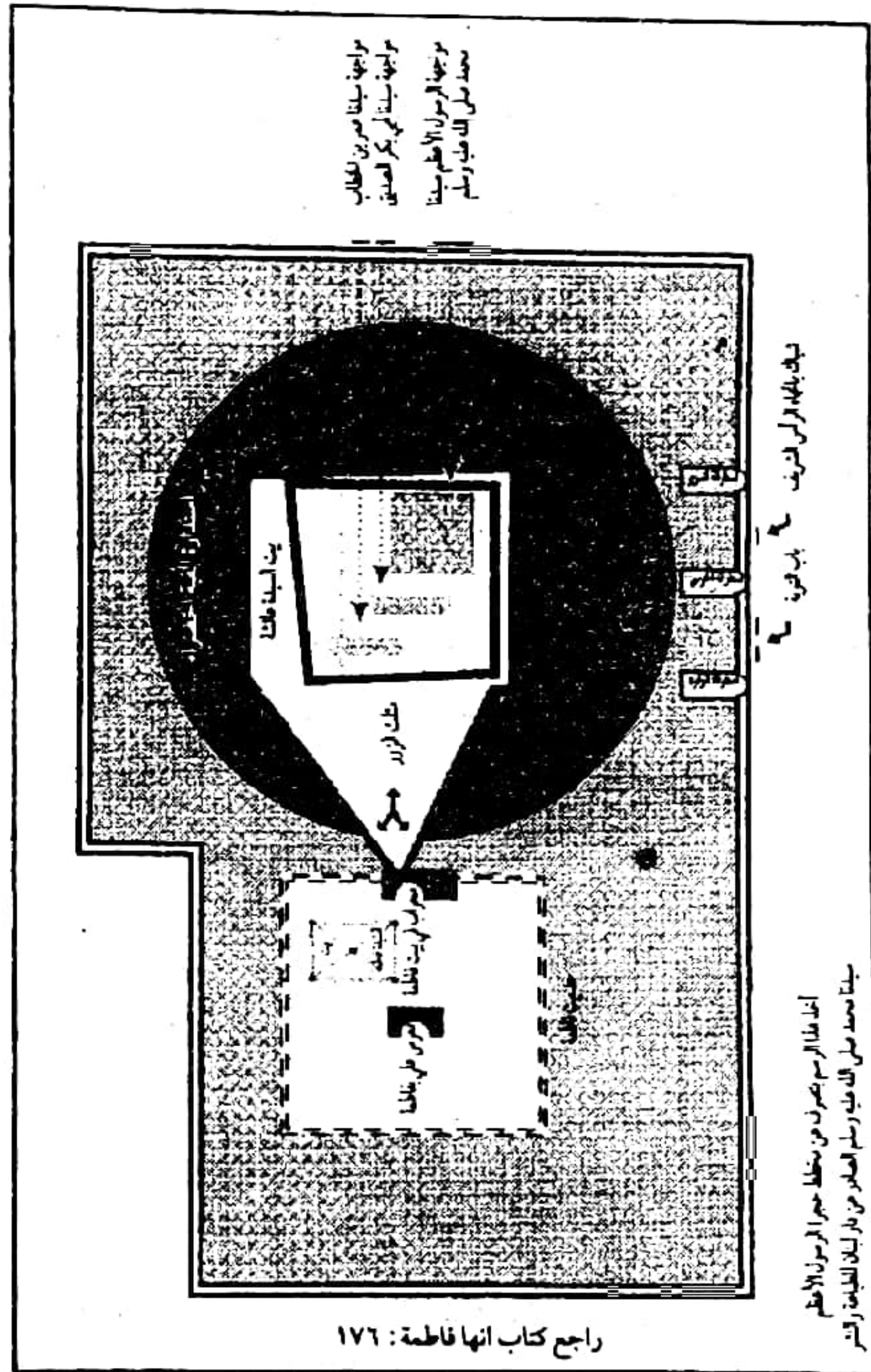
شکل نمبر۱۴۲(۲۹)

① ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی، سعودی حکومت کے وزیر رہے ہیں، بہت سی تالیفات بھی کی ہیں جن میں سے ایک دو کے نام یہ ہیں ''علموا اولادكم محبة آل النبیؐ'' اور ''للعقلاء فقط نظرات علمية حول غزو الفضاء''۔

آخر میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ابن جبیر [1] کے سفر نامہ کی طرف اشارہ کریں اور انہوں نے ۵۷۹ھ میں مکہ مکرمہ کی زیارت کے دوران جو مشاہدات بیان کئے ہیں اور اس مکان کا چشم دید مشاہدہ بیان کیا ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''دار خدیجۃ الکبریٰ'' کے عنوان سے اپنے جو تاثرات بیان کئے ہیں وہ یوں ہیں۔

''اور میں نے...... حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضوان اللہ علیہا) کے گھر کی اندر سے زیارت کی، وہاں پر ''گنبد وحی'' موجود ہے اور اسی گھر میں حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کے جائے ولادت بھی ہے۔ اور یہ ایک چھوٹا سا گھر ہے جو مستطیل صورت میں ہے مقام ولادت ایک چھوٹے سے حوض کی مانند ہے۔ اس کے درمیان میں ایک سیاہ پتھر بھی ہے۔ اسی گھر کے اندر حضرت فاطمہ الزہرا (سلام اللہ علیہا) کے دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کی جائے ولادت بھی ہے۔ حسنؑ کے جسم مبارک کو زمین کے جس حصے نے سب سے پہلے مس کیا وہ زمین کے اس حصے کے ساتھ بالکل ملا ہوا ہے۔ جس نے حسینؑ کے جسم کو سب سے پہلے مس کیا۔ ان جگہوں پر سیاہی مائل دو پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ گویا وہ ان دو مبارک اور کریم مولود مسعود کی جائے ولادت کی علامتیں ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان دونوں جگہوں کو اپنے رخساروں سے مس کیا، یہ سمجھ کر کہ یہ وہ مکرم مقامات ہیں جنہوں نے خصوصیت کے ساتھ دو کریم مولودوں کو مس کیا ہے۔ (رضوان اللہ علیہم)''

وہ آگے چل کر کہتے ہیں: ''مذکورہ جگہ پر ایک ولادت گاہ پر نشاندہی کیلئے لکڑی کا ایک چھوٹا سا قبہ رکھا ہوا ہے جو ادھر ادھر ہو سکتا ہے۔ جب کوئی زائر اس جگہ کی زیارت کیلئے آتا ہے تو اسے ہٹا کر اس بابرکت جگہ کو ہاتھ لگاتا اور برکت حاصل کرتا ہے۔ پھر اسے اپنی جگہ پر رکھ دیتا ہے'' [2]

---

(۱) محمد بن احمد بن جبیر کنانی اندلسی (۵۴۰ھ۔ ۶۱۴ھ) سیاح، ادیب اور شاعر، بلنسیہ میں پیدا ہوئے تین مرتبہ مشرقی اسلامی علاقوں کا دورہ کر چکے ہیں۔ ۵۸۱ھ میں بھی انہوں نے دورہ کیا ان کا یہی دورہ ''رحلۃ ابن جبیر'' کے نام سے مشہور ہے۔ ''نظم الجمان'' اور ''نتیجہ وجد الجوانح'' ان کی تالیفات میں شامل ہیں۔

(۲) کتاب ''رحلۃ ابن جبیر''۔ ۱۴۲

ایک اور مقام پر جہاں پر وہ حضرت خدیجہؑ کے گھر اور قبہ وحی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، کہتے ہیں: ''اور اسی گھر میں حضرت فاطمہ الزہراؑ نے جوانانِ جنت کے سرداروں حسنؑ اور حسینؑ کو جنم دیا۔ اور یہ مقدس مقامات محفوظ طریقے سے بند کر دیئے گئے ہیں جو ان کے شایانِ شان ہے۔''①

یہ سب کچھ اپنی جگہ پر، لیکن جب وہابیوں نے ۱۲۱۸ھ میں مکہ معظمہ پر قبضہ کیا تو ان سب جگہوں کو منہدم کر دیا اس کے باوجود جو بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ تمام اربابِ تاریخ اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسولؐ کے نواسوں اور جوانانِ جنت کے سرداروں یعنی حسنؑ اور حسینؑ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ہوئی ② ہمیں نہیں معلوم کہ جو بات ابن جبیر نے کہی ہے آیا ان کی غلطی ہے، حالانکہ یہ بات بھی بعید از امکان ہے، یا پھر وہاں پر رسولؐ کے نواسوں کے نام سے کوئی اور چیز موجود تھی۔③

علاوہ ازیں بوقتِ ہجرت حضرت فاطمہ الزہرا علیہا السلام کی عمر مبارک آٹھ سال تھی، اور امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۳ھ کو اور امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۴ھ کو ہوئی اور اگر یہ احتمال بھی دیا جائے کہ حضرت سیدہ طاہرہؑ بوقتِ ولادت حسنین شریفین اتفاق سے مکہ مکرمہ میں ہوں گی تو یہ بھی قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ کیونکہ جب سے سرکارِ رسالت مآبؐ اہل بیت اطہارؑ حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ نے جب سے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی فتح مکہ سے پہلے کبھی وہاں تشریف نہیں لے گئے جبکہ فتح مکہ کا واقعہ ۸ھ میں رونما ہوا۔ جس طرح یہ احتمال بھی نہایت ہی ضعیف معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے گھر میں بعض حضرات نے اہل بیتؑ کی ولادت گاہوں کے نشانات از خود بنا لئے ہوں کیونکہ اس دور میں اس قسم کی باتیں مرسوم نہیں تھیں جیسا کہ آجکل یہ سلسلہ چلا ہوا ہے اور پھر یہ کہ نشانات بنانے کا فلسفہ اس وقت کارفرما ہوتا ہے جب اصل کسی طرح دسترس سے باہر ہو۔ اور یہ بات مکہ اور مدینہ کی نسبت صادق نہیں آتی۔ لہٰذا نتیجہ کے طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو تاریخی حقائق سے بے بہرہ ہیں۔ واللہ عالم۔

---

① ''موسوعۃ العتبات المقدسہ قسم مکہ'' ۱۱۴منقول از رحلۃ ابن جبیر ۹۱

② قرشی کی کتاب ''درحیاۃ الامام الحسن'' جلد اول ۵۰ میں ہے کہ ''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حسنین علیہما السلام کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی ہے وہ مورخین کے اجماع کے خلاف کہتے ہیں''۔

③ ہاں البتہ فرید وجدی نے اپنی کتاب ''دائرہ معارف القرن العشرین'' جلد ۳/۴۴۳ میں امام حسنؑ کے حالات میں لکھتے ہیں اور آپ کی ولادت چھ سال قبل از ہجرت ہوئی۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر حسنین شریفین علیہما السلام کی ولادت مکہ میں ہوگی۔ لیکن بظاہر یہ ان کی قلمی غلطی ہے کیونکہ یہ بات ملتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۴ھ میں ہوئی۔ اسی طرح فرید وجدی کا کلام خود اپنی تردید بھی کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جناب فاطمہ الزہرا علیہا السلام کے حالات و واقعات میں اسی کتاب کی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۱۴ میں لکھا ہے: ''حضرت علی علیہ السلام نے ۲ھ میں حضرت فاطمہ الزہرا علیہ السلام سے تزویج کی''۔

حرف حاء

۱۔ قبر مبارک حسین علیہ السلام

۲۔ امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد کی ملاقات کا مقام

۳۔ قبر حبیب ابن مظاہر اسدیؓ ①

۴۔ قبر حر ریاحیؓ

۵۔ قبر حسینؓ شہید فخ

① احترام کی بنا پر ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر پر حبیب اور حر کی قبور کے تذکرے کو مقدم کریں۔ اسی طرح ''تل زینبیہ'' کے بارے میں بھی ہم نے گفتگو نہیں کی۔ کہ حرف ''تا'' کو پہلے ذکر کرتے۔ اور اس کا تذکرہ ''مقام سیدہ زینبؑ'' کے ذیل میں آئے گا۔

قبر مبارک امام حسین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام، علی و فاطمہ علیہا السلام کے فرزند، رسول خداؐ اور جناب خدیجہ الکبریٰؑ کے نواسے ہیں۔ نو معصوم اماموں کے باپ، دل ثقلین کے دل کا چین اور بتول عذراؑ کے نور العین ہیں۔ خداوند جلیل کے مخلوق میں سے پانچویں افضل ہستی ہیں۔ مدینہ منورہ میں تین شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔ اور دس محرم الحرام ۶۱ھ میں کربلا کے میدان میں شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے فضائل بے حد وانتہا ہیں۔ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے علی الاطلاق اعلم اور افضل ہیں۔ آپ کا مزار اقدس جو کہ کربلا معلیٰ میں ہے اس قدر شہرت کا حامل ہے کہ کسی شک کرنے والے کے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس مقدس مقام کی آئمہ مسلمین علیہم السلام، ان کے تابعین اور علمائے اعلام نے زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور سیرت و تاریخ کی کتابوں نے اس کی تائید کی ہے۔ اور کتاب "مسالک الاخبار" میں جو یہ روایت درج ہے کہ: "امام حسین علیہ السلام کا جسد اقدس اور سر مبارک مدینہ منورہ کی طرف لے جایا گیا اور وہاں پر ان کے بھائی حسن علیہ السلام کی قبر کے نزدیک لوگوں نے دفن کر دیا۔[①] شاذ قسم کی روایت ہے جس سے اجماع مسلمین بلکہ غیر مسلم مورخین کے اجماع پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حسینؑ یگانہ روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ جس طرح دیگر نابغہ ہائے تاریخ اور امت کے علماء اعلام کی تعریف جاتی ہے۔ لیکن ان کی طرح آپ کی کما حقہ تعریف و توصیف کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ آپ، پیغمبر مصطفیٰؐ سے ہیں اور پیغمبرؐ آپ سے ہیں۔ آپ کی محبت خدا اور رسول پر ایمان کی علامت ہے۔ آپ خدا کا ایسا نور ہیں جسے خدا نے پایہ تکمیل کو پہنچایا اور جلا بخشی اسے خواہ کفار و منافقین پسند نہ بھی کریں۔

اگر امام حسین علیہ السلام کا جہاد نہ ہوتا تو دین اسلام کا نام و نشان تک نہ ہوتا اور انسانیت کا مفہوم نہ ہوتا۔

① کتاب مقتل الحسینؑ، بحر العلوم صفحہ ۴۷۱ از اخبار الاول صفحہ ۱۰۹ از سالک الابصار۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے دین انسانیت کے ستون کو گرنے سے بچانے کیلئے لمحہ بھر کیلئے لاپرواہی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ زندگی کی تمام رونقوں اور عنایتوں کو اس پر قربان کر دیا اور یہ کہتے ہوئے میدان میں اتر آئے کہ: (بحر وافر)

الھی ترکت الخلق طرافی ھوا کا — وایتمت العیال لکی ارا کا

فلو قطعتنی بالحب اربا — لما مال الفواد الی سوا کا ①

''یعنی بارالہا میں نے تیری محبت میں تمام مخلوق کو ترک کر دیا۔ اور اپنے بچوں کو یتیم کرا دیا تا کہ تیرا دیدار کر سکوں اگر تو مجھے اپنی محبت میں ٹکڑے ٹکڑے کر دے، پھر بھی میرا دل تیرے سوا کسی اور کی طرف مائل نہیں ہوگا۔''

حسینؑ نے دین کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کر کے انسانیت کے دل و دماغ پر حکومت قائم کر لی اور آج جو بھی انسانیت کے حرف سے آشناء اور دین کے کلمہ کا سہارا لئے ہوئے ہے اور اس کی پختہ تعلیمات پر گامزن ہے، حسینؑ کو دل و جان سے چاہتا ہے۔

حسینؑ عالم انسانیت کیلئے بے تاج بادشاہ بلکہ فرشتہ نما انسان ہیں نہ نہ بلکہ اس سے بالاتر ہیں کہ انہیں اس قسم کی صفات سے متصف کیا جائے اور اس سے ماوراء ہیں کہ انہیں ان سے ملایا جائے کیونکہ آپ کی تخلیق ایسی طینت سے ہوئی ہے جو بشری تعریفات سے بالاتر ہے۔ حسینؑ کے خالق نے حسینؑ کو عزت و تکریم عطا کی ایسی تکریم و تعظیم جو اپنی آخری حدوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ خدا نے تمام مخلوق کو ان کی، ان کے نانا، بابا، والدہ اور بھائی کی عزت و عظمت کی وجہ سے تخلیق فرمایا۔ ②

جب سے سرزمین کربلا نے آپ کو اپنی آغوش میں لیا ہے۔ اسی وقت سے آپ کا مرقد انور لاکھوں شرفاء اور آزاد منش لوگوں کا قبلہ گاہ تمام مومنین و موالیاں کی پناہ گاہ بن چکی ہے، خواہ ان کی زبان اور اقوام اور زمانے مختلف ہیں۔ دنیا بھر کے طاغوتوں کی مختلف چالوں، تدبیروں اور نیرنگیوں کے علی الرغم اس کا چراغ روز اول سے فروغ پذیر ہے اور عالم انسانیت کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ چالیں چلتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کو ناکام بناتا رہا اور خدا یقیناً بہترین طریقے پر ان چالوں کو ناکام و نامراد بنانے والا ہے۔ حسینؑ کا مزار مبارک دو دھاری تلوار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جسے حکام و سلاطین امراء اور وزراء حربے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ایک طرف تو اپنے اقتدار کیلئے سہارا سمجھتے ہیں تو دوسری طرف سرکوبی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

---

① دائرۃ المعارف کے ''دیوان امام حسینؑ کا مطالعہ کیا جائے۔

② حدیث کساء سے ماخوذ ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف کا باب الاحادیث۔

انہی حالات کی روشنی میں آپ کے مزار اقدس کی یہ تاریخ لکھی جا رہی ہے جس پر ہم اپنے مقدور بھر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے اور جتنا ممکن ہو سکا تاریخی حقائق پیش کریں گے خواہ جلدی میں اور اختصار کے ساتھ ہی ہوں۔ امید ہے کہ قارئین کرام کو پسند آئے گی جبکہ اس سے پہلے صاحب مزار علیہ التحیۃ والثناء کو اور ان کے جد امجد رسول گرامی کو اور سب سے بڑھ کر ذات کردگار جل وعلا کو پسند آئے گی۔

آپ کے مزار اقدس کی تاریخ ایسے تاریخی تسلسل کے ساتھ پیش کی جائے گی جو ہجری صدیوں کے عنوان کی روشنی میں نمایاں ہو گی۔ ہم اپنی مقدور بھر کوشش کریں گے کہ اس تاریخی حیثیت کو ان نقشوں، تصویروں اور [1] چارٹوں کی مدد سے واضح کریں۔ جو تاریخی نصوص اور احادیث شریفہ سے حاصل کئے گئے ہیں۔

امید ہے کہ ہم اس مرقد مبارک اور مزار مقدس کے بارے میں مفصل اور مؤثق تحقیق کی عمارت استوار کرنے کیلئے سنگ بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تاکہ بعد میں آنے والے محققین و مورخین اس عمارت کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ خداوند عالم سے ہماری دعا ہے اس کیلئے عین توفیق عنایت فرمائے یقیناً وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔

(1) سید حسن بن زیدان کاظمی جو کہ ۱۳۷۷ھ میں کربلا معلیٰ میں پیدا ہوئے ہیں۔ کو میں نے اس بات کی زحمت دی کہ وہ ایسے نقشے اور خاکے بنا کر دیں جو مزار مقدس کے بارے میں حقیقت پر مبنی ہوں، تو انہوں نے میری اس خواہش کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرما لیا۔ (آنے والے ابواب میں تصاویر اور خاکے انہی کی کاوش کا نتیجہ ہیں)۔

سید الشہداء امام حسینؑ کا مزار مقدس
صدیوں کے آئینے میں

پہلی صدی ہجری

۶۲۲-۷-۱۶ تا ۷۱۹-۷-۲۳ء

سب سے پہلے جس حر نے قبر ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام[۱] کا نشان بنایا وہ "بنی اسد"[۲] تھے۔ جب انہوں نے حضرت امام سجاد علیہ السلام کی رہنمائی میں شہادت کے تیسرے دن تیرہ محرم الحرام ۶۱ھ میں امام مظلوم کو دفن کیا[۳] جیسا کہ ابن قولویہ[۴] نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی اس روایت کو درج کیا ہے جو انہوں نے حضرت امام سجاد زین العابدین علیہ السلام سے بیان فرمائی۔ "اللہ تعالی نے اس امت کے کچھ لوگوں سے میثاق لیا ہے، ان لوگوں کو اس امت کے فرعون نہیں جانتے ہوں گے حالانکہ وہ آسمان والوں میں مشہور ہیں اور وہ لوگ ان متفرق اعضاء اور ان کے خون آلود اجسام کو جمع کر کے دفن کر دیں گے۔ اور کربلا کی سرزمین میں تمہارے امام سید الشہد اعلیہ السلام کی قبر کا نشان مقرر کریں گے جو شب و روز کی گردش کے باوجود نہیں مٹنے پائیں گے۔۔ پھر اللہ تعالی تمہاری قوم سے کچھ لوگوں کو بھیجے گا جنہیں کفار نہیں پہچانتے ہوں گے۔ اور وہ ان مقدس خونوں میں ان کے قول، فعل اور نیت کے ساتھ کسی طرح شریک نہیں ہوں گے۔ پس وہ ان کے اجسام کو زمین میں دفن کریں گے۔ اور سرزمین کربلا میں سید الشہد ا کی قبر کا نشان مقرر کریں گے جو اہل حق کے لئے نشانی ہوگا اور مومنین کی کامیابی کا سبب ہوگا"۔[۵]

چنانچہ سید ابن طاؤس[۶] فرماتے ہیں کہ "ایسا ہی ہوا" چنانچہ وہ کہتے ہیں:

---

① معلوم ہے کہ مرقد حسینی کی تاریخ کا آغاز امامؑ کی تدفین کے دن یعنی ۱۳ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۶۸۰ھ سے ہوا ہے

② بنی اسد ایک عرب قبیلہ ہے جو مقام طف کربلا کے نزدیک غاضریہ نامی گاؤں میں سکونت پذیر تھا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت سید الشہدا اور دیگر شہدائے کربلا علیہم السلام کے اجسام کو دفن کیا۔ ملاحظہ ہو دائرہ المعارف کا باب "اضواء علی مدینۃ الحسینؑ"، فصل جغرافیہ۔

③ اس کی تفصیل دائرہ المعارف کے باب سیرت میں ملاحظہ ہو۔

④ ابن قولویہ یعنی ابو القاسم جعفر ابن محمد بن جعفر قمی جن کا شمار مذہب امامیہ کے علمائے اعلام میں ہوتا ہے۔ فقیہ، محدث اور راوی ہیں۔ ان کی تصنیفات میں سے کتاب "مداواۃ الجسد" "کتاب الصرف" اور "کتاب الاضاحی" بھی ہیں لیکن "کامل الزیارۃ" کی وجہ سے انہیں زیادہ شہرت ملی ہے۔ ۳۶۷ھ میں وفات پائی اور کاظمین میں دفن ہوئے۔

⑤ "کتاب کامل الزیارت" صفحہ ۲۶۲۔ صفحہ ۲۶۵

⑥ سید ابن طاؤس یعنی علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن محمد بن احمد بن محمد طاؤس حسنی (بوجہ رضاعت) حسینی متوفی ۶۶۴ھ امامیہ مذہب کے علماء اعلام میں شمار ہوتے ہیں۔ بہت سی تصنیفات و تالیفات کے مالک ہیں۔ جن میں سے "کشف المحجۃ" "درالالھوف فی قتلی الطفوف" اور "الاقبال" زیادہ مشہور ہیں۔

''ان لوگوں نے سید الشہداؑ کی قبر کا نشان اسی ریتلی زمین میں مقرر کیا اور وہ اہل حق کیلئے ایک نشانی بنا ہوا ہے''۔ ①

ہوسکتا ہے کہ قبر مبارک ابتدا میں زمین سے تھوڑی سے بلند اور ظاہر ہو۔ جیسا کہ جابر② انصاری کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے جب انہوں نے سب سے پہلے③ اربعین کے موقعہ پر قبر ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام کی زیارت کی اور کہا'' قبر کو چھونے کیلئے میری مدد کرو''④ بلکہ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے کہ'' جناب سکینہؑ شام سے واپسی کے بعد اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر سے لپٹ گئیں''۔⑤ چنانچہ'' سماوی⑥'' شاعر اپنے بحر رجز کے اشعار میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔'' غاضریہ والے تین دن کے بعد اجسام کو دفن کرنے کیلئے آئے''۔ دشمن کے خوف سے ان کی آنکھیں بار بار راستے کی طرف اٹھ رہیں تھیں۔ انہوں نے لاشے کو دفن کرنے کیلئے گڑھا کھودا اور قبر بنائی، پھر ایک چٹائی لے کر آئے۔ لاش کو اس چٹائی پر رکھ کر اسے قبر میں اتارا۔ تا کہ وہ وہاں اتر کر، بلندیوں پر فائز ہو۔ یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ۔ ایک صاحب علم و تدبیر امام زین العابدین علیہ السلام کی راہنمائی کی وجہ سے، صاحبان تدبیر لوگوں کے ذریعہ سے۔ قبروں کے اوپر کچھ علامتیں لگا دیں اور نشانات مقرر کر دیئے جو قائم آل محمدؑ کے ظہور تک قائم و دائم رہیں گے۔ وہاں پر جابر اور عطیہ عوفی⑦ بھی بغیر کسی خوف و خطر⑧ کے زیارت کیلئے آئے۔ مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں قبر و مطہر کا نقشہ یوں ہوگا۔

تصویر نمبر ۱۴۳(۱)	ضریح مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام	صفحہ نمبر ۳۶۶

① کتاب'' مدینۃ الحسینؑ'' جلد اول صفحہ ۱۹'' اعیان الشیعہ'' جلد اول صفحہ ۶۲۷ از اقبال الاعمال۔

② جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حزام انصاری، خزرجی متوفی ۷۸ھ آپ کو حضرت رسول خداؐ، امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے معصوم فرزندان یعنی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام تک کی صحبت کا شرف حاصل ہوا بڑے راویوں اور آئمہؑ کے حواریوں میں شمار ہوتے ہیں۔

③ دائرۃ المعارف کے باب'' تحقیقات تاریخیہ فی النھضۃ الحسینیہ'' کا مطالعہ کریں۔

④ کتاب مدینۃ الحسینؑ جلد اول صفحہ ۱۹ از مقام زاخر'' المسوی القبر'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں پر کسی چیز واضح وجود تھا۔ کیونکہ جو قبر زمین کے برابر ہو عام طور پر'' المسوی'' نہیں کیا جاتا۔ اگر چہ یہ محال بھی نہیں ہے۔ خصوصاً جب اس چیز کو پیش نظر رکھا جائے کہ جابر انصاری بینائی سے محروم تھے۔

⑤ معالی السبطین جلد دوم صفحہ ۱۹۸

⑥ سماوی یعنی محمد بن طاہر (۱۲۹۲-۱۳۷۱ھ) قاضی اور مولف تھے۔ کربلا معلی اور نجف اشرف کے قاضی رہے ہیں۔'' ابصار العین''،'' الطلیعہ'' اور'' مناہج الاصول'' آپ کی تالیفات میں شامل ہیں۔

⑦ عوفی یعنی عطیہ عوفی بن سعد (سعید) بن جنادہ قیسی متوفی ۱۱۱ھ کا شمار موالیان اہلبیتؑ کے عظیم راویوں میں ہوتا ہے۔ پانچ اجزاء پر مشتمل تفسیر قرآن لکھ کر ابن عباس کو پیش کی

⑧ مجالی اللطف صفحہ نمبر ۱۸

ایک اور قول کے مطابق بنی اسد نے وہاں پر مسجد کی حد بندی بھی کردی تھی اور قبر اطہر پر سایہ کیلئے چھت بھی ڈال دی تھی اور ایک قول یہ بھی کہ انہوں نے قبروں پر انمٹ① نشانات② لگادیئے تھے۔شاید قبر مطہر کی یہ صورت ہو۔

تصویر نمبر ۱۴۴ (۲)	ضریح حضرت امام حسین علیہ السلام جب کہ اس پر چھپر بنایا گیا ہے	صفحہ نمبر ۳۶۶

- ۶۱ ھ تا ۶۳ کے درمیانی عرصہ کے متعلق مقدس③ کہتے ہیں۔عہد بنی امیہ میں امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے نزدیک ایک مسجد بنائی گئی.........پھر قبر مبارک کو موالی اور حبداروں نے پختہ بنایا''④
- ۶۴ ھ کے بارے میں ہندوستانی سیاح محمد ہارون⑤ کہتے ہیں ''ضریح مبارک کی صندوق خوبصورت اور جاذب نظر انداز میں سب سے پہلے ''بنو نضیر''⑥ اور ''بنی قینقاع'' نے تیار کیا اور شاید⑦ وہ اس صورت میں تھا۔

تصویر نمبر ۱۴۵ (۳)	حضرت امام حسین علیہ السلام کی ضریح مبارک کی صندوق	صفحہ نمبر ۳۶۷

---

① تاریخ کربلا صفحہ ۵۶ اور اسی کتاب میں ہے کہ شاید بنی اسد ہی نے مزار پر چھت ڈالی اور لکڑی گارے سے مسجد تعمیر کی لیکن جب امیر مختار سربراہ حکومت ہوئے تو مزار کی تعمیر کا کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسے اینٹوں اور گارے سے پختہ بنوایا۔

② انمٹ نشانات سے مراد شاید اینٹوں کی وہ تختیاں ہیں علاقہ میں دور سابقہ سے مروجہ چلی آرہی تھیں یا پھر پتھر کی وہ لوحین تھی جو اس علاقے میں عام طور پر مل جاتی تھی۔یا وہ کنکریاں تھیں جو نزدیک کے صحرا سے اکٹھی کی گئی تھیں یا پھر کھجور کے وہ تنے تھے جو خراب نہیں ہوتے۔

③ عبدالحمید خیاط کی کتاب ''تاریخ الروضۃ الحسینیہ'' صفحہ ۹

④ مدرس یعنی محمد باقر بن عبدالحسین ۱۳۴۵ھ میں ایران کے شہر بستان آباد میں پیدا ہوئے۔آیات عظام محسن حکیم، بروجردی، شریعمداری اور خوئی سے شرف تلمذ حاصل کیا، بارہ کے نزدیک کتابیں لکھیں جن میں ''شہر حسین'' بھی شامل ہے۔

⑤ محمد ہارون المعروف محمد ہارون زنگی پوری، ہندوستان سے تعلق تھا ۱۳۲۸ھ میں عراق کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

⑥ بنو نضیر اور بنو قینقاع، دو عرب قبیلے تھے جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کے نزدیک سکونت اختیار کی اور شاید یہ ان قبیلوں کی اولاد میں سے تھے جو زمانہ رسول پاکؐ میں مدینہ میں آباد تھے۔ان میں سے کچھ لوگ آنحضرتؐ ہی کے عہد مبارک میں دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔جیسا کہ یاقوت حموی نے معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۲۹۰ میں واقدی سے نقل کیا ہے کہ ''مخیریق'' بنو نضیر میں سے کا ایک اہل علم شخص تھا جو اسلام لے آیا اور اپنے اموال میں سے صدقہ کے طور پر دینے کیلئے آنحضرت کو وصی کی۔ملاحظہ ہو سمعانی کی کتاب ''الانساب'' مادہ ''نضیری'' نیز سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۴۷ ا بنو قینقاع میں سے جو لوگ اسلام لے آئے''۔

⑦ ''رحلۃ عراقیہ'' صفحہ ۹۹ ملاحظہ ہو رسالہ ''الموسم'' مطبوعہ ہالینڈ شمارہ ۱۴/۱۴۱۳ھ صفحہ ۳۳۹۔

یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب جماعت توابین نے ربیع الاول ۶۵ ھ میں ''عین الوردہ'' کی طرف جانے سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے مقصد سے کربلا پہنچی تو اسی صندوق کے گرد چکر لگایا، اس وقت ان کی تعداد تقریباً چار ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں نے قبر کو چاروں اطراف سے اس طرح گھیر لیا جس طرح حجاج کرام حجر اسود کو بوسہ دینے کیلئے گھیر لیتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جب وہ قبر مبارک کے پاس پہنچے تو امام مظلومؑ کے ساتھ شہادت کی تمنا میں زار و قطار رو رہے تھے۔ اس موقع پر سلیمان بن صرد کھڑے ہو گئے اور قبر منور کی طرف منہ کر کے کہا:

''خداوند! تو شہید ابن شہید، مہدی بن مہدی اور صدیق بن صدیق یعنی حسینؑ بن علی علیہ السلام پر رحم فرما، خدایا ہم تجھے گواہ بنا کر کہتے ہیں۔ ہم سب ان کے دین پر اور ان کی راہ پر گامزن اور ان کے قاتلوں کے دشمن ہیں اور ان کے حبداروں کے دوست ہیں'' اس کے بعد وہ اور دوسرے سارے لوگ وہاں پر ایک شب اور قیام کر واپس لوٹ گئے۔ ②

❁ ۶۶ میں جب مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے کوفے پر قبضہ کیا تو آپ کی قبر مبارک پر گچ اور اینٹوں کا گنبد تعمیر کرایا ③ اور اس کام کا ذمہ محمد بن ابراہیم بن مالک اشتر ④ نے لیا اور اس کے اطراف میں ایک بستی بسائی۔ ⑤ اس وقت قبر کی دونوں اطراف مشرق اور مغرب میں ایک ایک دروازہ رکھا گیا اور بقولے۔ یہ صورت حال ہارون الرشید کے عہد حکومت تک باقی رہی۔ ⑥

تصویر نمبر ۱۴۶ (۴) حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی مسجد	صفحہ نمبر ۳۶۷

① سلیمان بن صرد بن جون سلولی خزاعی، (۲۸ ق ھ۔۶۵ ھ) جلیل القدر صحابی رسولؐ مذہب امامیہ کے ذی وقار بزرگ جنگ جمل اور صفین میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی ہم رکابی میں شرکت کی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون ناحق کا بدلہ لینے کیلئے اموی حکومت کے خلاف تحریک توابین کی قیادت کی۔ شمالی عراق میں عین الوردہ کے مقام پر امویوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

② تاریخ الامم والملوک جلد ۳ صفحہ ۴۱۱ قمقام زخار جلد ۲ صفحہ ۴۹۰، مدینۃ الحسینؑ جلد ۱ صفحہ ۲۰۔

③ تاریخ کربلا صفحہ ۵۶، تاریخ مدینۃ الحسینؑ جلد اول صفحہ ۲۰ از نزھۃ اہل الحرمین'' صفحہ ۲۵

④ تاریخ کربلا صفحہ ۵۶ از تاریخ مدینۃ الحسینؑ جلد اول صفحہ ۲۰ منقول از کتاب ''ایران و عراق'' مولفہ علی خان بزبان اردو در حلہ عراقیہ محمد ہارون صفحہ ۹۹

⑤ تاریخ کربلا و حائر الحسین مولفہ عبدالجواد کلیدار صفحہ ۱۶۰ از کتاب نزھۃ اھل الحرمین صفحہ ۱۱۴ از کتاب کنز المصائب

⑥ عبدالحمید خیاط کی مصور کتاب تاریخ الروضۃ الحسینیہ ص نمبر ۹

سید محمد بن ابی طالب ① کہتے ہیں۔ ''قبر حسین علیہ السلام پر ایک مسجد تعمیر کی گئی اور یہ بنی امیہ کے بعد تک اور بنی عباس کے زمانے میں ہارون الرشید کے دور حکومت تک اسی طرح موجود رہی لیکن ہارون الرشید نے مسجد کو ڈھادیا اور بیری ② کے اس درخت کو بھی کاٹ دیا جو مسجد کے پاس اور قبر کے نزدیک اگا ہوا تھا۔ ③

شاعر ''سماوی'' اپنے رجز کے اشعار میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''اور اس کے بعد امیر مختار آ گئے۔ اور ان کے ساتھ خون حسینؑ کا بدلہ لینے والا لشکر بھی تھا انہوں نے قبر پر ایک مسجد تعمیر کی اور وہ سب سے پہلے اس کے بانی ہیں اور مسجد، قبر کے اردگرد باقی رہی۔ کیونکہ یہ عبادت کیلئے تعمیر کی گئی تھی۔ اپنی جگہ پر اس کی زیارت کی جاتی رہی، یہاں تک حکومت کی باگ ڈور سفاح کے ہاتھ میں آ گئی''۔ ④ ''سرکیس'' ⑤ نقل کرتے ہیں کہ ''امیر مختار نے امام عالی مقامؑ کی قبر کے اردگرد مسجد تعمیر کی اور اس پر گچ اور اینٹوں کا گنبد تعمیر کیا اور اس کیلئے دو دروازے بنائے'' ⑥

تصویر نمبر ۱۴۷ (۵) مختار نے مسجد کی دیواروں کے ذریعہ قبر مبارک کا احاطہ تعمیر کیا اور اس پر گچ اور اینٹوں سے دو دروازوں پر مشتمل گنبد تعمیر کیا۔	صفحہ نمبر ۳۶۷

مرقد مبارک سید الشھد اعلیہ السلام کے بارے میں عبد الجواد کلیدار اس درمیانی مدت کے بارے میں۔ اور جیسا کہ ہم نے احادیث وزیارات کے باب میں جن احادیث و روایات کو ذکر کیا ہے اور بعض روایات کو موقع کی مناسبت سے دوسری صدی ہجری کی گفتگو کے ضمن میں درج کیا ہے۔۔ کہتے ہیں کہ: ''یہ ایک مربع شکل میں ہے جس کے ایک کونے سے دوسرے کونے کا فاصلہ بیس سے پچیس میٹر بنتا ہے۔ اس کی عمارت کو مستوی بنیادوں پر کھڑا کیا گیا ہے۔ جو سطح زمین سے کافی بلند ہے۔ کیونکہ قدیم زمانے سے یہ اصول چلا آ رہا ہے۔ کہ عراق کے اس جنوبی علاقے میں زمین کے مرطوب ہونے کی وجہ سے عمارت کی کرسی اونچی رکھی جاتی ہے تا کہ اس میں نمی اثر نہ کر سکے۔ اور بنیادوں اور دیواروں پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

① محمد بن ابی طالب بن احمد حائری دسویں صدی ہجری کے علماء امامیہ میں شمار ہوتے ہیں مقتل الحسین پر تسلیۃ المجالس وزینت المجالس'' نامی کتاب لکھی ہے۔

② بیری کا درخت کہ جس کے پتے صابون ایجاد ہونے سے پہلے نہانے اور سر دھونے کے کام آتے تھے۔ اور غسل میت شرعی فریضہ کی ادائیگی کیلئے اس کے پتوں کو پانی میں ملا کر غسل دیا جاتا ہے۔

③ تاریخ کربلا وحائر الحسین صفحہ نمبر ۳۵ منقول از تسلیۃ المجالس

④ کتاب مجالی الطف جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۸

⑤ سرکیس یعنی یعقوب بن نعوم سرکیس عراق کے صاحب قلم اور محقق ہیں۔ ان کے بہت سے مقالے اور مباحث بغداد سے شائع ہونے والے رسالے ''لغۃ العرب'' میں شائع ہو چکے ہیں جسے ۱۳۵۰ھ میں بند کر دیا گیا۔ نیز حلب سے شائع ہونے والے رسالے ''الشھباء الحلبیہ'' میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

⑥ اخبار ''البدیل الاسلامی'' دمشق شمارہ ۶۲ جلد ۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۹۱ھ مطابق ۱۴ محرم ۱۴۱۲ھ

چنانچہ اطراف کی دیواروں کو اونچا بنایا گیا ہے اور اسے ہندسی شکل دی گئی ہے۔ اور اس کی پشت اور صورت کو منظم طور پر بنایا گیا ہے۔ اس کے بیرونی حصے کو سفید چونے سے پلستر کیا گیا ہے۔ جو دور سے چمکتا دکھائی دیتا جسے دیکھنے والا یوں تصور کرتا ہے جیسے صحرا میں شتر مرغ کا انڈا ہو، اس سادہ لیکن خوبصورت عمارت پر چھت ڈالی گئی ہے جس کے اوپر گنبد بنایا گیا ہے۔ اور یہ تاریخ اسلام کا پہلا گنبد ہے[1] جو جزیرہ العرب کے مشرقی جانب فرات کے کنارے اور شمالی حصے کے صحرا کے درمیان پہلی مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

دیواروں کے درمیان حرم کیلئے دو درے ہیں، ایک تو جنوبی حصے میں ہے اور یہی حائر مقدس کا صدر دروازہ ہے۔ جو آج تک موجود ہے اور دوسرا مشرق کی طرف ہے اور یہ وہی راستہ ہے جو حرم اور شہر کو آپس میں ملاتا ہے اور جس طرف کو سید الشہدا علیہ السلام کے بھائی حضرت عباس علمدار علیہ السلام کا فرات کے کنارے مزار اقدس ہے۔ چنانچہ مذکورہ دونوں دروں کو خطوط ونقوش سے مزین کیا گیا ہے اور ان پر قرآن عظیم کی آیات کو خط کوفی میں تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے درمیان میں بلکہ سرفہرست وہ آیت ہے جو شہادت کی فضیلت اور شہداء کی زندگی جاوید پر شاید ناطق ہے۔ یعنی "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون" یعنی جو لوگ راہ خدا میں قتل کیے گئے ہیں۔ انھیں مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے نزدیک روزی پا رہے ہیں۔[2]

چنانچہ کلیدار کے تصور کے مطابق نقشہ یوں گا۔

تصویر نمبر ۱۴۸ (۲)	کلیدار کے تصور کے مطابق نقشہ	صفحہ نمبر ۳۶۸

[1] اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ طہٰ ولی نے اپنی کتاب "المساجد فی الاسلام" میں جو موقف اختیار کیا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا گنبد قدس شریف میں "قبہ صخرہ" کی صورت میں تعمیر کیا گیا وہ صحیح نہیں ہے۔

[2] سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹

[3] "تاریخ کربلا وحائر الحسین" صفحہ ۸۱

دوسری صدی ہجری

۷۱۹-۷-۲۴ تا ۸۱۶-۷-۲۹ عیسوی

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سید الشہدا علیہ السلام کے مزار اقدس پر جو گنبد امیر مختار کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا وہ ۱۳۲ھ تک [۱] بھی قائم تھا جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جد بزرگوار کی زیارت کی تھی۔ چنانچہ صفوان [۲] جمال کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''جب تم کربلا معلّٰی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کو جاؤ تو گنبد سے باہر کھڑے ہوکر قبر پر اپنی نظریں جماؤ، پھر روضے مین داخل ہوکر اس جگہ کے برابر کھڑے ہو جاؤ جو سرہانے کی طرف ہے۔ پھر اس دروازے سے باہر نکلو جو علی ابن الحسینؑ (علی اکبرؑ) کی پائنتی کی طرف ہے۔ پھر پیدل چل کر مقتل (قبر) ابی الفضل العباسؑ کے پاس جاؤ اور چھتے ہوئے دروازے پر کھڑے ہوکر سلام کہو۔ [۳]

ایک اور حدیث میں ہے جو کہ ابوحمزہ امام جعفر صادق سے بیان کرتے ہیں کہ ''پھر تھوڑا سا آگے چلو اور سکون و وقار کے ساتھ تکبیر وتہلیل اور تمجید اور تحمید کہتے ہوئے خدا اور اس کے رسول کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاؤ، جب اس دروازے تک پہنچ جاؤ جو مشرق کی طرف ہے تو دروازے پر کھڑے ہوکر کہو۔۔۔۔ جتنا ہو سکے دعا مانگنے میں خوب کوشش کرو اور زیادہ دعا مانگو اور انشاء اللہ کہو۔ پھر چھتی ہوئی جگہ سے باہر آ جاؤ اور دیگر شہدا کی قبروں کے سامنے آ جاؤ۔ [۵]

---

① یہ وہی سال ہے جس میں اموی حکومت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوگیا، لیکن ابھی تک عباسیوں کی صحیح معنوں میں حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔

② صفوان جمال یعنی صفوان بن مروان بن مغیرہ کوفی، بنی اسد کے غلام تھے۔ کوفے کے محلہ بنی حرام میں اپنے دونوں بھائیوں حسین اور مسکین کے ساتھ رہتے تھے۔ چونکہ اونٹ کرایہ پر دیتے تھے اس لئے ''جمال'' کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق (۸۳۔۱۴۸ھ) اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۱۲۸۔۱۸۳ھ) کے اصحاب میں سے تھے۔

③ بحار الانوار جلد ۹۸ صفحہ ۲۵۹

④ ثمالی یعنی ابوحمزہ ثابت بن دینار متوفی ۱۵۰ھ ماہ رمضان کی ایک دعائے سحرانہی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا شمار اہل کوفہ کے زاہد اور بزرگ مشائخ میں ہوتا ہے۔ ان کے فخر کیلئے اتنا کافی ہے کہ انہیں حضرت امام رضا علیہ السلام نے سلمان فارسیؓ کی مانند قرار دیا ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔

⑤ بحار الانوار جلد ۹۸ صفحہ ۱۷۷=۱۷۸۔

ایک اور حدیث کی رو سے صفوان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا: ''جب تم حائر (حرم) کے دروازے تک پہنچ جاؤ تو کہو...... پھر گنبد کے دروازے پر پہنچ کر سر کی طرف سے کھڑے ہو کر کہو......''① ایک اور حدیث میں جابر جعفی② حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: ''جب قبر حسین علیہ السلام پر پہنچ جاؤ تو دروازے پر کھڑے ہو کر یہ کلمات کہو۔③ صفوان ہی حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اور جب دروازے پر پہنچ جاؤ تو گنبد کے باہر کھڑے ہو کر قبر کی طرف دیکھو۔ یہاں تک کہ فرمایا۔ پھر اپنے دائیں پاؤں کو پہلے گنبد کے نیچے لے جاؤ بعد میں بائیں پاؤں کو''④ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق ؑ کے دور میں مرقد ابا عبداللہ الحسین ؑ کا گنبد بھی تھا اور چھت بھی پڑی ہوئی تھی۔ ایک نہیں بلکہ کئی دروازے بھی تھے۔ ایک دروازہ مشرق کی طرف سے اور ایک دوسری طرف۔ اور شاید وہ مغرب کی طرف تھا۔⑤ کرباسی کہتے ہیں۔ ''چھتی ہوئی جگہ اور مسجد کا مجموعی رقبہ جو حضرت سید الشہداء اور ان کے فرزند علی اکبرؑ کی قبور کے گرد تھا اس کے چار کونے تھے اور اس میں دو دروازے تھے۔ ایک حضرت علی اکبرؑ کی پائنتی کی جانب مشرقی حصے میں اور (گنج شہیداں میں) دیگر شہداء کی قبور اس رقبے سے باہر تھی''⑥

---

① بحار الانوار جلد ۹۸ صفحہ ۱۹۸

② ۲ جابر جعفی یعنی جابر بن یزید بن حارث کوفی متوفی ۱۲۸ھ جلیل القدر تابعی تھے' حضرت امام محمد باقرؑ (۵۷-۱۱۴ھ) اور حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے، اور ان دونوں اماموں سے روایت بھی کی ہے۔

③ بحار انوار جلد ۹۸ صفحہ ۲۲۹ صاحب کتاب ''شہر حسین'' صفحہ ۱۷۱ میں فرماتے ہیں۔ اور وہ فصیل جس میں کئی دروازے ہیں پہلی صدی ہجری کے آخر میں بنائی گئی اور اس فصیل کو کو بھی مختار کی رکھی ہوئی بنیادوں پر تعمیر کرایا گیا۔ اور اس مسجد کو بھی اموی دور حکومت میں پختہ کیا گیا، اسی لئے اس جگہ کو ' حائر'' کہتے ہی۔ یقینی بات تو یہی ہے کہ فصیل کو بنی امیہ نے تیار و تعمیر کرایا۔۔ زائرین کی نگرانی کیلئے انہوں نے فصیل کو پختہ بنوایا اور فصیل کے دروازے کو بند کرا دیا تا کہ زائرین کو روکنا ممکن ہو سکے'' لیکن یہ یقینی بات، صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ جو روکنا چاہتا ہے وہ قبر کے نشانات مٹاتا ہے اس کی تعمیر میں اضافہ نہیں کرتا۔

④ بحار الانوار جلد ۹۸ صفحہ ۲۵۹

⑤ امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کا دورانیہ ۱۱۴ تا ۱۴۸ھ ہے۔

⑥ تاریخ کربلا صفحہ ۵۶

⑦ کرباسی یعنی محمد بن ابی تراب (علی) ۱۳۲۴-۱۳۹۹ھ ان کا نسب مالک اشتر سے جا ملتا ہے۔ مذہب امامیہ کے فقیہ اور اصولی ہیں۔ فقہ پر ان کے حواشی اور اصطلاح موجود ہیں۔ کتاب ''السحة والرزق'' انہی کی تالیف ہے۔

⑧ تاریخ کربلا صفحہ ۵۶۔

مدرس کہتے ہیں ''باہر کی طرف جو دو دروازے تھے، ان میں سے ایک مشرق کی طرف اور دوسرا جنوب (قبلہ) کی طرف تھا۔ جس طرح ابوبصیر (۱) کے رہنما (۲) کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

شکل نمبر ۱۴۹ (ے)

---
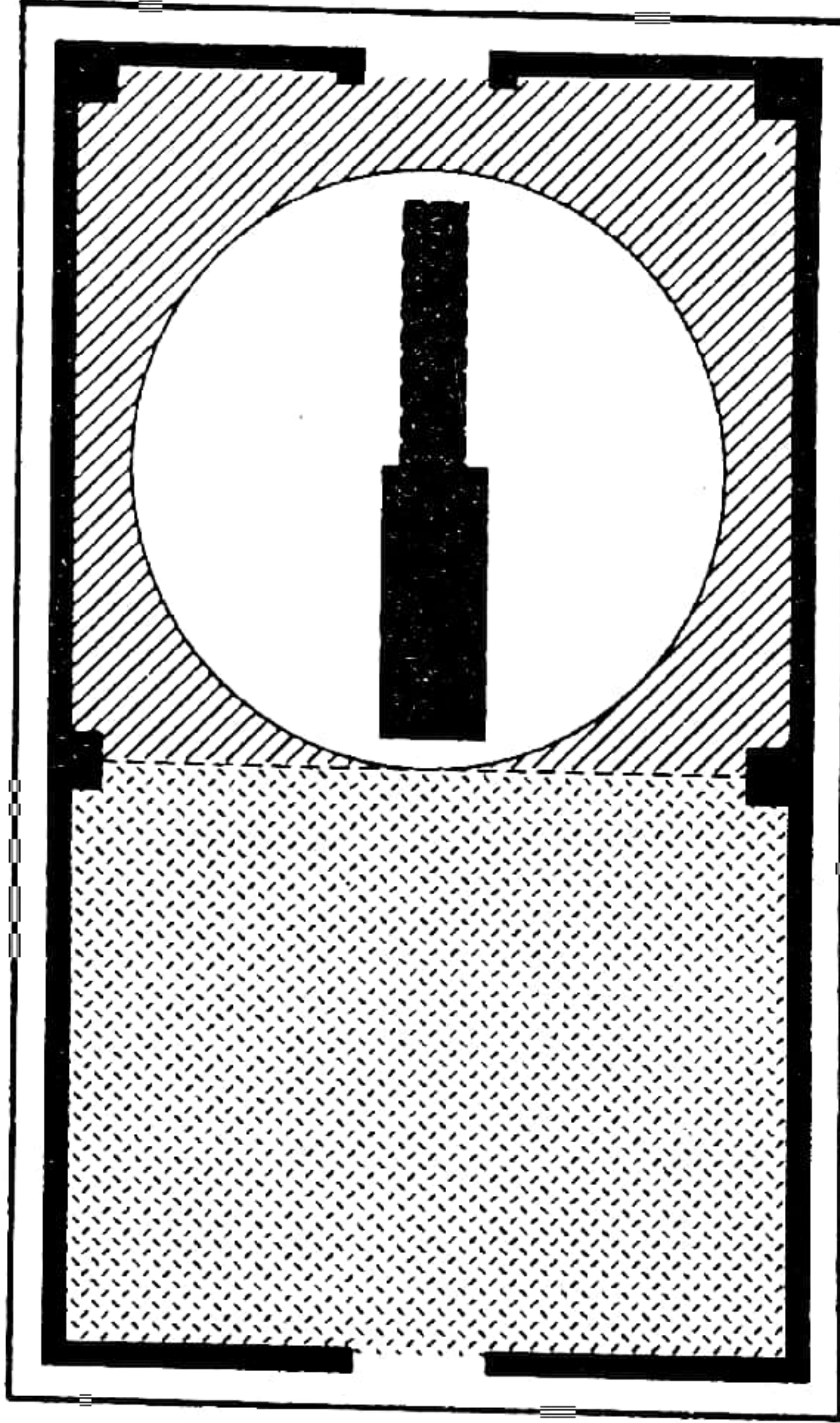
(۱) اصل کتاب میں ''ابوبصیر'' کی رویت مذکور ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس میں تحریری غلطی ہے جبکہ صحیح وہ ہے جو ہم نے لکھا ہے یعنی ابوبصر کا راہنما اور ایسا ہی کتاب ''کامل الزیارات'' میں ہے۔ چونکہ ابوبصیر بینائی سے محروم تھے لہٰذا ایک راہنما سے استعانت کیا کرتے تھے اور وہ سعدان بن مسلم کوفی تھے جو ابوالعلا کرزین جعید عامری کے غلام تھے۔ ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ معمر افراد میں سے تھے۔

(۲) ابوبصیر یعنی قاسم بن یحیی الاسدی متوفی ۱۵۰ھ ثقہ راویوں میں سے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۱۲۸-۱۸۲ھ) کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ ''یوم ولیلۃ'' کے نام سے کتاب بھی لکھی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا ہے کہ" پھر تھوڑا سا چل کر قبر کی طرف رخ کرلو اور قبلہ کو اپنے دونوں شانوں کے درمیان قرار دو[1] مدرس اس بات کا اضافہ بھی کرتے ہیں" یہاں پر مغرب کی طرف ایک اور اندرونی دروازہ بھی ہے جو گنبد (قبر) اور مسجد کے درمیان رابطے کا کام دیتا ہے۔ جیسا کہ شیخ مفید کے اس کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ" پھر اندر چلے جاؤ اور سر کی جانب ٹھہر جاؤ"۔[2]
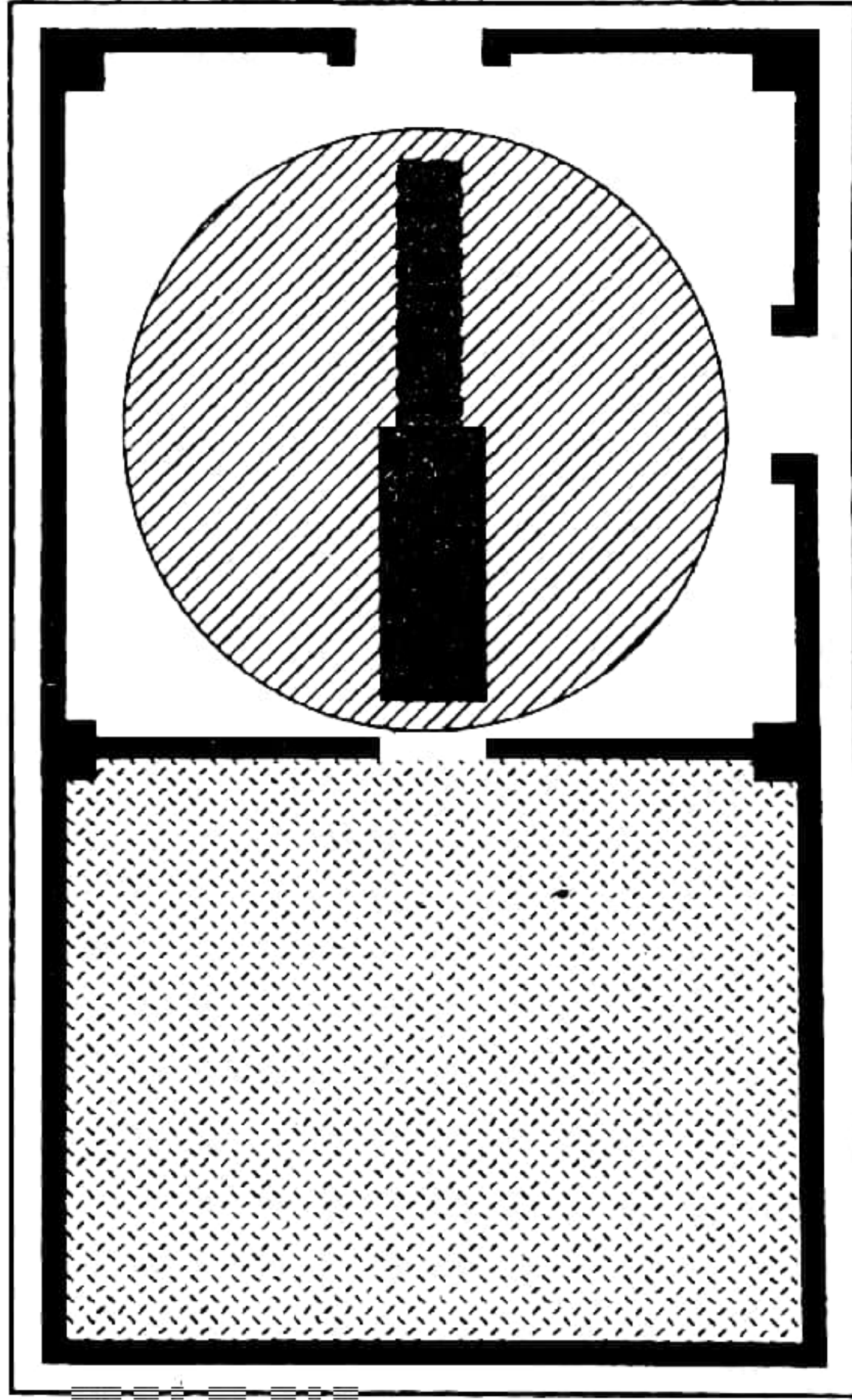
شکل نمبر ۱۵۰(۸)

① کتاب" کامل الزیارات" صفحہ ۲۱۶

② شیخ مفید یعنی محمد بن محمد عکبری بغدادی (۳۳۶-۴۱۳ھ) مذہب امامیہ کے بہت بڑے عالم اور فقیہ اور جلیل القدر تصنیفات کے مالک ہیں جن میں الارشاد، الاختصاص اور المقنعہ بھی شامل ہیں

③ بحار الانوار جلد ۹۸ صفحہ ۲۶۰ منقول مزار مفید"

④ شہر حسینؑ" صفحہ ۱۶۲

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ابوبصیر کے راہنما کی روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا کلام جنوب کی طرف (قبلہ کی طرف) کسی دروازے کے وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ امام علیہ السلام کے فرمان میں تو یہ ہے کہ "پھر قبر کی طرف رخ کرو اور قبلہ کو اپنے دونوں شانوں کے درمیان قرار دو" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ (جنوب) کی طرف کوئی دروازہ نہیں تھا۔ رہا مشرق کی طرف کا دروازہ کو تو شاید اس کی طرف صفوان جمال کی اس روایت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جو انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ پس جب تم دروازے پر پہنچ جاؤ تو گنبد سے باہر رک کر قبر پر نگاہ۔ یہاں تک کے فرمایا۔۔۔ "پھر اپنا داہنا پاؤں پہلے گنبد کے اندر لے جاؤ۔ پھر بایاں پاؤں۔

البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی مراد ایک اور فرمان میں ہو جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "جب حائر (حرم) کے دروازے تک پہنچ جاؤ تو رک جاؤ اور کہو۔① پھر گنبد کے دروازے کی طرف آ جاؤ" اور سر کی جانب کھڑے ہو جاؤ" اس سے آپؑ کی مراد مزار کا غربی دروازہ ہو جو سر کی جانب تھا، لیکن اس میں غور کرنا پڑے گا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس فرمان "پس جب تم حائر کے دروازے تک پہنچ جاؤ۔۔۔ پھر گنبد کے دروازے کی طرف آ جاؤ۔ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی فصیل بھی تھی اور اس میں کئی دروازے بھی تھے۔ کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے روضہ کے احاطہ کئے ہوئے رقبے کو "حائر" سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے ہم آج کل "صحن"② کہتے ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس حائر (صحن) کا تذکرہ حضرت امام محمد باقرؑ (متوفی ۱۱۴ھ) کے عہد میں نہیں ملتا۔ بلکہ اس کا ذکر پہلی مرتبہ امام جعفر صادقؑ کی زبان پر انیس مرتبہ آیا ہے جس سے ہمیں اس بات کی رہنمائی ملتی ہے کہ یہ فصیل دوسری صدی ہجری کے پہلے ربع (چوتھائی) کے آواخر مین یا دوسرے ربع (چوتھائی) کے اوائل میں پختہ بنائی گئی۔ جیسا کہ اس کا ذکر حسینؑ بن ابی حمزہ کی روایت میں ملتا ہے جسے سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب الاقبال میں نقل کیا ہے۔ جب حسین بن ابی حمزہ نے حکومت بنی مروان (بنی امیہ) کے آخری عہد میں جو کہ ۱۳۲ھ میں سقوط کر گئی، حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی۔

---

① کتاب "تراث کربلا" صفحہ ۳۴

② پہلے گزر چکا ہے اور ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "مدرس" کی رائے کے مطابق یہ فصیل بنی امیہ نے تیار کرائی تھی، مدرس کے احتمال کے مطابق یہ فصیل زائرین پر نظر رکھنے کیلئے تھی۔ حفاظت کی غرض سے نہیں تھی۔

③ حسین بن حمزہ یعنی؛ جو کہ ابوحمزہ ثمالی کے بھانجے تھے اور ابوحمزہ ثمالی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (۱۱۴ھ) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (۱۴۸ھ) کے اصحاب میں سے تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں بنی امیہ کی حکومت کے آخری ایام میں قبر حسینؑ کی زیارت کے ارادے سے گھر سے باہر نکلا اور ''غاضریہ''① پہنچ گیا۔ چنانچہ جب سب لوگ سو گئے تو میں نے غسل کیا۔ پھر قبر کی طرف چل دیا' جب میں حائر کے دروازے پر پہنچ گیا تو ایک شخص وہاں سے نکل کر میری طرف آیا۔②

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان میں ''باب الحائر'' (حائر کا دروازہ) کے کلمات دو مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔ جب کہ ابو صامت③ کی روایت میں بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ امام فرماتے ہیں ''جب حائر کے دروازے پر پہنچ جاؤ تو چار مرتبہ تکبیر کہو۔④

اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ ''حائر'' سے مراد ''صحن مقدس'' ہی ہے۔ جیسا کہ ابو حمزہ ثمالی کی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ذکر روایت میں ہے کہ زیارت کے اختتام پر امام فرماتے ہیں پھر تم چھتی ہوئی جگہ سے باہر نکلو اور شہداء کی قبور (گنج شہداء) کے سامنے کھڑے ہو کر ان سب کی طرف اشارہ کرو۔۔۔ یہاں تک کہ فرمایا۔۔۔ پھر حائر میں یہ کہو۔''⑤

یہ حائر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دور (۱۴۸-۱۸۳ھ) تک اپنی اسی حالت پر باقی رہا۔ جیسا کہ حسن بن راشد⑥ کی روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہی: ''حتیٰ کہ زائر، حائر تک پہنچ جائے اور جب حائر کے دروازے پر پہنچ جائے تو اپنے ہاتھوں کو اس پر رکھ دے۔''⑦

اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حائر کا بیرونی رقبہ ۲۵X۲۵ ہاتھ تھا۔

---

① غاضریہ' بنی اسد کے قبیلہ ''غاضرۃ'' کی طرف نسبت کی وجہ غاضریہ کہلاتی ہے۔ اور یہ گاؤں امام حسینؑ کے حائر اقدس سے شمال مشرقی کی طرف واقع ہے اور کربلا معلی کے قدیمی شہر سے تقریباً ۵۰۰ میٹر دور' اب یہ جدید شہر کا حصہ بن چکا ہے۔

② الاقبال صفحہ ۵۶۸

③ ابو صامت' حلوانی کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا ہے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔

④ کامل الزیارات صفحہ ۲۲۱

⑤ کامل الزیارات صفحہ ۲۴۲ صفحہ ۲۴۳۔

⑥ حسن بن راشد' کوفی' بنی عباس کے غلام تھے اور امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے' عباسی خلیفہ مہدی (۱۶۹ھ)' ہادی (۱۷۰ھ) اور ہارون (۱۹۳ھ) کے ایام حکومت میں وزیر رہے، بغداد میں سکونت اختیار کی ہوئی تھی، ان کی ''الراہب والراہبۃ'' نامی کتاب بھی ہے۔

⑦ کامل الزیارات صفحہ ۱۹۱ھ

جیسا کہ امام صادق علیہ السلام کی دونوں روایتوں کو ملا کر سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ: ''امام حسین علیہ السلام کی قبر بیس ہاتھ در بیس ہاتھ مکسر، جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے[1] اور دوسری روایت میں ہے ''اس وقت جہاں پر ان (امام حسین علیہ السلام) کی قبر ہے وہاں پر اپنے ہاتھوں کو مس کرو' پچیس ہاتھ پاؤں کی طرف سے' پچیس ہاتھ سامنے کی طرف سے' پچیس ہاتھ پیچھے کی طرف سے اور پچیس ہاتھ سر کی طرف سے' اس جگہ پر ہاتھ پھیرو''[2]

بظاہر وہ حائر کہ جسے بعد میں صحن کا نام دیا گیا، اس کی بیرونی دیوار (فصیل) کا قطر پچاس ہاتھ تھا۔ چنانچہ ابن ادریس[3] اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اور حائر سے مراد وہ علاقہ ہے جسے قبر اور مسجد کی چار دیواری نے گھیرا ہوا ہے''[4] شیخ مفید کہتے ہیں اور حائر نے ان تمام شہداء کے اطراف کا احاطہ کیا ہوا ہے سوائے حضرت عباسؑ کے کہ وہ دریا کنارے سیلاب[5] بند پر شہید کیے گئے۔''[6]

یہ بھی معلوم ہے کہ ایک ہاتھ تقریباً ۸۳۔۴۵ سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے۔ تو اس لحاظ سے فصیل کا قطر اس طرح ہو گا۔ میٹر ۲۲۹۱۵=۵۰X۸۳۔۴۵۔ چنانچہ اس بارے میں ہم نے اس کے اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے۔[7]

---

① ملاحظہ ہو کامل الزیارات صفحہ ۲۷۲ حدیث ۵

② کامل الزیارات صفحہ ۲۷۲ حدیث ۴

③ ابن ادریس یعنی محمد بن منصور بن احمد بن ادریس عجلی، حلی (۵۴۳-۵۹۸) امامیہ مذہب کے علماء اعلام میں سے تھے۔ فقیہ اور محقق بھی تھے۔ حلہ شہر میں وفات پائی' مرقد مبارک حلہ میں مشہور زیارت گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب السرائر اور شیخ طوسی کی تفسیر ''التبیان کا خلاصہ'' انہوں نے لکھی ہیں۔

④ کتاب السرائر صفحہ ۷۸

⑤ اصل عبارت میں ''المسناۃ'' کا لفظ ہے جس کے معنی سیلاب کے آگے رکھے جانے والی چیز۔

⑥ الارشاد' مفید صفحہ ۱۲۶

⑦ دائرہ المعارف کا باب ''اضواء علی المدینۃ الحسین''، فصل القسمیۃ والتاریخ'' ملاحظہ ہو۔

بعض کتابیں اس بات کو تاکید سے بیان کرتی ہیں کہ مزار کے پاس اموی حکومت کے دوران بھی بیری کا درخت موجود تھا جس کے سایہ سے استفادہ کیا جاتا تھا اور قبر کی طرف بھی رہنمائی ہو جایا کرتی تھی۔لہٰذا صحن کے شمال غربی حصے میں موجود دروازے کو۔۔۔بعد میں۔۔"باب السدرہ" (بیری کے درخت والا دروازہ) کے نام سے موسوم کی گیا۔[۲] مسجد اور مزار پر گنبد والی عمارت اموی دور حکومت کے دوران بھی باقی رہی اور باوجودیکہ بنی امیہ کی اہلبیت اطہار علیہم السلام کے ساتھ کھلم کھلا دشمنی تھی اور انہوں نے مظلوم کربلا کی زیارت میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے تفتیشی مراکز بھی قائم کرر کھے تھے۔لیکن عمارت کے ڈھانچے اور اس کا نام ونشان مٹانے کی کسی نے بھی کوشش نہیں کی اور جب خاندان امیہ کی حکومت کے آخری ایام تھے اور حکومت رو بہ زوال تھی تو لوگوں کے دلوں سے خوف اور ڈر جاتا رہا اور فوج درفوج زیارت کیلئے ٹوٹ پڑے تو حکومت کے بس کا کام نہ رہا کہ کسی کو روک سکے، بلکہ اس نے محسوس کرلیا کہ مزار مبارک سے کسی قسم کا تعرض بلکہ کسی قسم کی تخریب کاری کا ارادہ بھی اس کیلئے اس حد تک خطرناک ہوگا کہ اس نے چھٹکارا قطعاً ناممکن ہوگا

☆ یہی وجہ ہے کہ ہمیں یہ بات تاریخوں میں ملتی ہے کہ ۱۲۲ھ جو ہشام بن عبدالملک[۳] مروانی کے دور میں زائرین کے قافلے جوق در جوق ضریح اقدس کی زیارت اور اس سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے امڈنے لگے اور قبر کی مسجد کو پختہ بنایا گیا۔چنانچہ محمد بن ابی طالب اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔"رمس[۵] اقدس (قبر حسین علیہ السلام) پر بنی مروان کی حکومت کے دور میں مسجد تعمیر کی گئی۔

---

① کتاب "تراث کربلا" صفحہ ۳۴۔

② "العتبات المقدسہ قسم کربلا صفحہ ۲۵۷۔ میں کتاب "شیعہ الھند" تالیف ڈاکٹر جون ہولیسٹر سے نقل کیا گیا ہے۔کہ "کہ ایک شیعہ روایت اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ محبان موالیان اہل بیت میں سے ایک شخص نے حضرت سید الشھداء علیہ السلام کی قبر مطہر کے نزدیک زرد آلو یا آلو بخارے کا ایک پودا لگایا جو درخت بن گیا لیکن یہ درخت عباسی خلیفہ ہارون رشید سے کے حکم سے جڑ سے اکھاڑ دیا گیا اور اس کے اطراف میں زمین پر کاشت کاری کی گئی۔لیکن آنے والے مہمانوں نے جلدی سے قبر کے مقام پر مخفی علامت لگا دی"

③ ہشام بن عبدالملک بن مروان اموی (۷۱۔۱۲۵ھ) یزید ثانی کا بھائی تھا۔اس کے بعد عنان اقتدار سنبھالی۔بنی امیہ کا دسواں حکمران تھا۔

④ "العتبات المقدسہ" قسم کربلا صفحہ ۲۵۷۔

⑤ "الرمس الاقدس" سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔اور "رمس" اس قبر کو کہتے ہیں جو سطح زمین کے برابر ہو یا قبر کی مٹی کو کہتے ہیں۔لیکن یہاں پر مطلق قبر مراد ہے۔

⑥ تراث کربلا صفحہ ۳۴۔منقول از نزھۃ اھل الحرمین فی مشھد الحسین، تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس تالیف محمد بن ابی طالب۔

مزار پر مسجد کی تعمیر سے مراد شاید یہ ہے کہ مزار مبارک مسجد کی صورت اختیار کر گئی جس کی زیارت اور وہاں پر نماز ادا کرنے کیلئے لوگ ادھر کا رخ کرتے ہیں۔

☆ ۱۳۲ھ کے بعد اور خصوصیت کے ساتھ عباسی حکومت کے بانی ''سفاح''[1] کے دور اقتدار میں قبر امام مظلوم کی زیارت کے لئے زیادہ سے زیادہ آزادی دی گئی اور اس دور میں[2] قبر مبارک کو از سر نو آباد اور تعمیر کیا گیا۔ سرکیس سے نقل ہے وہ کہتے ہیں ''اسی سفاح کے عہد حکومت میں قبر مبارک کی ایک طرف مسقف عمارت تعمیر کی گئی جس کے دو دروازے تھے۔[3] بظاہر اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمارت سے عمارت ملا دی گئی جس کا ذکر اس سے پہلے ان کی زبانی ہو چکا ہے کہ ''امیر مختار نے قبر مبارک کا مسجد کی[4] دیوار کے ساتھ احاطہ کر لیا۔ اور اس پر گچ اور اینٹوں کا ایک گنبد تعمیر کرایا جس کے دو دروازے تھے وہ چھت جو زمانہ سفاح میں ڈالی گئی تھی وہ یقیناً گنج شہدا پر تھی جس میں باقی شہداء کی قبریں تھیں اس لئے کہ ''قبر مبارک کی ایک طرف'' کا جملہ اسی بات کی غمازی کر رہا ہے کیونکہ یہ بات بعید نظر آتی ہے مثلاً شمال اور جنوب کی طرف چھت بنائی جائے لیکن شہداء کی قبور چھت کے بغیر رہنے دیا جائے۔ لیکن کتب تاریخ وغیرہ اس چھت کے ذکر سے خالی ہیں۔

---

① سفاح یعنی ابو العباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، بنی عباس کا سب سے پہلا بادشاہ (۱۳۲ھ۔۱۳۶ھ) عمان کے قریب ''شراۃ'' نامی جگہ پیدا ہوا، اپنے بھائی ابراہیم کی وفات کے بعد بنی امیہ کی حکومت کے خلاف تحریک چلائی۔ مسجد کوفہ میں اس کی حکومت کے لئے بیعت لی گئی۔

② تراث کربلا صفحہ ۲۴۔

③ اخبار ''البدیل الاسلامی'' دمشق شمارہ ۶۲۰۔ جلد ۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۹۱ مطابق ۱۴ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

④ ملاحظہ اسی فصل کی تاریخ مزار پہلی صدی ہجری۔
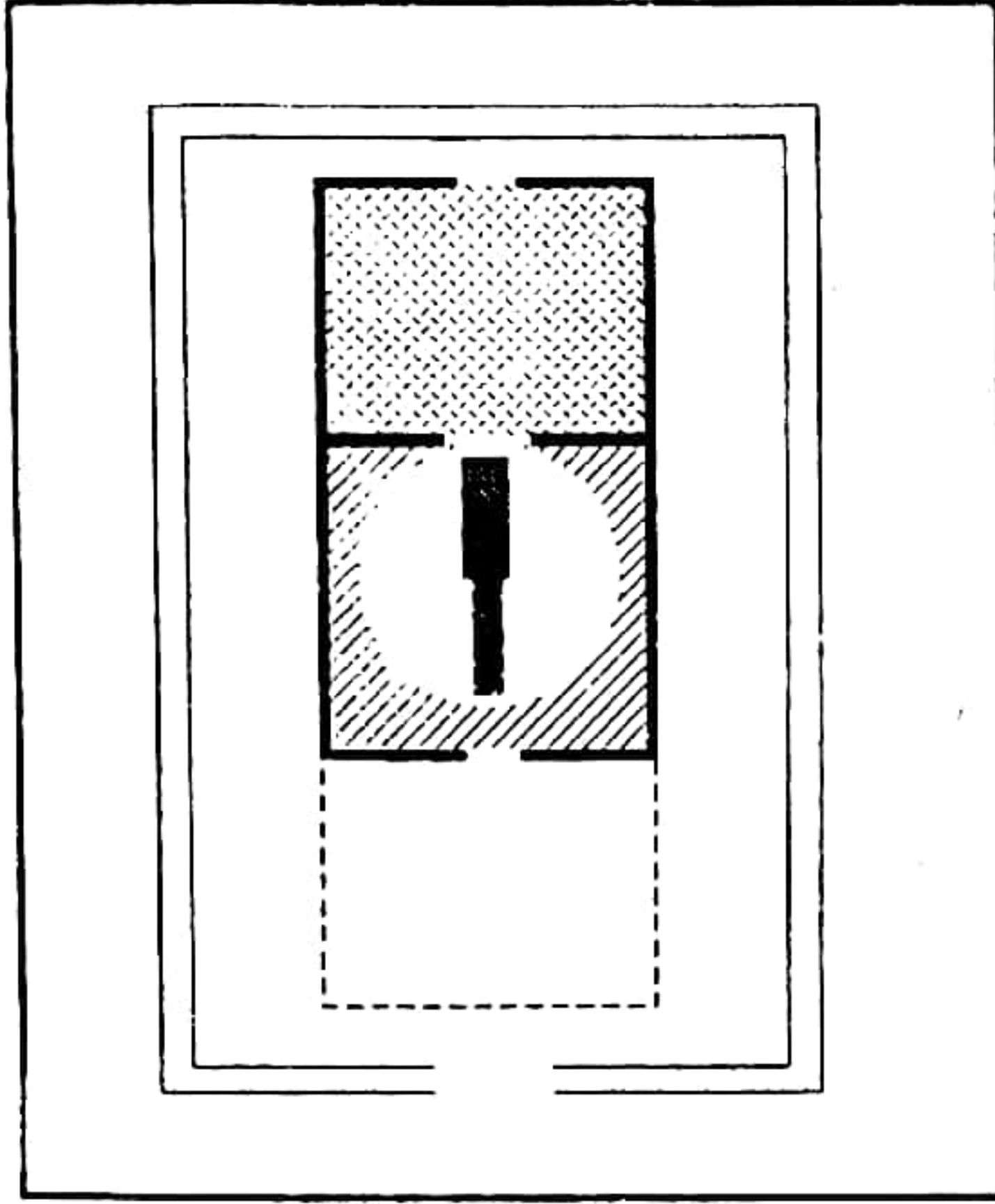
شکل نمبر ۱۵۲(۱۰)

لیکن ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ حکمران رہنے والا منصور عباسی ① نے شیعیان حیدر کرار پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے اور ان کے آثار مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی حتی کہ مظلوم کربلا کی قبر مطہر کو بھی معاف نہیں کیا اس بارے میں سماوی کہتے ہیں۔ محبان حسین نے تو قبر مطہر پر گنبد اور چھت تعمیر کئے تا کہ زائرین اس میں پناہ اور سکون حاصل کر سکیں۔ پھر منصور کو زبردست اس بات پر آمادہ کیا اور اس نے کینوں کی وجہ سے پختہ عمارت کو منہدم کر دیا۔ ② سرکیس کے مطابق منصور عباسی کی طرف سے انہدام کا یہ قبیح عمل ۱۴۶ھ میں انجام پایا۔

تصویر نمبر ۱۵۳(۱۱)	منصور عباسی نے قبر پر موجود چھت کو گرادیا	صفحہ نمبر ۳۶۹

☆ تقریباً ۱۵۸ھ ③ میں۔ جو مہدی عباسی ④ کے دور حکومت میں شمار ہوتا ہے۔ عمارت کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ ⑥

---

① منصور عباسی یعنی ابوجعفر عبداللہ بن محمد متوفی ۱۵۸ھ بنی عباس کا دوسرا حکمران جو اپنے بھائی سفاح کا ۱۳۶ھ میں جانشین ہوا۔ یہ بات واضح رہے کہ دونوں بھائیوں کے نام ایک جیسے ہیں۔ جبکہ پہلا، دوسرے سے عمر میں چھوٹا ہے کیونکہ سفاح ۱۰۴ھ میں اور منصور ۹۵ھ میں پیدا ہوا۔

② کتاب ''صحائف الطف'' جلد ۲ صفحہ ۳۹۔ ③ رسالہ ''البدیل الاسلامی دمشق'' شمارہ ۶۲ جلد ۸۔

④ کتاب ''ومضات من تاریخ کربلا'' صفحہ ۱۸۔

⑤ مہدی عباسی یعنی محمد بن عبداللہ (منصور) بنی عباس کا تیسرا بادشاہ جس نے ۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ حکومت کی۔

⑥ رسالہ البدیل الاسلامی دمشق شمارہ ۶۲ جلد ۵ صفحہ ۸۔ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۹۱ء (۱۴ محرم ۱۴۱۲ھ)

مورخ طبری① کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کے خدام مہدی عباسی کی والدہ ''ام موسیٰ''② کی طرف سے بھیجے جانے والے عطیات وصول کیا کرتے تھے۔

۱۸۷ھ ③میں ہارون④ رشید نے ابن ابی داؤد⑤ اور دیگر خدام قبر کو اپنے پاس بلایا، حسن بن راشد نے ابن ابی دوؤد کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''مجھے اس شخص۔ یعنی ہارون رشید نے بلوایا ہے اور مجھے اس سے جان کا خطرہ ہے''۔ اس پر حسن بن راشد نے کہا۔ ''جب تم اس کے پاس جاؤ اور وہ تم سے پوچھے تو کہنا کہ مجھے حسن بن راشد نے اس جگہ پر رکھا ہوا ہے''۔

چنانچہ وہ ہارون کے پاس گئے اور یہی جواب دیا تو ہارون نے کہا۔ ''میں کیا کروں؟ یہ سارا کام حسن نے خراب کر دیا ہے! اسے میرے پاس لایا جائے''۔ جب وہ پیش ہوئے تو ہارون نے پوچھا۔ ''کس بنا پر تم نے اس شخص کو حائر حسینی⑥ پر متعین کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اسے حرم حسینی پر مقرر کیا ہوا ہے! مجھے تو ام موسیٰ کا حکم ہوا ہے کہ اسے وہاں پر متعین کروں اور اسے تیس درہم ماہانہ تنخواہ دوں''⑦

یہ سن کر ہارون نے کہا۔ ''اسے حائر کی طرف لوٹا دو اور دیکھ بھال رکھو اور جو ام موسیٰ کے احکام ہیں ان پر عمل درآمد کرایا جائے''۔⑧

---

① طبری یعنی محمد بن جریر بن یزید طبری (۲۲۴۔۔۳۱۰ھ) مورخ اور مفسر ہیں۔ تاریخ الامم والملوک اور تہذیب الاثار کے بھی مولف ہیں۔

② ام موسیٰ یہ ان کی کنیت ہے ان کا نام نہیں ہے۔ منصور عباسی کی زوجہ اور یزید بن منصور حمیری جس کا تعلق یمن کے شاہی خاندان سے ہے کی بیٹی ہیں ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔

③ کتاب ''شہر حسین'' صفحہ ۱۹۶۔

④ ہارون رشید بنی عباس کا پانچواں حکمران (۱۷۰۔۱۹۳ھ) مہدی اور خیزران کا بیٹا، رے میں پیدا ہوا، اپنے بھائی ہادی عباسی کے قتل ہو جانے کے بعد عنان حکومت سنبھالی۔

⑤ ابن ابی داؤد، شاید یہ احمد بن فرج (ابوداؤد) ہیں، جو قاضی ایادی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

⑥ ''حائر'' اور ''حیر'' دو ایسے الفاظ ہیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار مقدس پر بولے جاتے ہیں۔

⑦ ''العتبات المقدسہ'' قسم کربلا صفحہ ۸۴۔ تاریخ الامم والملوک جلد ۵ صفحہ ۲۱۔ حوادث سال ۱۹۳ھ۔

⑧ رسالہ ''البدیل الاسلامی'' کے شمارہ ۶۲ میں یعقوب سرکس سے نقل کیا گیا ہے کہ ''ہارون الرشید نے ۱۷۱ھ میں تمام چھت والی عمارت کو منہدم کر دیا بیری کے درخت کو کاٹ دیا اور گنبد کی عمارت کو بھی گرا دیا۔

☆ ۱۹۳ھ میں[1] ہارون الرشید نے زائرین قبر حسین پر زمین کو تنگ کر دیا قبر مطہر کے نزدیک بیری کے[2] درخت کو کٹوا دیا اور مقام قبر پر[3] ہل چلا کر کھیتی باڑی شروع کرادی۔ مقدس ضریحوں[4] کے اطراف میں موجود تمام عمارات کو گرا کر اس پر بھی کھیتی باڑی کرادی۔ یہ کام اس نے اپنے کوفہ کے گورنر موسیٰ بن عیسیٰ[5] بن موسیٰ ہاشمی کے ذریعہ کرایا۔[6]

---

① بیری کے درخت کے ذریعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کا پتہ چلتا تھا اور اس کے سایہ سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ خیاط اپنی کتاب ''تاریخ الروضۃ الحسینیۃ'' صفحہ ۹ میں فرماتے ہیں۔ کہ۔ ''قبر کے مقام پر موجود بیری کے درخت کو کاٹنے ۱۷۱ھ کا حکم ہارون نے دیا''۔ اور ''ومضات میں تاریخ کربلا'' صفحہ ۱۸ میں ہے کہ بیری کا درخت ۱۷۱ھ میں کاٹا گیا

② تراث کربلا صفحہ ۳۴ نزھۃ اہل الحرمین صفحہ ۴۱

③ بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۸ حدیث ۷ کے تحت علامہ مجلسی نے امالی طوسی صفحہ ۲۰۶ سے روایت کی ہے کہ ابن حشیش نے ابوالفضل سے انہیں نے محمد بن علی بن ہاشم آبلی سے' انہوں نے حسن بن احمد نعمان جوز جانی سے' انہوں نے یحییٰ بن مغیرہ رازی سے روایت کی ہے کہ میں جریر بن عبدالحمید کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک عراق سے ایک شخص وہاں پر آ گیا جریر نے اس سے وہاں کے لوگوں کے حالات پوچھے تو اس نے کہا ''میں نے ہارون رشید کو ایسی حالت میں چھوڑ کر آ رہا ہوں کہ اس نے قبر حسینؑ پر ہل چلا دیئے ہیں۔ اور وہاں پر موجود بیری کا درخت کو کاٹنے کا حکم دیدیا ہے۔ اور درخت کو کاٹ دیا گیا ہے'' اس پر جریر نے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہا۔ اور کہا کہ ہم تک رسول پاکؐ کی ایک حدیث پہنچی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے تین بار فرمایا ''خدا بیری کاٹنے والے پر لعنت کرے'' جس کا معنی اب تک ہم نہیں سمجھ سکے تھے۔ اب پتہ چلا کہ اس کے کاٹنے حسین علیہ السلام کے مقام قتل اور قبر کو بدلنا مقصود تھا۔ تاکہ لوگوں کو ان کی قبر کا علم نہ ہو سکے۔

④ دیٰ بن عیسیٰ عباسی متوفی ۱۹۳ھ کے بعد اور یہ جو الاعلام'' میں مذکور ہے کہ اس کی وفات ۱۸۳ھ میں ہوئی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۵ صفحہ ۱۴ میں ۱۹۳ھ کے کوفہ کے گورنروں میں شمار کیا ہے۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ قبر حسینؑ پر زراعت پر کام' کوفہ میں ہارون کے گورنر عیسیٰ بن موسیٰ کے ہاتھوں انجام پایا' صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عیسیٰ تو ۱۶۷ھ میں فوت ہو گیا تھا اور وہ ہارون سے پہلے یہاں کا گورنر تھا۔ اور یہ موسیٰ جو ہمارا موضوع بحث ہے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد عباسی ہاشمی کا بیٹا ہے۔ اور عیسیٰ سفاح کا بھتیجا تھا۔

⑤ اس بارے میں ابوبکر بن عباس اور یحی حمانی کا ایک عجیب ماجرا ہے جیسے ہم نے باب الرؤیا۔ اور ''باب الحکایات'' میں درج کیا ہے جسے دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے رشید کے گورنر موسیٰ بن عیسیٰ کے اس اقدام پر سخت تنقید کی تھی جو اس نے حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی قبر کے ساتھ کیا تھا۔

☆ ۱۹۸ھ میں جب حکومت [1] مامون کے ہاتھ آئی تو اس کی سیاست اس بات کی متقاضی ہوئی۔ شیعان علیؑ اور موالیان اہلبیتؑ کے جذبات کا احترام کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے روز افزوں غم وغصے پر قابو پایا جاسکے اور جبکہ وہ اپنے بھائی امین [2] کے ساتھ جنگ میں الجھا ہوا تھا۔ اور اس کے قتل کے درپے تھا' لہٰذا سیاسی طور پر ان کی حمایت کا خواہاں بھی تھا۔ اسی لئے اس نے قبر سیدالشہداعلیہ السلام کی زیارت کے راستے عمومی طور پر کھول دیئے اور تعمیرات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ اس دور میں ایک بلند گنبد اور وسیع حرم تعمیر کیا گیا اور لوگ پھر سے وہاں آباد ہونے لگے۔

اس کے بعد مامون نے اپنی حکومت کے استحکام کیلئے علویوں اور اہلبیتؑ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ۲۰۱ھ [3] میں حضرت امام علی علیہ السلام کی ولی عہدی کا فرمان صادر کیا اور امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی تعمیر کا حکمنامہ جاری کیا۔ جس میں پہلے سے زیادہ عظیم گنبد اور وسیع روضے کی تعمیر کا کہا گیا۔ تو اس طرح سے عہد مامونی میں روضے کی [4] دو مرتبہ تعمیر کی گئی۔ اسی طرح حائر مبارک میں بھی توسیع کی گئی۔ [5]

اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ پہلی مرتبہ کی تعمیرات موالیان اور حبداران حسینؑ کی طرف سے ہوئی اور شاید یہ ۱۹۳ -۱۹۸ھ کے درمیانی عرصہ میں ہوگی جبکہ امین اور مامون دونوں بھائیوں میں اقتدار کی جنگ جاری تھی۔ جبکہ دوسری مرتبہ مامون نے اس وقت تعمیر کا کام کیا جب اپنے بھائی امین پر غالب آ گیا اور اقتدار پر قابض ہو گیا۔

---

(۱) مامون یعنی عبداللہ بن ہارون رشید بنی عباس کا ساتواں حکمران، اپنے بھائی امین کے بعد ۱۹۸ھ سے عنان اقتدار سنبھالی اور ۲۱۸ھ تک سریر آرائے حکومت رہا۔ اس کی والدہ مراجل فارسی نسل کی اور ام ولد تھیں۔

(۲) امین یعنی محمد بن ہارون، بنی عباس کا چھٹا بادشاہ جس نے ۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ حکمران رہا۔ والدہ کا نام زبیدہ بنت جعفر بن منصور عباسی تھا۔ دونوں بھائیوں امین اور مامون کے درمیان اقتدار کی جنگ کے نتیجہ میں مامون کے ہاتھوں مارا گیا۔

(۳) یہ فرمان ۷ رمضان المبارک ۲۰۱ھ میں صادر کیا گیا۔

(۴) کتاب تاریخ کربلا صفحہ ۵۹

(۵) عتبات مقدسہ قسم کربلا صفحہ ۲۵۸

شکل نمبر۱۵۴(۱۲)

شکل نمبر۱۵۵(۱۳)
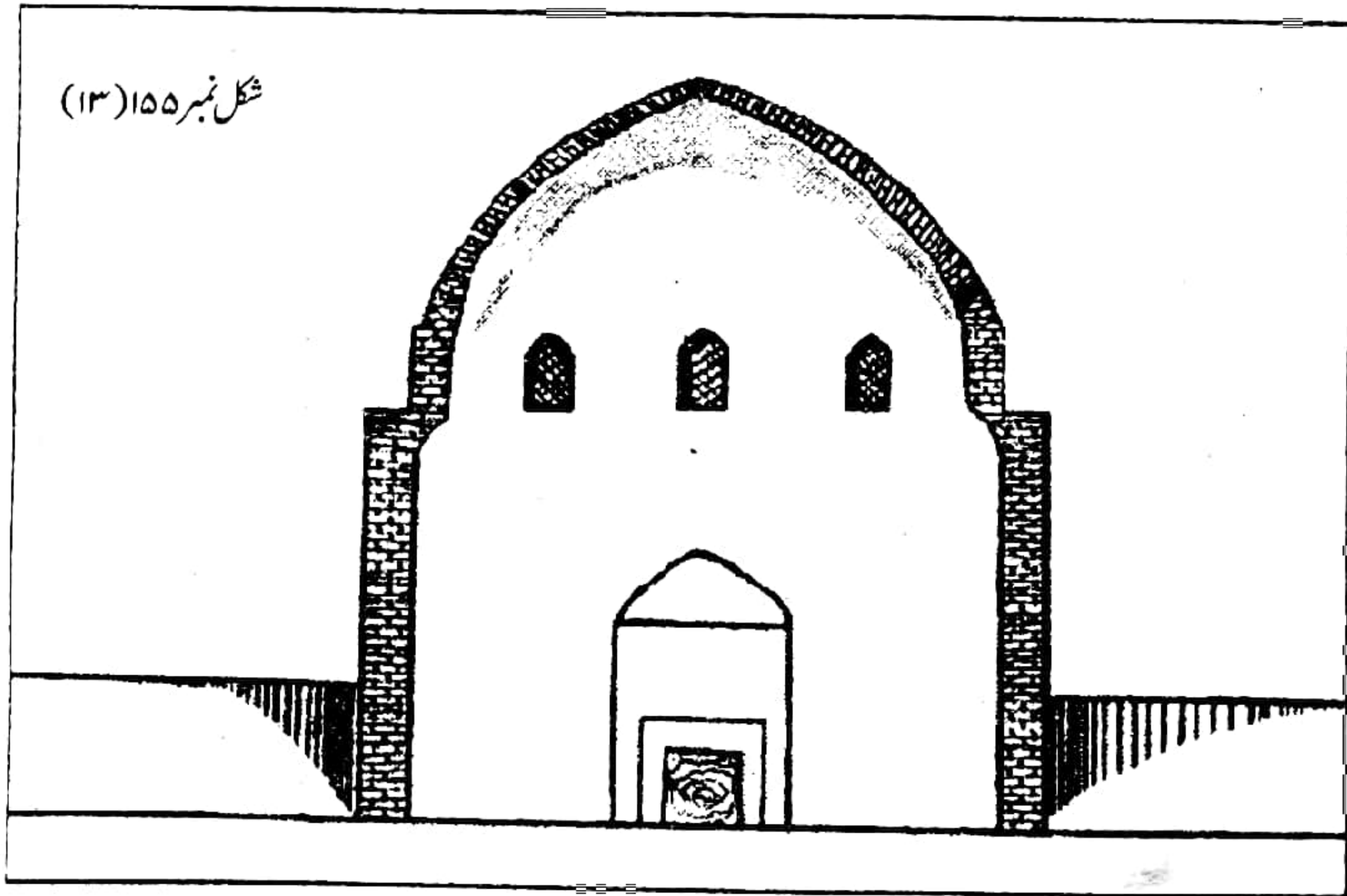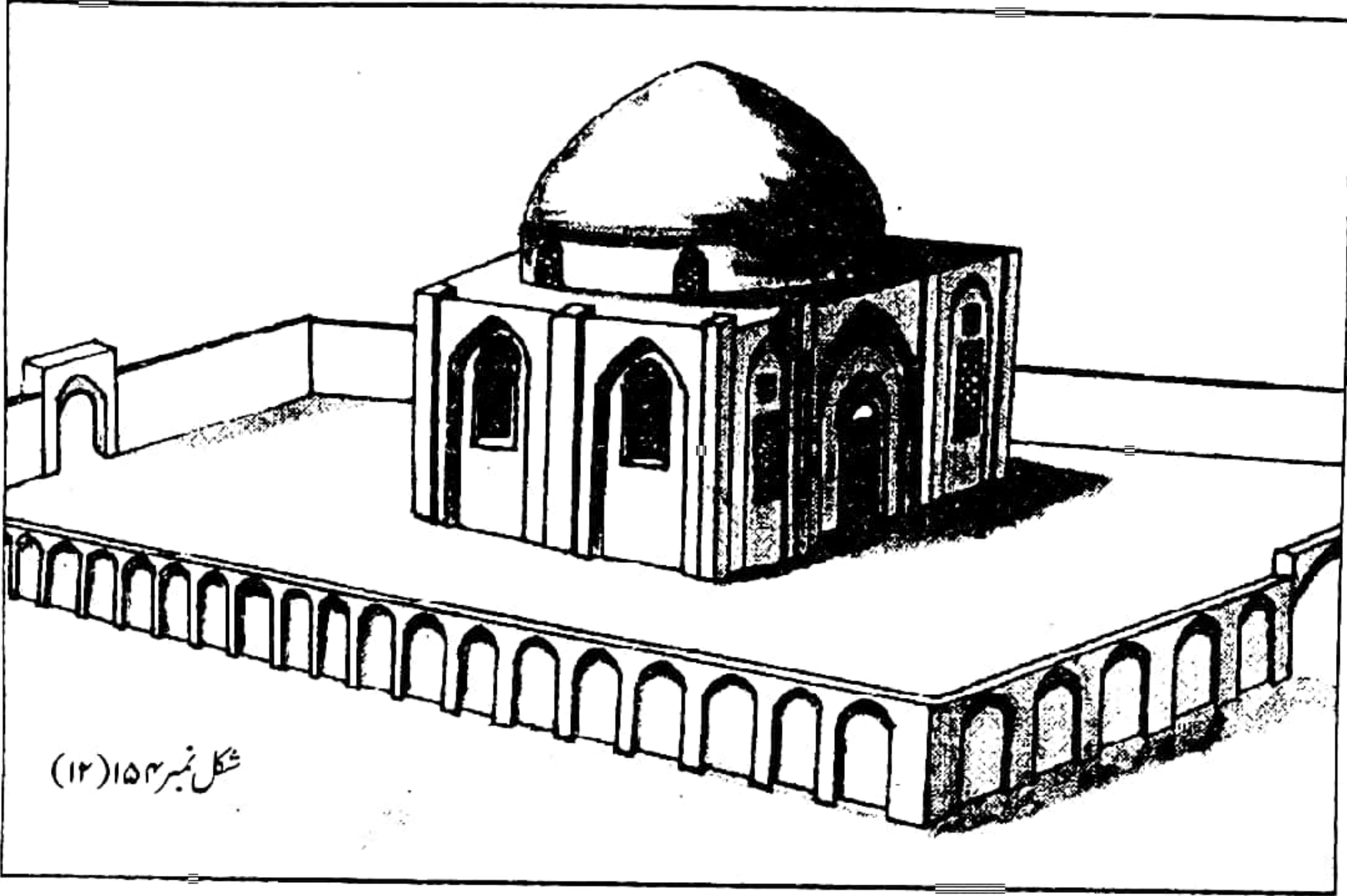
تیسری صدی ہجری

۸۱۶-۷-۳۰ تا ۹۱۳-۸-۷ء

سلمان آل طعمہ کہتے ہیں ''محققین اور مورخین کی زبانوں سے یہ بات عام طور پر سنی جاتی ہے کہ کربلا معلیٰ کا شہر تیسری صدی ہجری میں چھونپڑیوں اور خیموں سے بھر چکا تھا اور اس طرح کا اقدام وہ مسلمان کرتے تھے جو مظلوم کربلا کی زیارت کیلئے آتے تھے''،ور وہ قبر حسینؑ کے مجاوروں کے گھروں کے اطراف میں چھونپڑے یا خیمے لگا دیئے تھے۔۔اسی طرح معتصم عباسی [2] اور واثق عباسی [3] کے عہد حکومت میں نامساعد سیاسی حالات کی وجہ سے [4] نہ تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کے منہدم کرنے یا اسے کسی قسم کے نقصان پہنچانے کا کوئی واقعہ پیش آیا اور نہ ہی محبان حسین علیہ السلام کا کسی نے تعرض کیا۔

---

① کتاب ''تراث کربلا'' صفحہ ۲۳۱ لیکن ہم کہتے ہیں کہ جب امیر مختار نے قبر بنائی اور اس کے روضہ تعمیر کیا تو اس کے اطراف ایک چھوٹی سی بستی بھی بسا دی تھی۔ ملاحظہ ہو تاریخ الروضہ الحسینیۃ اور دوسری کتابیں جس سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ کربلا میں بنائے جانے والے گھروں کی بنیاد پہلی صدی ہجری میں ہی رکھ دی گئی تھی اور شاید گھر بن بھی گئے تھے۔ البتہ اس عبارت میں مذکور مورخین کی یہ بات کہ کربلا تیسری صدی ہجری میں چھونپڑوں اور خیموں سے بھر چکی تھی، تو شاید اس سے یہ مراد ہو کہ یہ چھونپڑے یا خیمے زائرین کے ہوں۔ جب کہ عبارت کے آخر سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔

② معتصم باللہ یعنی محمد بن ہارون بنی عباس کا آٹھواں حکمران جو اپنے بھائی مامون کے بعد تخت نشین ہوا اور ۲۱۸ تا ۲۲۷ھ حکومت کی۔

③ واثق سے مراد ہارون بن محمد ہے جو بنی عباس کا نواں بادشاہ ہے اپنے باپ معتصم کے بعد ۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ حکومت کی۔

④ کتاب ''شہر حسینؑ'' صفحہ ۲۰۲

☆ لیکن ۲۳۲ھ میں متوکل عباسی① نے جب عنان اقتدار سنبھالی، تو علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ شدید بغض اور سخت ترین دشمنی کی وجہ سے مظلوم کربلا ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کی قبر مطہر کو چار مرتبہ اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور اسے منہدم کر دیا۔②

---

① متوکل یعنی جعفر بن محمد معتصم ۲۰۶-۲۴۷ھ میں بنی عباس کا دسواں حکمران جو اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا

② کتاب ''العراق قدیما وحدیثا'' صفحہ ۱۲۹ منقول از کتاب ''تاریخ ابوالفداء'' صفحہ ۱۸۸ روایت میں ہے کہ اسے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ سخت دشمنی تھی اور وہ ایک مخنث (خواجہ سرا) کو جس کا نام ''عبادہ'' تھا حکم دیتا تھا کہ اپنے پیٹ پر تکیہ باندھ کر رقص کرے۔ اور اس کے گنجا ہونے کی وجہ سے وہ اسے امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دیتا تھا۔ چونکہ روایات میں حضرت علی علیہ السلام کی صفات میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ''انزع بطین'' تھے یعنی کنپٹیوں پر بال کم ہے اور شکم بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ متوکل اور اس مصاحب امامؑ کا مذاق اڑانے کیلئے شراب پی کر تالیاں بجاتے اور وہ رقص کرتا اور گانے والے یہ گاتے ''قد اقبل الاصلع البطين خليفة المسلمين'' (آ گیا گنجا پیٹو، مسلمانوں کا خلیفہ) اور موکل شراب کے نشے میں بدمست ہو کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا ایک دن اس کا بیٹا ''منتصر'' اس محفل میں موجود تھا اور اسے یہ بات ناگوار گزری اس نے تہدید آمیز نگاہوں سے عبادہ کی طرف دیکھا۔ تو اس نے یکدم ناچنا بند کر دیا۔ متوکل نے اس سے اسکا سبب پوچھا تو اس نے کہا ''آپ کا یہ بیٹا مجھے تہدید آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ تو اس نے گویوں کو حکم دیا کہ یہ شعر گائیں ''غار الفتى الابن عمه راس الفتى فی حرامه'' (اس نوجوان کو اس چچازاد بھائی علی علیہ السلام کی وجہ سے غیرت آ گئی ہے۔ اس جوان کا سر اس کی ماں کے۔۔۔)

③ العتبات المقدسہ قسم کربلا صفحہ ۲۵۸ از کتاب ''تاریخ کربلا وحائر الحسینؑ'' مولفہ ڈاکٹر عبدالجواد کلیدار صفحہ ۱۹۱

☆ پہلی مرتبہ ۲۳۲ھ میں [1] اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اس کی ایک گویا لونڈی ماہ شعبان میں کربلا معلیٰ [2] کی زیارت سے واپس آئی۔ تو اسنے عمر بن فرج کو بھیجا کہ مامون عباسی نے وہاں پر جو تعمیرات کرائی تھیں سب کو گرادے اور امام مظلوم کی قبر کو گرا کر اس پر ہل چلادے۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچا تو بیلوں کے ذریعے تمام قبروں پر ہل چلا دیئے۔ لیکن

---

(۱) شاید اس سے بھی زیادہ عقیدے دیکھے جائے۔ تو یہ واقعہ ۲۳۳ھ میں ہوا ہو۔ کیونکہ متوکل ۶ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں برسر اقتدار آیا، بنابریں اس کی حکومت میں شعبان کی پہلی تاریخ ۲۳۳ھ ہی میں ہوگی۔

(۲) العتبات المقدسہ، قسم کربلا صفحہ ۲۵۸، تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ صفحہ ۲۰۲ اور مقاتل الطالبین صفحہ ۴۴۸ میں ہے ''متوکل کے برسر اقتدار آنے سے پہلے بعض کوٹھے والیاں بناؤ سنگھار کر کے کچھ چھوکریوں کو متوکل کی طرف بھیجتی تھیں جو اس کے شراب پینے کے بعد گانا گایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ اس نے ایک کوٹھے والی چھوکریوں کو بلایا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ گھر پر نہیں ہے اور وہ اس وقت امام حسینؑ کی زیارت کیلئے گئی ہوئی تھی۔ جب اسے پتہ چلا کہ متوکل اس سے لڑکیوں کی مانگ کر رہا ہے تو جلدی سے واپس آ گئی اور اس لڑکی کو اس کی طرف بھیج دیا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ متوکل نے اس لڑکی سے پوچھا کہ ''تم کہاں تھیں؟'' تو اس نے کہا ''میری مالکن حج کو گئی تھی اور ہمیں بھی ساتھ لے گئی تھی'' اور یہ ماہ شعبان کے ایام تھے۔ اس نے پوچھا ''شعبان میں کس کا حج ہوتا ہے؟'' اس نے کہا ''امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کو گئے تھے'' یہ سن کر اس کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی اس نے فوراً اس کوٹھے والی کو بلوا قید میں ڈال دیا اور اس کی املاک پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو ''دیزج'' کہا جاتا تھا جو مذہب کے لحاظ سے تو یہودی تھا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، کو قبر امام حسینؑ کی طرف روانہ کر دیا اور اسے قبر پر پانی چھوڑنے اور ہل چلانے اور اس کے اطراف میں رہنے والوں لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کرنے کا حکم دیا۔ وہ حکم کی تفصیل کے لئے وہاں پہنچ گیا اور تمام عمارتوں کو مسمار کر دیا اور روضے کے اطراف کے دو سو جریب ہر جریب (60 x 60) کے علاقے پر مشتمل تھا۔

لیکن جب قبر مبارک کے قریب پہنچا تو کسی میں آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ چنانچہ اس نے یہودی قوم کے افراد کو بلوایا۔ تو انہوں نے قبر کے اطراف مین ہل چلائے اور پانی چھوڑ دیا۔ اس نے ہر طرف سے آنے والے رستوں پر تفتیشی چوکیاں قائم کر دیں۔ اور ہر ایک میل پر ایک چوکی قائم کی۔ چنانچہ انہیں جو بھی زائر ملتا وہ اس کے طرف بھیج دیا جاتا اور وہ اسے یا تو قتل کر دیتا یا پھر سخت ترین اذیت سے دوچار کر دیتا۔ یہاں پر ہمارے لئے ایک بات ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ پہلی اور دوسری مرتبہ کی تباہکاری کو آپس میں ملا دیا گیا ہے۔ جب اسی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران میں شہر کا رقبہ دو سو بر جریب تھا اور بر جریب ۶۰×۶۰ ہاتھ کے قریب آتی ہے بر جریب (۴۹۸۔۴۷X۴۹۸۔۴۷)=۲۲۵۶۔۰۶ مربع میٹر کے برابر ہوگی۔ بنابریں پورے شہر کا رقبہ آدھے کلومیٹر کے بھی کم ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مقدار اس طرح ہو (۹۷۔۴۷۴X۹۴۔۹۴۹) تو اس طرح سے ممکن ہے کہ یہ مقدار دونوں روضوں اوران کے قرب وجوار پر مشتمل ہو۔ عمر بن فرج زجی۔ یارخجی۔۔ متوکل عباسی کے دور حکومت میں ایک عرصے تک مکہ اور مدینہ کا گورنر رہا۔ اس کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس ذریعے قبر امام مظلوم کربلا کے انہدام کو ایک سال بھی نہیں گزر پایا تھا کہ ایک زبردست مصیبت میں گرفتا ہو گیا اور وہ یہ کہ متوکل اس سے ناراض ہو گیا اور اسے زندان میں ڈال دیا۔ اور اسے اس اموال وملاک سے محروم کر دیا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۹۷۔ کتاب کامل جلد ۵ صفحہ ۲۸۷ میں ہے کہ ''عمرو بن فرخ رخجی۔ علی علیہ السلام کے ساتھ بغض اور دشمنی کے ساتھ مشہور تھا۔

(۳) بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۸ حدیث ۸۔ امالی شیخ طوسی صفحہ ۳۳۴

جب قبرامام عالی مقامؑ کے نزدیک گئے تو بیلوں نے وہاں پر چلنے سے انکار کردیا۔④

پھراس کے بعد موالیان اہلبیتؑ نے ہرطرح کے جبرواستبداد اور کڑی سزاؤں کے باوجود بھی قبرمطہر کو آباد کرنے اور اسے دوبارہ بنانے میں پوری پوری کوشش میں لگے رہے۔⑤

☆ دوسری مرتبہ ۲۳۶ھ میں① بھی متوکل عباسی ہی ضریح مطہراوراس کے ملحقات کومنہدم کردیااورزمین کوہموار کرنے کے بعداس پرزراعت کرادی② اسی طرح اس نے اس کے اطراف میں موجود گھروں اور مکانوں کوزمین بوس کرادیا۔ پھراس جگہ کی اوردوسرے مقدس مقامات کی زیارت پر پابندی لگادی③ اورزائرین کوسخت سزائیں دینے کا اعلان کردیا۔④ کہ ''تین دن کے بعد جوشخص بھی ہمیں قبرحسینؑ کے پاس ملاتو اسے ہم گرفتار کرکے ہمیشہ کیلئے قیدخانہ کی قید میں ڈال دیں گے''⑤ سماوی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے اشعار میں کہتے ہیں ''پھرجعفر(متوکل) نے قبرامام مظلوم پرپانی چھوڑنے' ہل چلانے اوراسے اکھاڑ دینے کا حکم دیا۔ یہ ۲۶۳ھ کی بات ہے جب حکومت کا معاملہ ایک بدزبان دشمن (متوکل) کے پاس پہنچ گیا۔'' قبرکے مسمارکرنے اوراجاڑ دینے کا کام ایک یہودی⑥ شخص کے ذمہ لگایا جس کا نام ''ابراہیم دیزج'' تھا' اس نے اسے قبرامام

---

④ کتاب شہرحسینؑ صفحہ ۲۰۷ میں ہے ''مرقد مبارک حضرت امام حسینؑ دونوں مرتبہ کی تباہیوں کے درمیان آباد ہوئی اوردوسری مرتبہ اس کے اطراف میں مکانات تعمیرہوئے۔لیکن تاریخ یہ بتانے سے قاصرہے کہ دوسری مرتبہ کی تعمیرات کا بیڑا کس نے اٹھایا؟

① مطابق ۸۵۰ سے ۸۵۱ء یعقوب سرکین نے صرف اسی مرتبہ کے انہدام کی طرف اشارہ کیا ہے جومتوکل کے دورحکومت میں کھیتی باڑی کی گئی اور عمارتوں کومسمارکیا گیا

② ''تاریخ کربلا وحائرالحسین'' صفحہ ۲۰۵ ازتاریخ ابوالفداء جلدنمبر۲ صفحہ' تاریخ طبری جلد ۵ ۳۱۲ کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۷۸، مروج الذہب صفحہ ۵۱ وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۴۵۵، فورس الوفیات جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ اورنزہۃ اھل الحرمین صفحہ ۱۸

③ مروج الذہب جلد ۴ صفحہ ۵۱ میں ہے کہ منتصر کی حکومت سے پہلے آل ابوطالب سخت مشکلات کا شکارتھی اورہروقت جان کے خطرے میں مبتلا تھی۔ انہیں کربلا اورنجف اشرف کی زیارتوں سے روک دیا گیا۔اسی طرح دوسرے شیعان علیؑ پربھی مقامات مقدسہ کی زیارتوں کی پابندعائدکردی گئی تھی۔ اوریہ سلسلہ متوکل کے دور ۲۳۶ھ سے شروع ہوا۔

④ العتبات المقدسہ قم کربلا صفحہ ۲۵۸ ازدائرۃ المعارف الاسلامیۃ

⑤ العتبات المقدسہ'' قم کربلا صفحہ ۹۳' تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۷۔

⑥ کتاب مجالی الطف جلد ۲ صفحہ ۳۹

عالی مقام میں ردوبدل کرنے اور اسے تہس نہس کرنے کا کام ذمے لگا کر کربلا معلّٰی بھیج دیا اور ساتھ ہی قاضی ابن عمار ① کی طرف لکھ بھیجا کہ: ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ابراہیم دیزج کو حسینؑ کی قبر اکھاڑ دینے کیلئے کربلا بھیج دیا ہے۔ لہٰذا تم جب میرا یہ خط پڑھو تو اس کام کی نگرانی تم خود کرو قاضی کا حکم کو سرانجام دینے کے بعد اس کے پاس واپس آ گیا' قاضی نے پوچھا: ''کیا کر کے آئے ہو؟'' اس نے جواب دیا ''جو آپ نے حکم دیا میں نے اس کی مکمل طور پر تعمیل کر دی ہے' وہاں پر مجھے نہ تو کچھ نظر آیا اور نہ ہی کچھ ملا''۔ ''تو کیا تم نے اسے گہرائی تک نہیں کھودا'' قاضی نے پوچھا اس نے کہا ''میں نے ایسا کیا ہے لیکن کچھ نہیں دیکھا''۔ اس پر قاضی نے متوکل کو لکھ بھیجا کہ ''ابراہیم دیزج نے قبر کو کھودا ہے، لیکن اسے کچھ نہیں ملا، اور میں نے قبر پر ہل چلانے اور پانی چھوڑنے کا حکم دیا ہے''۔

صفحہ نمبر ۳۶۹	تصویر نمبر ۱۵۶ (۱۴) حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک

① العتبات المقدسہ قم کربلا صفحہ ۲۵۹۔ ڈاکٹر عبدالجواد کلیداری اپنی کتاب کربلا و حائر الحسین صفحہ ۲۰۳ میں دیزج کے کربلا بھیجے جانے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''حسینِ مظلوم کی قبر مطہر کو مسمار کرنے کی مسلمان جرات نہیں کرتے تھے۔ چونکہ ابراہیم دیزج یہودی الاصل تھا لہٰذا وہ اس مقصد کیلئے اپنی قوم سے کچھ یہودی افراد کو لے آیا۔ اور اس مرتبہ یہودیوں نے بذاتِ خود قبر کے مسمار کرنے کا قبیح فعل انجام دیا۔ جبکہ دیزج نے متوکل کے اس حکم پر ہی اکتفا نہیں کیا کہ قبر مظلوم کو مسمار کر دیا جائے، بلکہ اس کے اطراف میں موجود گھروں اور مکانوں کو بھی تباہ و برباد کر دیا اور تمام راستوں پر تفتیشی چوکیاں بھی قائم کر دئیں۔ جس کے ذریعہ سے زائرین کو گرفتار کر کے یا تو انہیں قتل کر دیا جاتا یا پھر اذیتوں کا نشانہ بنایا جاتا۔

① ابراہیم دیزج بن سہل، سامراء اور بغداد میں رہتا تھا، بنی عباس کے مقربین میں شمار ہوتا تھا۔ ایک زیادہ مرتبہ محکمہ پولیس کا اعلیٰ افسر بھی رہ چکا تھا۔ ترکوں نے اسے نسب سے ملحق کیا ہے' ۲۵۱ھ تک زندہ رہا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ۲۴۷ھ میں واصل جہنم ہوا۔ یعنی متوکل کے مرنے سے دو دن بعد اور ''دیزج'' فارسی طفظ ہے خبر کے معنی ہیں ''دو سیاہ گدھا''۔ دیزج اور دیز بھی تلفظ کیا جائے؟ ☆۔ ابن عمار یعنی جعفر بن محمد بن عمار کوفی برجمی کیلئے کوفہ میں عباسیوں کا چیف جسٹس رہا پھر سامراء میں۔ ☆۵ متوکل کے اس اقدام اور اس کا قاضی کو یہ ذمہ داری کو سونپنے سے پہلے اچھی طرح معلوم تھا کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا ہی گیا گزرا ہو مظلوم کربلا کی قبر کو مٹانے جیسے شرمناک فعل کا انجام دینا مشکل ہے۔

ایک مرتبہ ''ابوعلی عماری''① کی ملاقات ''ابراہیم دیزج سے ہوئی اس نے اس سے قبر مطہر کی حقیقت حال کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا: ''میں وہاں پر اپنے مخصوص افراد کے ساتھ گیا اور قبر کو کھودا تو اس میں ایک نئی سے چٹائی② دیکھی جس پر حسینؑ بن علیؑ کا جسم رکھا ہوا تھا اور مجھے اس سے کستوری کی خوشبو محسوس ہوئی لہٰذا میں نے بوریا اور جسم کو اپنے حال پر رہنے دیا اور حکم دیا کہ قبر پر مٹی ڈال دی جائے۔ اس کے بعد میں پانی چھوڑنے کا حکم دیدیا۔③ اس پر ہل چلانے اور کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا لیکن بیلوں نے وہاں پر ہل چلانے سے انکار کر دیا۔ جب بھی قبر کے نزدیک جاتے وہاں سے واپس آ جاتے۔ میں نے اپنے تمام کارندوں کو خدا کی قسم دی اور سخت ترین قسم کھا کر، اگر کسی نے بھی اسی بات کا تذکرہ کیا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا''④ سماوی اس حادثے کو اپنے اشعار میں یوں قلمبند کرتے ہیں کہ: جب سورج چمکنے لگا تو وہ لوگ اٹھے اور تمام عمارتوں کو مسمار کر دیا۔ اور قبر کو کھولا تو بوریا چٹائی ظاہر ہوئی، جس سے کستوری جیسی خوشبو مہک رہی تھی جیسے دلہن سے آتی ہے میں نے کہا کہ اسے اپنے حال پر رہنے دو، اگر اپنے چشم دید حالات کسی نے بیان کئے تو فوراً قتل کر دوں گا پھر ہم نے زمین پر ہل چلانے شروع کئے۔ لیکن بیل وہاں تک پہنچ کر رک جاتے تھے۔ جب انہیں ہل چلانے کیلئے مارتا جاتا تو وہ واپس لوٹ آتے پھر ہم نے قبر پر پانی چھوڑ دیا تو پانی بھی قبر کی اطراف میں رک کر حیران کھڑا رہا۔⑤

---

① ابوعلی عماری یا بعض کتابوں کے مطابق ابوعلی قماری، کی شخصیت ہمارے لئے واضح نہیں ہوسکی لیکن لفظ ''عماری'' میم کی شد کے ساتھ، کی نسبت عام طور پر دادا کی طرف دی جاتی ہے۔ جیسا کہ سمعانی کی کتاب ''الانساب'' میں ہے۔ اور جس طرح کہ قدیم سے یہ طریقہ رائج چلا آ رہا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ کو ''ابوعلی'' کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ قاضی جعفر بن محمد بن عمار کی کنیت ہو جس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ واللہ اعلم۔

② باریہ کا لفظ ہے جس کے معنی چٹائی۔ یا بوریا۔

③ اس حصے کو محبت قمی شیخ عباس نے اپنی کتاب ''نفس المھموم'' صفحہ ۲۴۵ میں نقل کیا ہے

④ کتاب مجالس العلو جلد ۲ صفحہ ۳۶۔

مذکورہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ محبان اہل بیت علیہم السلام نے اپنے مظلوم امامؑ کی قبر کو کبھی اپنے حال پر نہیں چھوڑا بلکہ موقع کی مناسبت اور حالات کے ناسازگار ہونے اور حکومتوں کے دباؤ کے باوجود بھی اسے آباد و شاد رکھنے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہے۔

☆ تیسری مرتبہ ۲۳۷ھ میں جب متوکل کو معلوم ہوا کہ سرزمین نینوا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کیلئے لوگ دیہاتوں سے آ کر اکٹھے ہوتے ہیں اور کافی تعداد میں [1] مخلوق زیارت کرنے کیلئے آ رہی ہے تو اس نے اپنے سرداروں [2] لشکر میں سے ایک شخص ''ہارون معری'' [3] کو کربلا بھیجا اور اپنے وزیر عبیداللہ بن یحیٰ [4] کے ساتھ اباعبداللہ باقطانی [5] کو بھی ملا دیا تا کہ وہ ان واقعات کی رپورٹنگ کرتے۔ [6] اسی طرح لشکر کے ساتھ ابراہیم بن دیزج کو بھیجا تا کہ قبر کو مسمار کرنے اور اس پر ہل چلانے کے احکامات کو یقینی بنائے اور لوگوں کو اس کی زیارت سے روکنے اور قبر مطہر پر انہیں اکٹھا نہ ہونے دے۔ [7]

---

1. تاریخ کربلا و حائر الحسین صفحہ ۲۰۷ سی طرح سپ کی نے اختصار کے ساتھ اسے اپنی کتاب طبقات شافعہ جلد اول صفحہ ۲۱۶ میں اور کرمانی نے اپنی کتاب اخبار الدول اور کتاب اجناد الطوال میں ۲۳۷ھ کے حوادثات کے ضمن میں لکھا ہے۔
2. بحارالانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۷ حدیث ۵۔ امالی طوسی صفحہ ۳۲۵۔
3. شام کے شہر ''معرۃ النعمان'' کی نسبت کی وجہ سے ''معری'' کہلاتا تھا۔ متوکل عباس کے دور حکومت ۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ میں اس کی فوج کا کمانڈر تھا۔
4. عبیداللہ بن یحیٰ بن خاقان (۲۰۹-۲۶۳ھ) عصر عباسی کے مقدم وزراء میں سے ہوتا۔ متوکل اور معتمد نے بھی اسے وزیر بنائے رکھا اور مرتے دم تک وزارت کے عہدے پر فائز رہا
5. باقطانی ایک ایسا لقب ہے جس ہم حسین بن علی کے علاوہ کسی کو اس سے لقب نہیں پاتے۔ جس شیعوں کی سرکردہ ہستیوں میں ہوتا ہے۔ حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ کی غیبت کے زمانے میں ۲۶۰ھ میں زندہ تھا۔ منحرف ہو کر دو سال بعد امام کی نیامت کا دعویٰ کر دیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اس موقف سے پلٹ گیا تھا۔ کیونکہ ۳۰۵ھ میں جب امام زمانہؑ کے نائب محمد بن عثمان عمری کے زمانہ رحلت میں کے نزدیک ان کے گھر میں شیعہ اکابرین کا اجلاس ہوا تا کہ محمد بن عثمان سے دریافت کریں کہ ان کے بعد نیابت کا عہدہ کسی کے پاس ہوگا۔ تو انہوں نے حسین بن روح کی طرف رہنمائی کی۔ اگر اس بنا پر اس بات سے انکار کیا جائے کہ کربلا کی بربادی کیلئے اسکا دیزج کے ساتھ جانا بعید نظر آتا ہے۔ تو ایسا ناممکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وہاں پر اس مقصد کیلئے نہیں گیا تھا کہ قبر منور کو منہدم کرنے میں حصہ لے بلکہ وہ تو حالات و واقعات کی رپورٹنگ کے لئے گیا تھا۔ جیسا کہ اخبار نویسوں کا طریقہ کار ہوتا ہے۔ اسی طرح دونوں تاریخوں کے درمیان بھی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنی عمر کی دوسری دہائی میں کربلا گیا ہو اور نویں دہائی میں عمری کے ہاں اکابرین کے اجتماع میں شریک ہوا ہو۔ واللہ اعلم
6. بحارالانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۵۔ امالی طوسی صفحہ ۳۲۵
7. بحارالانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۵۔ ہارون معری کہتا ہے کہ متوکل نے مجھے اور دیزج کو قبر حسینؑ کے اکھاڑنے اور پانی لگانے کیلئے بھیجا۔

چنانچہ جب یہ لوگ ادھر کو جانے کیلئے تیار ہو گئے تو ہارون معری نے حضرت رسول کو خواب میں دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں کہ: ''دیزج کے ساتھ مت جاؤ اور حسینؑ کی قبر کے متعلق تمہیں جو حکم ملا ہے اسے بجا نہ لاؤ'' جب صبح ہوئی تو وہ لوگ اس کے پاس آ گئے اور اسے ہر ممکن تیار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ اور اس نے کربلا پہنچ کر وہی کچھ کہا جو دوسروں نے کہا اور حکم حاکم کی تعمیل کی۔① لیکن وہاں پہنچتے ہی گاؤں والے سردار لشکر پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے۔

''اگر ہم سب کے سب بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں جب بھی ہم یا یہاں قبر کی زیارت سے نہیں ہٹیں گے اور انہوں نے اپنے اس اقدام کے دلائل پیش کئے۔ چنانچہ اس نے یہ سب حالات متوکل کی طرف لکھ بھیجے۔ جس کے جواب میں متوکل نے سربرہ لشکر کو ان سے دستبردار ہو جانے اور کوفے کو چلے جانے کا تحریری حکمنامہ جاری کیا۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ اس کا کوفے کو چلے جانا وہاں کے لوگوں کے فائدے میں ہے اور کی حفاظت ضروری ہے۔② پھر یہ کہ اس نے حضور پیغمبر خدا کو خواب میں بھی دیکھا کہ آنحضرتؐ اس سے فرما رہے تھے ''آیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ ان کے ساتھ مت جاؤ اور ان کے جیسا کام نہ کرو؟ لیکن تو نے میری بات نہیں مانی اور تو نے بھی ان کے جیسا کام کیا''۔ اس کے بعد آنجنابؐ نے مجھے طمانچہ رسید کیا اور میرے منہ پر تھوک دیا'' جس کی وجہ سے اس کا منہ کالا ہو گیا۔③ ساوی اس حادثہ کو اپنے اشعار میں یوں قلمبند کرتے ہیں

---

① بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۷

② بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۷۔ اس پر عبدالجواد کلیدار نے اپنی کتاب ''تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ'' صفحہ ۲۰۹ میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''طاغوت (متوکل) اس مرتبہ اپنے مقصد میں اسی طرح کامیاب نہیں ہو سکا جس طرح اس سے پہلے کامیاب ہوتا رہا اور اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ رائے عامہ کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہاں کے مومنین نے اس کی فوج کی زبردست مزاحمت کی۔

③ اس کا سارا جسم حتیٰ کہ ہاتھ اور پاؤں تک چٹے گورے تھے۔ لیکن چہرہ تاکول کی مانند سیاہ ہو گیا تھا۔ جیسا کہ اس کے اپنے منشی ابوعبداللہ باقطانی کی روایات سے خود اسی کی زبانی روایت کی گئی ہے۔ بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۵۔ از امالی شیخ طوسی صفحہ ۳۳۵۔

ترجمہ اشعار

کہ ''اس میں ہے کہ باقطانی① نے جو دفتر کا منشی تھا، بیان کیا ہے کہ اس (معری) کے چہرے کا رنگ خارش زدہ جیسا تھا اور اس کا جسم سیاہ کالا تارکول کی طرح تھا۔ ایک دن میں نے اس کی جاہ وحشمت کو دور پھینکتے ہوئے اس سے پوچھا کہ تمہارا چہرہ یہ رنگ کیوں اختیار کر گیا ہے تو اس نے کہا اگر تم دوسروں کو نہ بتاؤ تو تمہیں اس بارے میں بتاتا ہوں، تو میں نے کہا تیری عظمت کی قسم میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

اس نے نے کہا کہ میں دیزج کے ہمرایوں میں سے ہوکر کربلا کی طرف گیا حالانکہ خواب میں مجھے محمد مصطفیٰ نے فرمایا تم نہ جاؤ، جب میں نے خواب میں رکنے کا اشارہ پایا تو میں نے اس کے ساتھ جانے سے منہ موڑ لیا، لیکن دیزج میرے پاس آیا ور مجھے جلدی سے بلانے لگا۔ چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل کیلئے میں کربلا کے انہدام اور قبر پر ہل چلانے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ پھر مجھے دوسری مرتبہ رسول پاکؐ خواب میں ارشاد فرمایا تم میرے روکنے پر رکے کیوں نہیں تجھ پر لعنت ہو تو نے میرے نیک بیٹے کی قبر پر ہل چلائے؟ یہ کہہ کر انہیں نے میرے چہرے پر طمانچہ دے مارا جس کا اثر یہ تھا۔ جس کی وجہ سے منہ کالا ہو گیا لیکن باقی جسم بچ گیا اور اب میری کیفیت وہ ہوگئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ جب بھی کوئی مجھے اس چہرے اور جسم کے ساتھ دیکھتا ہے تو میں گھلنے اور پگھلنے لگ جاتا ہوں۔②

---

① اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساوی کے اشعار میں باقطانی، ہارون معری کے حالات کو بیان کر رہا ہے۔ نا کہ اپنے اپنے حالات کو جیسا کہ کبھی کبھار بعض اذہان کا تبادر ایسی طرف ہوتا ہے۔ اور اس میں موجود ضمیر باقطانی کی طرف نہیں بلکہ اس سے پہلے کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ساوی نے اس نے پہلے کے اشعار میں دیزج کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا۔ لیکن یہ حادثہ معری کے ساتھ پیش آیا جیسا کہ روایت بتا رہی ہے۔ اور آپ نے اپنی انہی اشعار میں سے پانچویں شعر میں دیزج کے علاوہ شخص کا تذکرہ ہے۔

② مجالی الطف جلد ۲ صفحہ ۲۷

زائرین حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپ کی قبر کی زیارت کو سلسلے کو جاری رکھا اور بوقت ضرورت اس کی تعمیر و اصلاح کرتے رہے۔ چنانچہ عبدالحمید کلیدار اس بار بار کے انہدم پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''قبر کے انہدام کے بار بار کے اقدام اور اس کے ساتھ کی ہر مرتبہ فوری تعمیر و آبادکاری۔ اگر کسی چیز پر دلالت کرتی ہے۔ تو وہ ایک طرف متوکل کے عقل میں واضح فتور اور دوسری طرف ایک عام مسلمان کے اس عقیدے کی پختگی پر جو یہ سمجھتا تھا کہ حسین شہید زندہ جاوید ہے وہ زندہ و پائندہ رہے۔ اس کی ضریح اقدس ہمیشہ آباد و شاد رہے اور اس کی خاک ہمیشہ مقدس رہے۔ خواہ ظالم اور غاصب دشمن اپنے ظلم و ستم اور سزاؤں اور عقوبتوں کی انتہا کردیں۔''①

☆ ۲۴۰ھ میں ''اشنائی''② ایک عطار کی میت میں چھپ کر سید الشہداء علیہ السلام کی قبر کی زیارت کیلئے کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قبر مطہر کے قریب پہنچے تو وہاں پر انہیں کچھ عرصہ ٹھہرنا پڑا۔ کیونکہ قبر کی تلاش میں دشواری پیش آرہی تھی۔ کیونکہ وہاں پانی چھوڑ دیا گیا تھا۔ کھیتی باڑی کی جاچکی تھی۔ انہوں نے وہ جگہ تلاش کرلی وہ اس کیفیت میں تھی کہ قبر کے صندوق کو اکھاڑا جاچکا تھا اور اس کے اطراف کو کھودا جاچکا تھا۔ صندوق کو نذر آتش کیا جاچکا تھا۔ پھر پانی چھوڑ دیا گیا تھا' جس کی وجہ سے وہ جگہ زمین کے اندر دھنس چکی تھی اور قبر کا اردگرد کا علاقہ خندق نما بن چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ زیارت کی تمام رسمیں پوری کرچکے تو قبر کے گرد کئی مقامات پر واضح نشانات لگادیئے③ اشنائی موصوف' اس وقت کے ''امن و امان'' کی کیفیت کو اپنے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

تصویر نمبر ۱۵۷ (۲۵) مزار مبارک پر ہل چلانے کے بعد مقام قبر کا تعین	صفحہ نمبر ۳۷۰

① العتبات المقدسہ قسم کربلا۔ فصل کربلائی المراجع الغربیۃ۔ بقلم ڈاکٹر جعفر خیاط صفحہ ۲۵۹۔ اور کتاب شہر حسین۔ صفحہ ۲۰۸ میں ہے کہ ان ظالموں نے نہ صرف قبر کو مسمار کیا بلکہ اطراف کے گھروں کو بھی زمین لے برابر کردیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی قبر کے مجاورین اور ساکنین کا قبر کی بقاء پر اصرار رہا ہے۔

② آشنائی کے لفظ میں ''اشنان'' کی طرف نسبت پائی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آباؤاجداد میں سے کوئی شخص اشنان (خوشبودار بوٹی) کا کاروبار کرتا تھا اسی وجہ سے انہیں ''اشنائی'' کیا جاتا ہے۔ بعض کتابوں میں لفظ ''آشنائی'' مذکور ہے بہرصورت جو بھی ہو، وہ محمد بن حسین علی اشنائی تھے۔ کتاب شہر حسینؑ کے حاشیہ پر ہے کہ: ان کا تعلق کوفہ سے تھا۔ وہاں کے بزرگ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ متوکل نے قید کرکے انہیں زندان میں ڈال دیا تھا۔ اور شاید آپ ابوجعفر محمد بن حسین بن حفص بن عمر خثعمی، کوفی (۲۲۱-۳۱۷ھ) ہوں کہ جن سے تلعکبری نے روایت بیان کی ہے اور روایت سند کا اجازہ عطا فرمایا تھا۔

③ ملاحظہ ہوں کتاب: الحرکۃ العلمیۃ فی کربلا صفحہ ۱۴ اتراث کربلا صفحہ ۲۲۷، رسالہ ''عاشورا'' تہران شمارہ ۹ جلد ۵ صفحہ ۳ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ، تاریخ کربلا و حائر الحسین صفحہ ۲۱۲ مقاتل الطالبیین صفحہ ۴۷۹ھ اور شرح شافیہ صفحہ ۲۱۰

''جب ان دنوں میں نے زیارت کا قصد کرلیا جو خوف وحراس کے دن تھے۔ میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہ قدم اٹھایا اور اس بارے میں ایک عطار نے بھی میرا ساتھ دیا، چنانچہ ہم عازم زیارت ہو کر چل پڑے۔ دن کو چھپ جاتے تھے۔ اور رات کو سفر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم ''غاضریہ'' کے اطراف میں پہنچ گئے۔ ہم وہاں سے آدھی رات کے وقت باہر آ گئے اور دو چیک پوسٹوں کے درمیان سے ایسی حالت میں وہاں سے گزرے کہ جب وہاں کے متعلقہ لوگ سوئے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ہم قبر مقدس پر پہنچ گئے۔ البتہ قبر کے نشانات ہم سے مخفی ہو چکے تھے۔ تو ہم نے وہاں کی زمین کو سونگھ سونگھ کر قبر مطہر کا پتہ چلا لیا......[1]

شاید اسی وجہ سے اس جگہ کو پھر سے حائرؔ'' کہا جانے لگا۔ اس لئے کہ پانی اس جگہ کے ارد گرد بلند ہوتا گیا لیکن قبر کی حدود میں داخل نہیں ہوا۔ حالانکہ امام جعفر صادقؑ اس سے پہلے (۱۴۸ھ) میں اس پر ''حائر'' کا اطلاق فرما چکے ہیں۔

☆ چوتھی مرتبہ یہ ۲۴۷ھ کی[2] بات ہے کہ جب متوکل کو ایک بار پھر معلوم ہوا کہ بادیہ نشین اور کوفے کے رہنے والے قبر امام مظلوم کیلئے کربلا کو جا رہے ہیں اور لوگوں کی تعداد اس مقصد کیلئے بڑھ چکی ہے بلکہ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور ان کا بہت بڑا بازار[3] قائم ہو چکا ہے۔ اس پر اس نے ایک شخص کے زیر کمان فوج کا ایک حصہ کربلا کی طرف بھیج دیا۔

---

① مقاتل الطالبین صفحہ ۴۷۹۔

② کتاب تاریخ کربلا و حائر الحسین صفحہ ۲۱۴ میں اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ جب متوکل نے حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی قبر مطہر کو چوتھی مرتبہ مسمار کیا تو یہ موقع پندرہ شعبان کے ہم زمان تھا۔ اور اس دن لوگ بڑی تعداد میں اور کثرت کے ساتھ کربلا کی زیارت کو جاتے ہیں۔

③ روایت میں لفظ ''سوق'' استعمال ہوا ہے۔ اگر اسی لفظ کی سین کو فتح (زبر) کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے۔ لوگوں کا بڑی تعداد میں جانا اور اگر سین ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے بازار اور خرید و فروخت کا مرکز لیکن ذہن میں یہی دوسرا معنی متبادل ہوتا ہے۔

وہاں پر پہنچ کر اس کی طرف سے ایک منادی نے اس طرح اعلان کیا: ''جو شخص قبر حسینؑ کی زیارت کو جائے گا اس کے خون کی ذمہ داری ہم پر بھی نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس نے قبر کی زمین کو کھود کر اس پر ہل چلا دیئے اور لوگ زیارت سے رک گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے آل ابو طالب اور شیعان اہل بیت کو ڈھونڈھ کر بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ①

اس مرتبہ بھی قبر کو مسمار کرنے کا کام ابراہیم دیزج ہی نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔ ''متوکل نے مجھے قبر حسینؑ نینوی کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ ہم اس پر ہل چلا دیں اور قبر کے نشانات تک مٹا دیں۔ پس میں شام کے وقت اس علاقے میں پہنچ گیا اور ہمارے ساتھ کچھ کارندے بھی تھے، جو اپنے ہمراہ کھیتی باڑی اور کاشتکاری کے آلات اور کدالیں وغیرہ لائے ہوئے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنے جوانوں اور ساتھیوں سے کہا کہ وہ ان کارندوں کو قبر کی تخریب اور زمین کی کاشت کے کام پر لگا دیں۔ سفر کی تھکان کی وجہ سے میں اپنے آپ کو ان سے دور لے جا کر آرام کرنے کیلئے سو گیا۔ مجھے جلدی نیند آ گئی۔ اسی اثناء میں شور غوغا بلند ہوا اور جوانوں نے مجھے جگانا شروع کر دیا۔ میں دہشت زدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، ان سے پوچھا کہ: ''کیا ہوا؟'' انہوں نے جواب دیا: ''عجیب حالات پیدا ہو گئے ہیں!'' میں نے پوچھا ''وہ کیا؟'' انہوں نے کہا: ''قبر کے مقام پر کچھ لوگ موجود ہیں جو ہمارے اور قبر کے درمیان آڑے آئے ہوئے ہیں اور ہمیں اپنے تیروں کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔''

---

① بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۷۔ امالی شیخ طوسی صفحہ ۳۳۵ اور تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ صفحہ ۲۱۱ میں ناسخ التواریخ طبع قدیم صفحہ ۴۳۸ سے منقول ہے کہ متوکل کو دوسری مرتبہ معلوم ہوا کہ مختلف قبائل اور اطراف سے لوگ جوق در جوق ارض نینوی کی طرف جا رہے ہیں اور یہ زمین ان کیلئے بیت اللہ کی مانند مقام طواف کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ اور قبر مطہر امام حسین علیہ السلام کے نزدیک انہوں نے بہت بڑا بازار قائم کر لیا ہے۔ یہ سن کر متوکل کے تن بدن میں آگ لگ گئی، جس کی وجہ سے اس نے فوراً ہی ایک لشکر کربلا کی طرف بھیجا تا کہ قبر مطہر کو مسمار کر دیا جائے اور اس پر پانی چھوڑ کر ہل چلا دیئے جائیں۔ اور وہاں پر آل ابو طالبؑ اور شیعان علیؑ سے جو بھی شخص مل جائے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ لیکن اللہ نے اس کے شر کو دور کر دیا اور وہ اپنے بیٹے منتصر کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

میں معاملے کی چھان بین کیلئے ان کے ساتھ چل دیا۔ وہاں جا کر وہی کچھ دیکھا جو انہوں نے کہا تھا۔ اور یہ واقع ''لیالی بیض''[1] کے ابتدائی حصے کا ہے۔ میں نے ان سے کہا: ''تم بھی ان پر تیروں کی بارش کردو!'' چنانچہ جو بھی تیر ان کی طرف چلایا جاتا وہی واپس اسی شخص کو آکر لگتا جس نے چلایا ہوتا تھا اور اسی تیر ہی سے ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اس سے مجھ پر سخت وحشت طاری ہوگئی اور میں گھر آ گیا مجھے بخار آ گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور فوراً ہی قبر کو چھوڑ کر واپس آ گیا۔ اور میں نے دل میں ٹھان لیا کہ چونکہ متوکل کے حکم کی تعمیل نہیں کی لہٰذا مجھے وہ قتل کرا دے گا۔[2]

ساوی اپنے اشعار میں دیزج کے مذکورہ حادثہ کو یوں قلمبند کرتے ہیں:

ابراہیم یعنی دیزج نے کہا کہ جعفر (متوکل) میں کربلا میں (حسین علیہ السلام کی) قبر کو کھودنے اور زمین پر ہل چلانے اور پانی لگانے کیلئے جاؤں۔

میں قبر کی طرف ایسے لوگوں کے ساتھ روانہ ہوا جن میں ہر قوم سے طاقتور لوگ تھے۔ میرے ساتھ کھیتی باڑی کا ہر قسم کا سامان تھا اور رات کو سو گیا اور صبح کا انتظار کرنے لگا۔ پس مجھے لشکر کی چیخ و پکار نے بیدار کر دیا۔ میں نے پوچھا ان لوگوں کو مجھ سے کام ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ ہمیں آگے بڑھنے سے ایسے لوگوں نے روک لیا ہے جو ہمیں تیر مار رہے ہیں۔ ہم میں سے جو بھی ان کو تیر مارتا ہے، وہ تیر واپس[3] آکر خود اپنے چلانے والے کو آ لگتا ہے پس میں اٹھ کھڑا ہوا تاکہ اس واضح معاملے کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھوں تو میں نے بھی وہی کچھ دیکھا جو مجھے بتایا گیا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر میں کانپنے لگ گیا اور کنارہ کشی اختیار

---

① ''لیالی بیض'' ان راتوں کو کہتے ہیں جن میں چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بدر کامل ہو کر چمکتا ہے۔ یعنی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ کی راتیں۔

② بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۵۔ اس کتاب میں ہے کہ ابوبرزہ نے ابراہیم دیزج سے کہا: متوکل سے جس بات کی بنا پر تو ڈرتا تھا۔ اس سے بچ گیا ہے۔ کیونکہ وہ گذشتہ رات مارا جا چکا ہے۔ اور اس کے قتل میں اس کے بیٹے منتصر کی اعانت بھی شامل ہے۔ یہ سن کر دیزج نے کہا ''میں نے بھی یہ بات سن لی ہے۔ لیکن میرے جسم کو کچھ ایسا ہو گیا ہے جس سے مجھے بچنے کی امید نظر نہیں آتی''۔ ابوبرزہ کہتے ہیں ''یہ دن کے پہلے حصے کی بات ہے اور شام ہونے سے پہلے ہی دیزج مر گیا'' شیخ طوسی نے دیزج کے خواب میں رسول پاک کو دیکھنے۔ آپ کی اس کے منہ پر تھوکنے اور اس کی ہلاکت کے اسباب کو روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو دائرہ المعارف کے ''باب رویا'' اور ''باب الکرامات''۔

③ بظاہر اشعار، اصل نص سے مختلف نظر آتے ہیں۔ کیونکہ تیروں کا واپس پلٹنا، دیزج کے نیند سے بیداری کے بعد ہوا۔

کرلی اوران سے کہا کہ صبح تک ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو[1] ابن بندار[2] کہتے ہیں کہ: ''وہ لوگوں کو مقابر قریش اور حائر حسینی سے[3] روکنے لگا، کچھ مہینوں کے بعد۔ عباسی۔ وزیر باقطائی نے اسے بلایا اور اس سے کہا: ''بنی فرات[4] اور برسیسیوں[5] سے ملو اوران سے کہو کہ وہ قبرستان قریش کی زیارت کو نہ جائیں کیونکہ خلیفہ[6] نے حکم دیا ہے کہ زائرین کو تلاش کر کے انہیں گرفتار[7] کرلیا جائے گا''۔

متوکل کے ظلم کی خبریں ہر طرف پھیل گئیں۔ اور مسلمانوں میں نواسہ رسولؐ کی قبر کی بربادی کے چرچے مسلمانوں میں ہر جگہ ہونے لگے۔ جس سے انہیں سخت دلی تکلیف ہوئی اور اہل بغداد نے دیواروں پر اس کے خلاف گالیاں لکھنا شروع کر دیں۔ شعراء اس کی ہجو میں اشعار کہنے لگے، جن میں سے ایک دعبل خزاعی[8] بھی تھے۔ اسی سلسلے میں ابن سکیت[9] اور بقولے بسامی نے[10] بحر کامل میں اس طرح کہا ہے۔

---

(1) کتاب مجالی الطف صفحہ ۲۶ جلد نمبر ۲

(2) ابن بندار یعنی علی بن محمد بن بندار، یہ محمد بن یعقوب کلینیؒ متوفی ۳۲۹ھ کے اساتذہ میں سے تھے۔ کلینی نے ان سے روایات لی ہیں۔ جس طرح کہ علی بن ابراہیم قمی نے ان سے روایات لی ہیں۔

(3) حائر کو ''حیر'' بھی بولتے ہیں اور یہ خط کی قدیمی تحریر کے مطابق ہے۔ اس سے مراد امام حسینؑ کا حائر ہے۔

(4) ''بنوفرات'' یہ وزیر ابوالفتح فضل بن جعفر بن فرات متوفی ۴۰۵ھ کا قبیلہ ہے۔ اور اگر وزیر باقطائی نے ان کا تذکرہ کیا ہے تو یہ صرف تذکرہ ہی کی حد تک ہے۔ ورنہ بات کہیں پر نہیں ملتی کہ یہ لوگ اس کی ذریت اور اولاد سے ہوں۔ تاکہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ حادثہ پانچویں صدی ہجری میں ہوا۔ یہ بات اپنی جگہ پر علامہ مجلسی کا بحار میں جو احتمال ہے وہ یہ بنوفرات سے وہ لوگ مراد ہیں جو فرات کے کنارے آباد ہو چکے تھے۔

(5) ''برسیوں'' کی نسبت ''برس'' کی طرف ہے جو کوفہ اور حلہ کے درمیان ایک گاؤں ہے اور یہاں کے رہنے والے اہلبیتؑ کے محب اور موالی تھے

(6) خلیفہ سے مراد شاید متوکل عباسی ہے۔ کیونکہ اسی نے ہی انہی ایام میں زائرین پر پابند عائد کی ہوئی تھی۔

(7) کتاف کافی جلد ا صفحہ ۵۲۵۔ کتاب الغیبۃ طوسی صفحہ ۲۸۴ بحار الانوار جلد ا صفحہ ۲۱۳

(8) دعبل خزاعی بن علی (۱۴۸-۲۴۶ھ) کوفہ میں پیدا ہوئے اور یہیں پروان چڑھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی علماء متکلمین اور چیدہ شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ہارون الرشید سے لے کر متوکل عباسی تک عباسی حکمرانوں کے ہم عصر تھے۔

(9) ابن سکیت یعنی یعقوب بن اسحاق دورقی احوازی (۱۸۶-۲۴۴ھ) مذہب امامیہ کے علماء میں سے تھے، نحوی بھی تھے اور ادیب بھی۔ علم عربی کے ادب، لغت اور نحو کے علمبردار تھے۔ کثیر تصنیفات کے حامل ہیں جن میں سے ''تہذیب الالفاظ'' اور ''اصلاح المنطق'' زیادہ مشہور ہیں۔ ایک مشہور حادثے میں متوکل نے انہیں شہید کرادیا۔

(10) بسامی یعنی علی بن محمد بن نصر بن منصور بن بسام بغدادی (۲۳۰-۳۰۳ھ) شعراء اور ظرفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھیں، جن میں سے کتاب المعاقرین، مناقضات الشعراء اور اخبار عمر بن ابی ربیعہ زیادہ مشہور ہیں۔

قسم بخدا اگر بنی امیہ نے نواسہ رسولؐ کے قتل جیسے عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے اور انہیں مظلوم شہید کیا ہے۔تو بنی عباس نے بھی ان سے کچھ کم ظلم نہیں کیئے بلکہ انہوں نے بھی مظلوم کی قبر کو مسمار کر کے اسی طرح کا ظلم کیا ہے۔عباسیوں کو اس بات کا رنج تھا کہ وہ ان کے قتل میں کیوں شریک نہ ہوئے ،لہٰذا انہوں نے ہڈیوں کے ساتھ وہی ظلم کر کے عظیم جرم کا ارتکاب کیا[1] اس بارے میں ابن رومی[2] کے کچھ اشعار ہیں جن میں سے ایک شعر کو جو بحر طویل میں ہے یہاں پر درج کرتے ہیں۔''بنی عباس نے اس پر قناعت نہیں کی حتی کہ اہلبیت رسولؐ کی قبروں کو ان کے کتوں نے اکھاڑ ڈالا جن میں جانور درندے جیسے شامل ہیں''[3]

۲۴۷ھ میں[4] عبداللہ طوری[5] کہتے ہیں کہ میں اس سال حج کو گیا جب وہاں سے واپس آیا تو سیدھا عراق چلا گیا اور بادشاہ کے خوف کے باوجود حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی زیارت کی وہاں سے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو چلا گیا۔

میں نے وہاں پر جا کر دیکھا کہ زمین پر ہل چلے ہوئے ہیں، پانی چھوڑا ہوا ہے اور بیل زمین میں ہل چلا رہے ہیں۔میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بیل ہل چلا رہے تھے لیکن جب مقام قبر کے پاس جاتے تو دائیں یا بائیں جانب مڑ جاتے۔ان کو لاٹھیوں سے سخت پیٹا جاتا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ کسی بھی صورت میں قبر پر قدم نہ رکھتے۔جس کی وجہ سے مجھے زیارت کا شرف حاصل نہ ہوسکا،اور میں بغداد لوٹ آیا اور یہ اشعار بار بار پڑھ رہا تھا۔(ترجمہ)۔''قسم بخدا!! اگر بنی امیہ نے نواسۂ رسولؐ کے قتل جیسے عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے اور انہیں مظلوم بنادیا ہے تو بنی عباس نے بھی ان سے کچھ کم ظلم نہیں کیئے۔بلکہ

---

① فوات الوفیات جلد اصفحہ ۲۹۱ تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ صفحہ ۲۰۷، دیوان القرن الثالث صفحہ ۱۴۱

② ابن رومی یعنی علی بن عباس بغدادی (۲۲۱-۲۸۳ھ) زبردست شاعر، مقتدر اہل قلم، لغوی اور نحوی تھے۔علم کلام کے ماہر، فیلسوف اور یونانی اور فارسی زبانوں کے عالم تھے۔

③ العتبات المقدسہ ''قسم کربلا صفحہ ۲۰۹، تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ صفحہ ۲۰۸ دیوان القرن الثالث صفحہ ۶۳ دو اور اشعار بھی ملاحظہ ہوں ترجمہ''تیرے سامنے دو دوری راستے میں اب تو غور سے دیکھ کہ ان میں سے کس راستے پر چلنا چاہتا ہے، دونوں راستے مختلف، ایک سیدھا اور ایک ٹیڑھا۔قتل کے خوف نے تمہاری منہ میں لگام ڈال دی ہے۔اور قوم میں ایسے حاجی بھی ہیں جو اپنی ضرورتوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

④ واضح رہے کہ ان کا کربلا کی زیارت کیلئے جانے کا سال لازمی طور پر ۲۴۷ھ میں ہونا چاہیے اور حج ۲۴۶ھ میں۔کیونکہ متوکل کو ۳ شوال ۲۴۷ھ میں قتل کیا گیا تھا۔

⑤ طوری یعنی عبداللہ بن رابیہ۔یا ابن دانیہ۔تیسری صدی ہجری کے علماء اعلام میں شمار ہوتے ہیں۔عبدالرزاق بن سلیمان بن غالب ازدی سے روایت کی ہے۔

انہوں نے بھی مظلوم کی قبر کو مسمار کر کے اسی طرح کا ظلم کیا ہے۔ عباسیوں کو اس بات کا رنج تھا کہ وہ کیوں نہ اس قتل میں ان کے ساتھ شریک ہوئے، لہٰذا انہوں نے ہڈیوں کے ساتھ وہی ظلم کر کے عظیم جرم کا ارتکاب کیا[1] متوکل نے حائر حسینی کے اوقاف پر بھی ہاتھ صاف کئے اور وہاں خزانے کے اموال کو لوٹ کر یہ کہتے ہوئے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا کہ "قبر کو ان اموال اور خزانوں کی ضرورت نہیں ہے۔"[2]

---

① بحارالانوار جلد ۴۵ صفحہ ۳۹۴۔ امالی طوسی صفحہ ۳۲۹ اس کتاب میں اس روایت کا متن یوں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب میں بغداد پہنچا تو دشمنوں کی طرف سے خوفناک آوازیں اٹھ رہیں تھیں۔ میں نے کہا "کیا خبر ہے؟" تو لوگوں نے بتایا کہ ابھی خبر آئی ہے کہ "جعفر متوکل کو قتل کر دیا گیا ہے!" میں نے اس بات سے تعجب کیا اور کہا: "خدایا! رات کے بدلے رات!"

② تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ' از عبدالجواد کلیدار صفحہ ۱۶۳ منقول از تاریخ التواریخ طبع قدیم جلد ۶ صفحہ ۶۳۸۔

زید مجنون جو مصر میں تھے انہوں نے سنا کہ متوکل نے امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک پر کھیتی باڑی کرادی ہے اور قبر کی بنیادوں تک کو مسمار کرادیا ہے اس کے آثار مٹادیئے ہیں اور نہر علقمہ سے پانی چھوڑ دیا ہے۔ اب کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ نہ تو اس کا کوئی نشان باقی ہے اور نہ ہی کسی کو اس کا پتہ ہے اور جو شخص اس کی زیارت کو جاتا ہے اسے قتل کی دھمکیاں دی جاتی (۱) اور متوکل نے اپنے جاسوس فوجی مقرر کررکھے ہیں اور انہیں ہدایات جاری کردی ہیں کہ: ''جسے بھی دیکھو کہ زیارت حسینؑ کا ارادہ رکھتا ہے اسے قتل کردو'' اس طرح سے وہ خدا کے نور کو بجھانا اور ذریہ پیغمبرؐ کو مٹانا چاہتا ہے، تو یہ بات زید پر بہت شاق گزری' ان کے غم میں اضافہ ہوگیا اور اپنے سردار حسین علیہ السلام کی وجہ سے اس کی مصیبت تازہ ہوگئی۔ ان کے عشق ومحبت نے جوش مارا اور وہ مصر سے پیدل چل پڑے۔ غم ونالاں' افتاں وخزاں کوفہ پہنچ گئے۔ یہاں پر ان کی ملاقات ''بہلول'' سے ہوگئی۔ ان سے تعارف ہوا بہلول نے ان سے مصر سے آنے کا سبب دریافت کیا' انہوں نے اپنے مصر میں آنے کا سبب بتایا۔ بہلول نے کہا: ''خدا کی قسم میری بھی یہ یہی کیفیت ہے'' زید نے کہا تو پھر اٹھو' کربلا چلتے ہیں! تاکہ اولاد علی مرتضیٰؑ کی قبروں کی زیارت کریں''۔

دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور قبر مظلومؑ کربلا تک پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی حالت پر باقی ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی۔ جبکہ عمارت کو مسمار کردیا گیا تھا اور جب بھی قبر کی طرف پانی چھوڑا جاتا تو وہ خداوند عزیز وجبار کی قدرت سے یا تو زمین میں چلا جاتا تھا، یا پھر حیران وسرگرداں ہوکر ادھر ادھر پھرنے لگ جاتا تھا۔ لیکن ایک بھی قطرہ قبر حسینؑ تک نہیں پہنچا۔ اور جب بھی پانی اس کے پاس پہنچتا تو وہ حکم خداوندی سے بلند ہوجاتی (۲) زید مجنون نے یہ زندہ جاوید معجزہ دیکھ کر تعجب کیا اور کہا بہلول دیکھو'' **یریدون ان یطفئوا نورالله بافواهم ویابی الله الا ان یتم نوره و لو کره الکافرون**'' (۴) یعنی وہ لوگ خدا کے نور کو اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن خدا کو اس بات سے انکار ہے اور وہ

---

(۱) ''زید مجنون'' شعراء مصر میں سے تھے' اہل بیت رسولؐ کے حبدار تھے۔ انہیں ''مجنون'' اس لئے کہا جاتا کہ وہ ہر صاحب عقل کو لاجواب کردیتے اور ہر ادیب کی دلیل کو ہوا میں اڑا دیتے۔ اور خود جواب دینے میں کسی سے عاجز نہ آتے اور نہ خطاب کرنے سے کبھی اکتاتے تھے۔

(۲) ''بہلول'' سے مراد شاید وہیب بن وہب بن عمر کوفی صوفی ہیں۔ جو اسی خطاب (بہلول) سے مشہور ہیں۔

(۳) قبر تک پانی کا نہ پہنچنا اور زمین کا بلند ہوجانا ایک معجزہ تھا جس کیلئے ہم نے دائرہ المعارف کا ایک باب مخصوص کیا ہے اور اس کا نام ''فی ظلال الحسینؑ'' معاجز وکرامات ہے اور اس پر سیر حاصل علمی بحث کی ہے۔

(۴) سورہ توبہ آیت ۳۲

اپنے نور کو مکمل کرنا چاہتا ہے۔خواہ کافروں کو یہ نا گوار ہی ہو۔[1] جب خود کسان نے یہ کیفیت مشاہدہ کی تو کہا میں خدا کی ذات اور خدا کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ پر ایمان لا چکا ہوں'' اس کے ساتھ ہی اس نے بیل کو چھوڑ دیا جب یہ بات متوکل تک پہنچی تو اس نے اسے قتل کرا دیا[2] زید نے گذشتہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے اور بغداد واپس آ گئے۔وہاں پہنچتے ہی انہوں نے لوگوں کے گریہ و بکا اور نالہ و شیون کی آواز سنی، سمجھے کہ متوکل مر گیا ہے۔وہاں کے ایک شخص کے پاس جا کر پوچھا کہ کون مر گیا ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ متوکل کی لونڈی کا جنازہ ہے[3] متوکل اس سے سخت محبت کرتا تھا۔اس کے بعد لوگوں نے بڑے شان کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا۔اور ایک نئی نویلی قبر میں اسے دفن کیا۔اس پر ایک بڑا بلند گنبد بنایا۔جب زید نے یہ سب کچھ ملاحظہ کیا تو اس کے غم میں مزید شدت پیدا ہوگئی اور روتے روتے غش کر گئے۔جب غش سے افاقہ ہوا تو یہ اشعار پڑھنے لگے۔

بحر متقارب۔(ترجمہ) آیا یہ انصاف ہے کہ کربلا میں تو حسین علیہ السلام کی قبر پر ہل چلائے جائیں اور زناکاروں کی اولاد کی قبروں کو تعمیر اور آباد کیا جائے؟۔ہوسکتا ہے کہ گردش دوراں کسی دن پلٹا کھائے اور ان کی حکومت دوبارہ قائم ہو۔خدا کی لعنت ہو فسادی لوگوں پر اور ان پر جو پست دنیا پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں[4] زید نے یہ اشعار ایک کاغذ پر لکھے اور اسے متوکل کے ایک دربان کے سپرد کر دیا کہ متوکل تک پہنچادے۔چنانچہ جب اس نے یہ اشعار پڑھے تو وہ غصے کی وجہ سے لال پیلا ہو گیا اور زید کی قید کے احکام جاری کر دیئے اور نہیں گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا رات کو متوکل نے ایک ایسی کرامت دیکھی جس سے وہ سخت گھبرا گیا۔اس نے جلدی سے زید کی رہائی کے احکام جاری کر دیئے اور انہیں بیش بہا خلعت سے نوازا اور ساتھ ہی یہ بھی پوچھا کہ:''آپ کا کوئی مطالبہ ہے؟''انہوں نے کہا''ہاں! میں چاہتا ہوں کہ حسین علیہ السلام کی قبر کو دوبارہ تعمیر کرایا جائے اور کسی بھی زائر پر زیارت کی پابندی نہ ہو''ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا گیا۔اور وہ اس کے پاس سے خوشی خوشی اٹھ کر بازاروں

---

(1) بحارالانوار جلد ۴۵ صفحہ ۴۰۳

(2) ایک قول یہ ہے کہ وہ کسان متوکل کے پاس خود گیا اور جا کر اس سے تمام ماجرہ بیان کیا جس کی وجہ سے وہ طیش میں آ گیا اور اہل بیت کی دشمنی اس دل میں اور بڑھ گئی۔اور اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

(3) متوکل کی اس لونڈی کا نام''ریحانہ''تھا اور یہ سیاہ رنگ کی حبشی عورت تھی۔متوکل اس کے حسن و جمال اور اچھی آواز اور اچھے انداز میں گانے کی وجہ اس پر عاشق تھا اور اسے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا

(4) دیوان القرن الثالث صفحہ ۱۷۵

اور گلی کوچوں میں چکر لگا کر کہنے لگے ''جو شخص امام حسینؑ کی زیارت کو جانا چاہتا ہے اس کے لیے ساری زندگی امان ہے۔
[1] ہندوستانی نثر نگار محمد ہارون کہتے ہیں کہ ''۲۴۸ھ میں زید مجنون نے قبر کو از سر نو تعمیر کیا[2] ابن عساکر کی اسناد کے ساتھ ہندوستانی نثر نگار محمد ہارون کہتے ہیں کہ ۲۴۸ھ میں زید مجنون نے قبر کو از سر نو تعمیر کیا[3]۔ محمد ہارون در رحلۃ عراقیۃ[4] ص ۱۰۰۔ ہشام بن محمد سے بیان کرتے ہیں کہ ''جب قبر مبارک امام حسینؑ پر پانی چھوڑا گیا تو وہ چالیس دن کے بعد زمین میں جذب ہو گیا اور قبر کے نشانات مٹ گئے۔ اس دوران بنی اسد میں سے ایک اعرابی آیا اور ایک ایک مٹھی مٹی لے کر سونگھنا شروع کی، حتیٰ کہ وہ قبر حسینؑ تک پہنچ گیا اور وہاں پر رونا شروع کر دیا اور بین میں یہ الفاظ کہے اور میرے ماں باپ تجھ پر قربان کتنا پاک ہے تو اور کس قدر پاکیزہ ہے تیرے مرنے کے بعد تیری مٹی! ''پھر روتے ہوئے بحر طویل کا یہ شعر پڑھا۔

ارادوا لیخفوا قبرہ عن ولیہ فطیب تراب القبر دل علی القبر [5]

یعنی دنیا والوں نے ان کی قبر کو ان کے دوستوں سے چھپانا چاہا، لیکن قبر کی مٹی کی خوشبو نے خود ہی قبر کی طرف رہنمائی کی متوکل چاہتا تھا کہ امام مظلوم کی یاد مٹ جائے، لیکن وہ خود ۲۴۷ھ میں قتل کر دیا گیا[6] اور وہ بھی اپنے بستر پر اور اپنے بیٹے منتصر[7] کے تعاون سے۔ اور اس نے جو منصوبے بنائے ہوئے تھے سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔[8]

---

① بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۴۰۵۔

② محمد ہارون کا دور رحلۃ عراقیۃ صفحہ ۱۰۰۔

③ ابن عساکر یعنی علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ دمشقی شافعی (۴۹۹ھ - ۵۷۱ھ) دمشق کے مورخ جو اپنی کتاب ''تاریخ مدینہ دمشق کی وجہ سے مشہور ہوئے اور یہ کتاب انہی کے نام سے ''تاریخ ابن عساکر'' کے عنوان سے مشہور ہے۔

④ ہشام بن محمد یعنی ابالنضر اابن سائب کلبی متوفی ۲۰۴ھ تاریخ نگار اور انساب اور تاریخ عرب کے عالم تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف میں جو ڈیڑھ سو سے زیادہ بنتی ہیں۔ جمہرۃ الانساب، بیوتات قریش اور الکنیٰ زیادہ مشہور ہیں۔

⑤ ابن عساکر کی تاریخ دمشق سے لیا گیا حصہ ''ریحانۃ الرسول'' صفحہ ۲۷۵ اور دیون القرن الثالث صفحہ ۱۰۷۔

⑥ تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ صفحہ ۱۶۲ میں ہے کہ اے امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کے منہدم کر دینے کے بعد قتل کیا گیا، اسے اس کے اپنے ترک قائدین لشکر نے اس کے بیٹے منتصر کے ایماء پر قتل کر دیا۔

⑦ منتصر باللہ یعنی محمد بن جعفر متوکل علی اللہ بنی عباس کا گیارہواں حکمران ۲۴۷ھ - ۲۴۸ھ)

⑧ تراث کربلا صفحہ ۳۵، نزہۃ اہل حرمین صفحہ ۳۱۔

جب اسی سال زمام اقتدار ''منتصر'' نے سنبھالی اور اشنانی کے کانوں تک یہ بات پہنچی تو وہ فوراً اپنے ساتھ طالبی ین (1) کی ایک جماعت اور کچھ شیعیان آل محمدؑ کو اپنے ساتھ لے کر بلا (2) کی طرف چل پڑے۔ جب یہ کربلا پہنچے تو قبر مطہر کے پرانے نشانات کو دوبارہ نصب کر دیا۔ (3)

اسی زمانے میں یعنی ۲۴۸ھ میں منتصر عباسی نے امام حسین علیہ السلام کے مزار مبارک کے تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اسے اپنی سابقہ حالت میں لانے کے احکام صادر کیے (4) اور قبر مبارک پر ایک علم نصب کرایا جسے دور سے دیکھ کر لوگ قبر مبارک کا پتہ چلا سکیں (5)۔ لوگوں کو زیارت کی دعوت دی۔ آل ابی طالب کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آیا۔ ان میں ودولت کو تقسیم کیا، ان کے اوقاف انہیں واپس لوٹا دیئے، جیسا کہ فدک بھی انہیں کو لوٹا دیا (6) شیعیان علیؑ، مظلوم کربلا کی زیارت کے لئے ہر طرف سے جوق در جوق آنا شروع ہو گئے اور اطمینان خاطر اور ذہنی سکون کے ساتھ زیارت کا شرف حاصل کرنے اور قبر مطہر کے اطراف میں سکونت اختیار کرنا شروع کر دی۔ اسی سلسلے میں ساوی اپنے اشعار میں کہتے ہیں۔ (ترجمہ)

حتیٰ کہ جب منتصر کو حکومت حاصل ہوگئی تو لوگوں کو امن وسکون عطا کیا اور قبر مبارک کے سابقہ نشانات دوبارہ قائم کر دیئے گئے۔

تصویر نمبر ۱۵۸(۱۶) سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک	صفحہ نمبر ۳۷۰

(1) کتاب شہر حسین صفحہ ۲۱۸ میں محدث نوری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اشنانی کے ساتھ ابراہیم بن محمد عابد ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام المعروف سید ابراہیم مجاب یا ابراہیم ضریر کوفی بھی تھے جو وہیں پر رہ گئے تھے اور کربلا کے پروسی گاؤں میں رہنے والے بنی اسد قبیلہ میں شادی کی۔

(2) ۲۴۰ھ میں انہوں نے وہاں کا دورہ کیا تھا اور متوکل کی کارستانیوں کو بچشم خود ملاحظہ کیا تھا۔

(3) رسالہ ''عاشورا'' تہران شمارہ ۹ جلد ۵ صفحہ ۳ مورخہ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ اور تاریخ الحرکۃ العلمیۃ فی کربلا صفحہ ۱۵۔

(4) کتاب ''العراق قدیما وحدیثا'' صفحہ ۱۲۹ تاریخ کربلا وحائر الحسین صفحہ ۱۶۴ سید امیر علی کی کتاب ''مختصر تاریخ العرب'' صفحہ ۲۴۸ سے ماخوذ۔

(5) تاریخ کی بعض کتابوں میں ہے: منتصر نے حضرت امام حسینؑ کے زائرین کی رہنمائی کے لئے قبر مبارک پر ایک ''ساریہ'' نصب کر دیا۔ اور ساریہ ستون کو کہتے ہیں، جو کہ ملاحوں کی اصطلاح میں ''عمود'' کہلاتا ہے جو ایسا ستون ہوتا ہے جو کشتی کے درمیان میں نصب کیا جاتا ہے اور بادبان کو اس کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔ جبکہ رسالہ ''البدیل الاسلامی'' دمشق شمارہ ۶۲۰ صفحہ ۸ میں یعقوب سرکیس سے نقل کیا گیا ہے کہ: ''منتصر نے قبر مبارک پر ایک بہت بڑا ستون نصب کر دیا تا کہ زائرین کو قبر کی رہنمائی ہو سکے جبکہ اس سے پہلے عمارت کو پختہ بنایا اور اس پر چھت ڈالی۔ ستون سے مراد وہ مینار ہے جو زمین کی بلند سطح پر مسافروں کی رہنمائی کے لئے بنایا جاتا ہے جس سے وہ منزل کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الروضۃ الحسینیہ ''المصور صفحہ ۹۔

(6) تاریخچہ کربلا صفحہ ۵۹ تاریخ کربلا وحائر الحسین صفحہ ۱۴ مروجہ الذہب جلد ۴ صفحہ ۵۱۔

ساکنین شہر واپس آ گئے اور شہر آباد ہو گیا اور مقام و مزار کو پختہ بنا دیا گیا۔① شاید علویوں اور اولاد رسولؐ میں سب سے پہلی اور قدیمی شخصیت کہ جس نے کربلا معلّٰی میں سکونت اختیار کی وہ سید ابراہیم مجاب② ابن محمد عابد ابن امام موسیٰ کاظمؑ اور ان کے فرزند سید③ محمد حائری④ ہیں۔۱۷۱ھ سے پہلے حائر شریف کی جس نے زیارت کی وہ طبرستان اور دیلم کے بادشاہ داعی کبیر حسن علوی ہیں جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کے روضہ اقدس کو تعمیر کرا دیا اس کے گرد مسجد بنوائی اور وہ مرتے دم ۱۷۲ھ تک کے عرصے میں یہاں کی تمام ضرورتات کے تنہا کفیل تھے ان کے بعد ان کے بھائی داعی صغیر محمد علوی⑥ شاہ یعنی طبرستان، دیلم و خراسان کے بادشاہ⑦ نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔

---

① صحابی الطف جلد۲ صفحہ۲۰۔

② ابراہیم مجاب، ۲۲۰ھ میں کربلا میں فوت ہوئے اور قبر سید الشہداء علیہ السلام کے شمال غربی کونے میں دفن کئے گئے آج بھی ان کی قبر مشہور اور زیارت گاہ ہے۔ انہیں "مجاب" اس لئے کہا جاتا ہے کہ کیونکہ انہوں نے اپنے جد امجد حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر اطہر پر کھڑے ہو کر امام عالیمقام پر یوں سلام کیا "السلام علیک یا جداہ" (داداجان میرا آپ پر سلام) چنانچہ قبر اطہر سے اس سلام کا جواب انہیں ملا لہذا "مجاب" کے لقب سے ملقب ہوئے ۲۴۷ھ سے کربلا معلّٰی میں سکونت اختیار کی۔

③ سید محمد حائری ۲۴۷ھ میں کربلا معلّٰی میں رہائش اختیار کی اور یہیں سے ہی آپ کی نسل پروان چڑھی اور خود حائری مشہور ہوئے اور آپ کی نسل کو "آل حائری" کہا جاتا ہے۔ اسی آل حائری سے مختلف نسلوں نے مختلف شہرت پائی، جن میں سے آل شیتـــــی، آل فراز، اور آل فخار بھی ہیں جو حائر (کربلا) غری (نجف اشرف) اور حلہ میں متوطن ہوئے۔ سادات عواودہ بھی آل حائری ہی سے ہیں۔ سید محمد کی "حی واسطہ میں وفات ہوئی اور وہیں پر مدفون ہوئے۔

④ کتاب تراث کربلا صفحہ ۳۵ نزھۃ اہل الحرمین فی عمارۃ المشہدین صفحہ ۳۶۔

⑤ علوی، یعنی حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل حسنی متوفی ۲۷۰ھ طبرستان میں حکومت علویہ کے بانی ہیں۔ رے میں سکونت پذیر تھے۔ خراسان کے حاکم اور اہل طبرستان کے درمیان اٹھنے والے فتنہ کے دوران یہاں کے لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ آپ ان کے پاس گئے اور دیار بکر کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا اور اسی مقام پر قبضہ کر لیا۔ اپنے لشکر کو اکٹھا کیا اور رے کی طرف بھیجا اسے بھی اپنے تصرف میں لے آئے، بیس سال تک حکومت کی اور طبرستان میں وفات پائی، حسن تدبیر کے لحاظ سے شہرت حاصل کی۔

⑥ محمد علوی یعنی محمد بن زید بن اسماعیل حسنی متوفی ۲۸۷ھ طبرستان اور دیلم پر حکومت کی اپنے بھائی داعی کبیر کی وفات (۲۷۰ھ میں) کے بعد حکمران بنے، محمد بن ہارون کے ساتھ جنگ کے دوران پہنچنے والے زہریلے زخم کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے، محمد بن ہارون، اسماعیل سامانی کا پیرو کار تھا ابواب جرجان میں۔

⑦ کتاب تراث کربلا صفحہ ۷۸۔

۲۷۳ھ میں[1] منتصر[2] کی بنائی ہوئی عمارت از خود زمین بوس ہوگئی جس سے بہت سے زائرین جاں بحق ہو گئے کیونکہ اس وقت زائرین کی کثرت تھی اور یہ سانحہ عرفہ یا بقرعید کے دن رونما ہوا۔[3]

---

(۱) یہ معتمد عباسی کی حکومت کے دوران کا واقعہ ہے جو پندرھواں عباسی حکمران تھا جس نے ۲۵۶ھ سے ۲۷۹ھ تک حکومت کی۔ کتاب مدینۃ الحسین صفحہ ۴۴ میں ہے کہ یہ واقعہ ۲۷۳ھ میں رونما ہوا جو معتضد عباسی کی حکومت کا زمانہ تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ معتضد عباسی ۲۷۹ھ میں برسراقتدار آیا تھا۔

(۲) کتاب "العراق قدیماً و حدیثاً" صفحہ ۱۲۹ ابن طاؤس کی کتاب "لسان الاخطار" سے منقول لیکن چونکہ کتاب ہمارے پاس نہیں تھی اس لیے ہمیں یہ چیز نہیں ملی کتاب تاریخ مرقد الحسین والعباس صفحہ ۷۵ فرحۃ الغری ص ۱۰۹ نزہۃ اہل الحرمین صفحہ ۳۳

(۳) تاریخ کربلا صفحہ ۲۰۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس حادثے کے پیچھے عباسی حکمران ''موفق'' ① کا ہاتھ تھا ② اور اس سانحہ کے بعد امیر جرجان محمد بن زید داعی صغیر حائر حسینی کی زیارت کو گئے اور مزار مبارک ③ کی تعمیر کا حکم دیا ④ اور یہ تعمیر ۲۸۰ھ میں پایہ تکمیل ⑤ کو پہنچی۔ اس تعمیری عرصے میں مزار مبارک پر ایک بلند گنبد تعمیر کیا گیا اور دو دروازے رکھے گئے اور دو ایوان تعمیر کئے گئے۔ اسی کے ساتھ ہی حائر کے اطراف میں فصیل تعمیر کی گئی اور زائرین و مجاورین حرم کے لئے گھر بنائے گئے۔ ⑥

---

① موفق یعنی موفق باللہ طلحہ بن جعفر متوکل، جیسا کہ منجد الاعلام صفحہ ۶۹۵ میں ہے کہ وہ اپنے بھائی معتمد علی اللہ کا خلافت میں ولی عہد تھا اور ۲۷۸ھ میں وفات پائی۔

② تاریخچہ کربلا صفحہ ۱۱۰، تاریخ کربلا و حائر الحسین صفحہ ۲۱۵ اس کتاب میں فرحۃ الغری صفحہ ۱۴۱ اور نزھۃ اہل الحرمین صفحہ ۲۰ سے منقول ہے اور اسے ابن طاؤس کی کتاب امان الاخطار سے نقل کیا گیا ہے کہ: ابوالحسن بن علی بن حسن بن حجاج سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ اس کے ابن عم (چچازاد بھائی) ابی عبداللہ محمد بن عمران بن حجاج کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں بزرگان کوفہ کی ایک جماعت بھی موجود تھی اور حاضرین میں عباس بن احمد عباسی بھی تھے یہ سب لوگ انہیں زندہ بچ جانے کی مبارک باد دینے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ کیونکہ ماہ ذی الحجہ ۲۷۳ھ میں جب حرم سید الشہداء حسین بن علی بن ابیطالب علیہ السلام کی چھت گری تھی تو وہ اس وقت وہاں موجود تھے لیکن اس حادثے میں بال بال بچ گئے تھے۔
یہ لوگ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ اسی اثنا میں اسماعیل بن عیسی عباسی بھی آن پہنچے، ان کے آجانے سے مجلس پر سناٹا طاری ہوگیا۔ اور اسماعیل بھی دیر تک وہاں پر بیٹھے رہے۔
اس پر عبدالجواد کلیدار تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں! اسماعیل بن عیسی عباسی کہ جن کا ذکر مذکورہ روایت میں ہے۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کا چچا داؤد عباسی وہی شخص ہے جس نے اس طرح کے وقت میں حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کی قبر مبارک کو منہدم کرنے کی خفیہ سازش کی تھی، تو یہ حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آجائے گی کہ حرم سید الشہداؑ کی عمارت کی چھت جو زائرین امام مظلوم کے سروں پر گری تھی اس میں کسی کی سازش ہوسکتی ہے۔

③ تراث کربلاء صفحہ نمبر ۸۷، المنتظم جلد نمبر ۸ صفحہ نمبر ۶۰

④ کتاب ''العراق قدیما وحدیثا'' صفحہ ۱۲۹، فرحۃ الغری صفحہ ۱۰۹ اور تاریخچہ کربلا صفحہ ۶ میں ہے کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے والد گرامی حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی قبور مطہرہ کی تعمیر کے لئے بلاد عجم سے بہت سامال لائے تھے اور اس کے مصرف کی اجازت بھی معتضد باللہ عباسی سے حاصل کر لی تھی'' اور کتاب ''تتمۃ المنتہی الامال'' صفحہ ۳۷۰ نے نقل کیا ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا مزار مبارک دس سال تک بوسیدہ اور مسمار حالت میں رہا'' لیکن آپ کو معلوم ہے کہ یہ عمارت ۲۷۴ میں منہدم ہوئی اور اس پر دوبارہ تعمیر ۲۸۰ھ میں مکمل ہوئی تو اس حساب سے دونوں تاریخوں کا فاصلہ چھ سال ہوگا نہ کہ دس سال۔

⑤ کتاب تراث کربلا صفحہ ۸۷۔ المنتظم جلد ۸ صفحہ ۶ العراق قدیما وحدیثا صفحہ ۱۲۹ اور کتاب تراث کربلا صفحہ ۸۷ میں ہے کہ تعمیرات کا کام ۲۸۳ھ میں مکمل ہوا۔ اور دس سال تک ہوتا رہا۔

⑥ تاریخچہ کربلا صفحہ ۶۰ اور تراث کربلا صفحہ ۳۶، صفحہ ۳۷ اس کتاب میں ہے کہ انہوں نے اس کے گرد مسجد اور فصیل تعمیر کی۔

سماوی اپنے اشعار میں روضے کی تخریب وتعمیر کی تاریخ کو یوں قلمبند کرتے ہیں (ترجمہ)

''قبر مطہر کی چھت ۲۷۳ھ میں زمین پر آن پڑی اس کے بعد پھر کسی زائر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ اس کا ورود وہاں پر قابل تبریک ہوتا ہے۔ الداعی الصغیر نے فرصت کو غنیمت جانا اور مزارات کی تعمیر کے لئے حاکم وقت سے اجازت حاصل کر لی۔ کیونکہ اس وقت اس کی دیکھ بھال کا کام کسی بادشاہ کے ذمہ نہیں تھا بلکہ اسکی تولیت آل علیؑ کے پاس تھی۔ چنانچہ الداعی نے سب سے پہلے سرزمین نجف کی زیارت کی، پھر باشرف زمین طف کربلا کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس جگہ پر روضہ اقدس تعمیر کیا جس کے دو دروازے تھے اور اس کے اطراف میں دو چھت والے ایوان تھے۔ وہاں پر ایک چاردیواری (فصیل) اور مکانات تعمیر کئے اور امکان کے حد تک وہیں کے رہنے والوں کو عطیے اور بخشش سے بھی نوازا۔ [1]

۲۸۲ھ میں محمد بن زید نے سادات علویہ [2] کی امداد کے لئے اپنے والی [3] محمد بن ورد القطان [4] کے ذریعے بتیس ہزار دینار [5] بھیجے بلکہ یہی مقدار ان کے لئے سالانہ [6] وظیفہ کی صورت میں مقرر کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے شیعیان اہل بیت از سر نو جمع ہونا شروع ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام کے مرقد مبارک کے اطراف میں گھر اور مکانات بنانا شروع کر دیے۔

---

① مجالی اللطف جلد ۲ صفحہ ۳۹۔

② تاریخچہ کربلا صفحہ ۶۱ تاریخ کامل بن اثیر جلد ۶ صفحہ ۸۰، ۲۸۲ھ کے واقعات۔

③ قطان ان کا لقب جزری نے اپنی کتاب کامل میں اور طبری نے اپنی تاریخ میں ''عطار لکھا ہے، محبان وموالیان اہل بیت میں سے تھے۔ اور حکام طبرستان سے قریبی تعلقات تھے۔

④ کتاب ''شہر حسین'' صفحہ ۲۳۵، اور اسی کتاب میں ہے کہ معتضد باللہ عباسی (۲۷۹۔ ۲۸۹ھ) کے پاس قاضی کی چغلی کی گئی۔ لیکن چونکہ معتضد خواب میں امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھا چکا تھا کہ آپؑ نے اسے اپنی آل کے بارے میں حسن سلوک کی ہدایت کی تھی۔ اسی لئے اس نے ابن قطان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا بلکہ محمد بن زید داعی کو لکھ بھیجا کہ حرم حسین کے مجاور سادات علویہ کی امداد برابر جاری رکھیں اور حضرت امام علی اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے روضوں کو تعمیر کریں۔ اور وہ سادات بھی مرقد امام حسین علیہ السلام کا احترام کرتا تھا۔ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۶۱۱ میں ہے کہ محمد بن زید علوی نے طبرستان سے محمد بن ورد عطار کو بتیس ہزار دینار بھیجے تا کہ وہ بغداد، کوفہ، مکہ اور مدینہ کے سادات میں تقسیم کر دیں۔

⑤ دینار، سونے کا سکہ جو ایک مثقال کے برابر تھا، ایک مثقال کا وزن 4.25 گرام کے برابر ہوتا ہے۔

⑥ تاریخچہ کربلا صفحہ ۶۰، تتمہ منتہی الآمال صفحہ ۳۶۹۔

یہ بات بھی مذکور ہے کہ داعی صغیر نے عمارت کی عمدگی، خوبصورتی اور لطیف صنعت[1] کو کام میں لانے کی پوری پوری کوشش کی[2] اسی بارے میں سماوی اپنے اشعار میں کہتے ہیں (ترجمہ)

اور انہوں ے سرزمین عجم سے خزانے بھیجنا شروع کر دیئے جس طرح بادلوں سے موسلا دھار بارش برستی ہے اور یہ قابل تحسین اور خوبصورت عمارت سن دوسواسی ہجری میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور یہ کام معتضد[3] باللہ عباسی کے دور میں انجام پایا جو حرب اور آل حرب (بنوامیہ) کا دشمن تھا۔[4]

---

(1) ہماری کوشش رہی ہے کہ ہم مستند تاریخی حوالوں سے مرقد مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام کی تعمیری کیفیت کو ایسے نقشوں اور خاکوں کے ذریعے بیان کریں جو ایسی تعمیرات کی حالت کی ترجمانی کریں جو اس دور میں مروج تھی۔ اور ان کو ان معلومات اور تفصیلات کے ساتھ مطابقت دیں جو احادیث اور کتاب تاریخ میں مرقد حسینی کے بارے میں مذکور ہیں۔ مثلاً تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے متعلق اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کس قسم کا طرز تعمیر رائج تھا، باوجودیکہ اس طرز کی تین قسمیں ہیں جن کی اساس ایک دوسرے کے نزدیک ہونے کے باوجود دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور وہ تین قسمیں یہ ہیں۔

☆ عباسی طرز تعمیر: اس کا عملی نمونہ سامراء کی مسجد ابی دلف کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے جسے ۲۴۶ھ میں تعمیر کیا گیا تھا اور جامع مسجد سامرا جسے ۲۳۴ھ میں بنایا گیا تھا۔ ان دو مسجدوں کو مستطیل صورت میں بنایا گیا ہے، جن کا درمیان میں ایک کھلا صحن ہے جس کے چاروں طرف رواق کا سلسلہ ہے اور بیرونی دیوار پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے جو فصیل کا کام دیتی ہے، دیوار کی بلندی دس میٹر ہے، نصف دائرے کی شکل میں کچھ ستون ہیں جو دیوار سے دو میٹر کے فاصلے پر ہیں۔

☆ بویہی طرز تعمیر اور طرز کی مساجد عام طور پر تین صورتوں میں ہیں۔ (الف): مربع شکل میں دروازوں والی مسجدیں گنبد نے جنہیں ڈھانپا ہوا ہے۔ (ب): گنبد اور ایوانوں والی مساجد جن کے چاروں طرف محراب ہیں ان قدیم ترین مساجد میں سے ایک مسجد جو ابھی تک قائم ہے وہ ایران کے شہر ''نائین'' میں ہے۔

☆ سامانی طرز تعمیر اس طرز کی ایک ضریح اسماعیل بن احمد سامانی متوفی ۲۹۵ھ بخارا شہر میں ہے جو مربع شکل میں ہے۔ وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی عمارت میں ہے جس کی تعمیر میں اینٹوں کو استعمال کیا گیا ہے اس کے چاروں مرکزی دروازوں کو اندر اور باہر سے اینٹوں کے قالبوں سے خوبصورت انداز میں سجایا گیا ہے، ضریح کے اوپر ایک گنبد ہے جو ستونوں پر بنایا گیا ہے اور وہ دیوار سے ملے ہوئے ہیں اور آخر میں چار چھوٹے گنبد ہیں۔

یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ کربلا کے نزدیک بغداد شہر میں عباسیوں نے اپنے محل پر ایک بلند سبز گنبد بنایا ہے جسے دور سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ''فنون الشرق الاوسط فی المصور الاسلامیۃ'' صفحہ ۴۵ تا ۶۹۔

(2) تاریخ کربلاء وحائر الحسین صفحہ ۱۶۹ اور کتاب ''اعیان الشیعہ'' جلد ۹ صفحہ ۲۲۷ کے حاشیہ پر کتاب ''تاریخ طبرستان ورویان ومازندران'' صفحہ ۱۲۹ سے نقل کیا گیا ہے کہ محمد بن زید داعی کی طرف سے اس کے عہد میں بہت سارا مال بھیجا گیا اور مشہد امام حسین علیہ السلام کو تعمیر کیا گیا۔

(3) معتضد باللہ یعنی احمد بن موفق بنی عباس کا سولہواں حکمران (۲۷۹ھ۔۲۸۹ھ) خمارویہ طولونی کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کئے اور اس کی بیٹی سے شادی کی۔

(4) مجالی الطف جلد ۲ صفحہ ۴۰۔
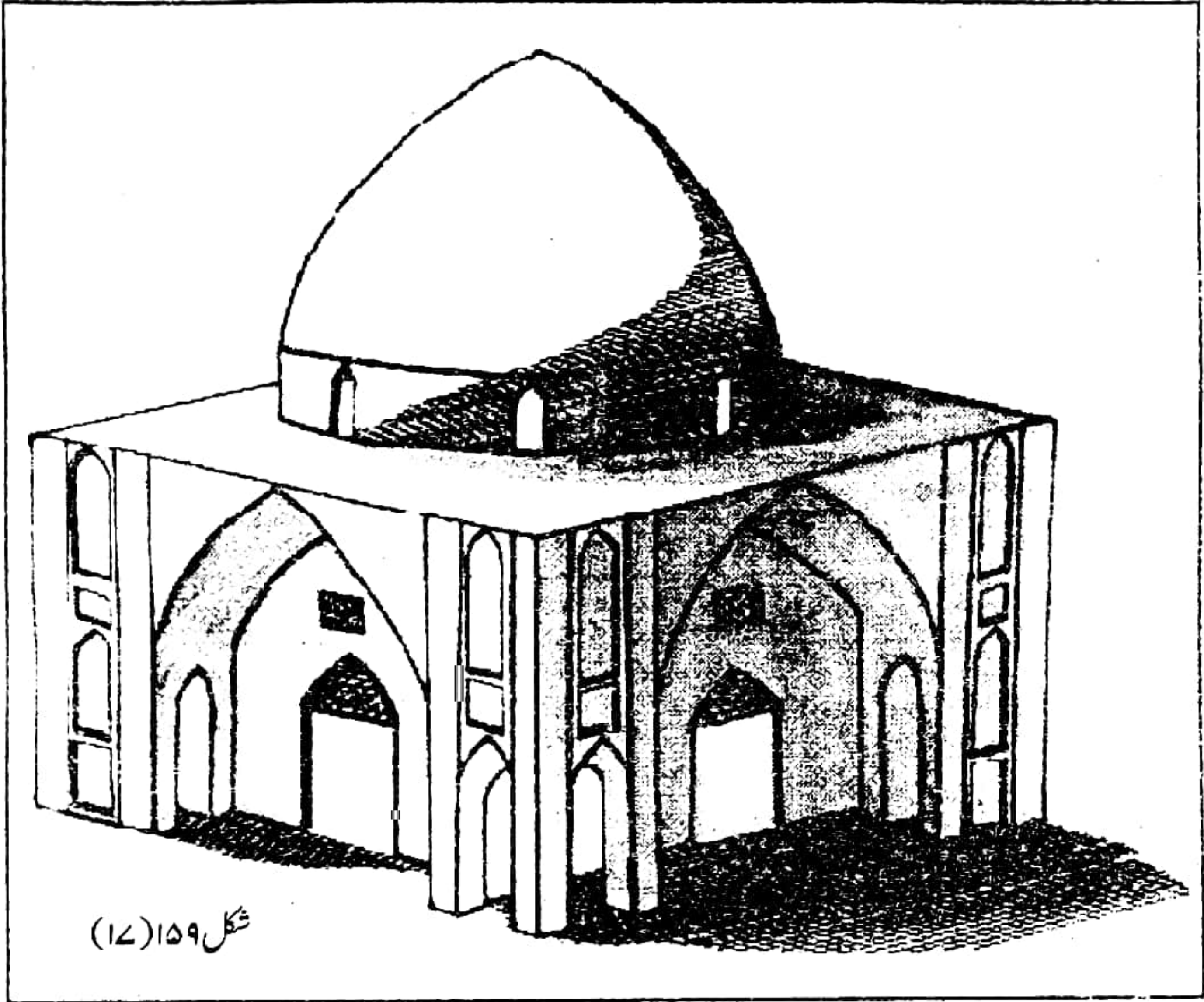
شکل ۱۵۹(۱۷)

چوتھی صدی ہجری

۹۱۳ء۔۸۔۷ تا ۱۰۱۰۔۸۔۱۴ میلادی عیسوی

۳۱۴ھ میں زعیم قرمطی (۱) ابو طاہر جنابی (۲) نے حرم سید الشہدا علیہ السلام (۳) کی زیارت کی اور اپنے ساتھیوں سمیت قبر مطہر کا طواف کیا اور حائر میں رہنے والوں کو امن کی ضمانت دی اور انہیں ناگوار حادثہ سے دوچار نہیں ہونے دیا۔ (۵)

---

(۱) ''القرامطہ'' ایک منحرف دینی تحریک کا نام ہے جس کا بانی ابو سعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قرامطہ والے اپنے مذہب کے سلسلے میں کوفہ کے رہنے والے ایک شخص کی طرف رجوع کرتے تھے جس کا نام ''حمدان قرمط'' تھا۔ ۲۸۶ھ مطابق ۸۹۹ء میں اس تحریک کا آغاز ہوا اور اسے شہرت عامہ حاصل ہوئی اور تقریباً دو سو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ عیونی امراء نے بحرین (کبریٰ) میں ۴۱۸ھ مطابق ۱۰۲۷ء میں اس تحریک کا خاتمہ کر دیا

(۲) ابو طاہر جنابی، یعنی سلمان بن حسن بن بہرام متوفی ۳۳۲ھ کا شمار قرامطہ کے بڑے زعماء میں ہوتا ہے۔ بڑا دلیر اور جرات مند آدمی تھا اپنے بھائی سعید پر حملہ کر کے اس موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود اس کی جگہ ۳۱۰ھ میں حکمران بن بیٹھا۔ ۲۳ سال تک حکومت کی کئی بار حملے کئے، اور حجر اسود کو اپنی جگہ سے نکال کر قطیف شہر لے گیا۔

(۳) کتاب تراث کربلا صفحہ ۷۸ میں ہے کہ زعیم قرمطی ۳۱۳ھ میں جب کوفے میں لڑ رہا تھا تو اس کا اس دوران میں کربلا معلیٰ میں کافی آنا جانا تھا۔

(۴) ظاہر یہ ہے کہ اگر اس نے قبر مبارک یا اس کے پاس رہنے والوں سے کوئی تعرض نہیں کیا تو یہ اس کی کمزوری کی وجہ سے تھا۔ نیز اس طرح سے موالیان اہل بیت کے دل اپنی تحریک قرامطہ کے لئے جیتنا چاہتا تھا۔

(۵) تراث کربلا صفحہ ۷۸ ابن جوزی کی کتاب ''المنتظم'' جلد ۸ صفحہ ۱۰۵۔

۳۵۲ھ میں ''معز الدولہ بویہی''① نے عاشورا② محرم کے دن بغداد میں سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں صف عزا بچھانے کا حکم دیا جس سے قبر امام مظلومؑ کی تعمیر و ترقی اور زیارت کے لئے نئی راہیں کھلیں اور مثبت نتائج برامد ہوئے بلکہ خود بھی انہوں نے مزار مقدس کی تعمیر میں حصہ لیا۔③

۳۶۶ھ میں ''عزالدولہ بویہی''④ نے خود بھی مزار سید الشہداء کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جس سے حائر حسینی کی طرف ہجرت اور اس کی آبادکاری کو تقویت ملی۔

۳۶۷ھ میں ''عضد الدولہ بویہی''⑦ نے بغداد⑥ پر قبضہ کیا اور وہاں سے مرقد امام الشہداء کی زیارت کے لئے کربلا معلی

---

① معز الدولہ: یعنی احمد بن ابی شجاع مولد ۳۰۳ھ ان تین بھائیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے سلسلہ بویھیہ کی بنیاد رکھی کرمان کو اپنے زیر نگیں کیا اور حاکم اھواز ''بریدی'' کو سرنگوں کیا ۳۳۴ھ میں بغداد میں داخل ہوئے، مستکفی باللہ نے انہیں ''امیر الامراء'' کے لقب سے نوازا، موصل میں حمدانیوں سے جنگ کی ۳۵۶ھ تا ۳۶۷ھ حکومت کی۔

② ملاحظہ ہو کتاب ''التوفیقات الالہامیہ'' جلد اول صفحہ ۳۸۴ البتہ ہم نے اس بات کو دائرۃ المعارف کے باب ''الشعائر الحسینیہ تاریخھا۔ مقومتھا'' میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

③ کتاب ''رحلۃ عراقیۃ'' صفحہ ۱۰۰ میں ہے کہ مرقد سید الشہداء کی تعمیر و آبادکاری کا کام بویہی بادشاہوں معز الدولہ، عضد الدولہ اور رکن الدولہ وغیرہم کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

④ عزالدولہ بویہی یعنی ابو منصور بختیار بن معز الدولہ احمد بویہ دیلمی اپنے باپ کی وفات کے بعد جبکہ خود بیس برس سے کچھ زیادہ عمر کے تھے اپنے والد کی حکومت کو سنبھالا، عزالدولہ اور ان کے چچازاد بھائی عضد الدولہ کے درمیان حکومت کے مقابلے میں تنازع کھڑا ہوگیا جو جنگ و جدال تک جا پہنچا عضد الدولہ کو فتح حاصل ہوئی اور عزالدولہ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور ۳۶۶ھ میں قتل کر دیا۔

⑤ تراث کربلا صفحہ ۷۸ اور اس کتاب میں ہے کہ بویہیوں نے حائر کی سب سے پہلی زیارت ۳۶۶ھ میں کی۔

⑥ یہ بات واضح رہے کہ عضد الدولہ پہلا سلطان نہیں ہے کہ جس نے بغداد پر قبضہ کیا ہو۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سلطان عزالدولہ نے اس پر ۳۳۴ھ میں قبضہ کیا تھا اور بعض اوقات یہ شہر بویہیوں کے قبضہ سے خارج بھی ہوتا رہا، لیکن ان کا قبضہ اس وقت سے برابر جاری رہا جب عضد الدولہ نے دوسری بار اس پر قبضہ کیا اور یہ ۳۶۷ھ کی بات ہے۔ یعنی ''الطائع للہ عباسی'' کے دور حکومت (۳۶۳ھ۔ ۳۸۱ھ) میں اسی لئے عراق کو اس کی حکومت میں شامل کر لیا گیا۔

⑦ عضد الدولہ یعنی، فناخسرو ابن رکن الدولہ حسن بویہی دیلمی متوفی ۳۷۲ھ بویہی سلسلے کا پانچواں بادشاہ جس نے ۳۶۶ھ سے ۳۷۲ھ تک حکومت کی اس کا شمار بنی بویہ کے بڑے بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اہل علم اور صاحبان ادب کا خاص خیال رکھتا تھا اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے مزارات مقدسہ کی تعمیر و آبادکاری کا کام کیا۔

تشریف لے گئے۔ [1] اس کے علاوہ ہر سال زیارت کو جایا کرتے تھے۔ [2]

۳۶۷ھ [3] میں عضد الدولہ کے بغداد میں داخل ہونے سے پہلے عراق کی سیاسی صورت حال سخت کشیدہ اور بے یقینی کا شکار تھی۔ جس سے فائدہ اٹھا کر عمران بن شاہین [4] نے جنوبی عراق کے علاقے ''بطائح'' [5] کو بویہیوں [6] کے اقتدار سے جدا کرلیا اور اس علاقے کی آمدنی بھی انہیں دینا بند کردی، لیکن جب عضد الدولہ کا بغداد پر اقتدار مستحکم ہوگیا تو انہوں نے عمران کی سرکوبی کے لئے ایک بہت بڑی فوج روانہ کردی، جس نے اس کا محاصرہ کرکے اس پر عرصہ حیات تنگ کردیا۔ عمران بن شاہین میں جب مقابلے کی ہمت نہ رہی تو اس نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی قبر کا سہارا لیا اور وہاں سے دعا کا طالب ہوا اور مولا علی علیہ السلام سے التجا کی۔ ایک مرتبہ خواب میں حضرت علی علیہ السلام کی زیارت کی کہ مولا فرمارہے ہیں۔ ''عمران! بندہ فنا خسرو عنقریب اس بقعہ کی زیارت کو آئے گا لہٰذا اس سے پناہ کی درخواست کرنا تمہاری مشکلات دور ہوجائیں گی''

---

① ایک قول کے مطابق یہ ۳۶۹ھ کا واقعہ ہے۔ جیسا کہ کتاب ''شہر حسین'' صفحہ ۲۰۱ میں تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۰۰ سے نقل کیا گیا ہے اور آگے چل کر بیان ہوگا کہ مرقد حسین علیہ السلام کی تعمیرات کا حکم ۳۶۹ھ میں دیا گیا اور یہ کام ۳۷۱ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

② ملاحظہ ہو کتاب ''اعیان الشیعہ'' جلد صفحہ ۶۲۸ از کتاب تسلیۃ المجالس۔

③ یہ اسی سال ماہ شوال کا واقعہ ہے کہ عضد الدولہ کا بغداد پر قبضہ مستحکم ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ اسی سال ہی اس نے عمران بن شاہین کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے لشکر کو روانہ کیا۔

④ عمران بن شاہین امراء دیلم میں سے ایک امیر تھا۔ تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۹۸ میں ہے عمران نے محرم ۳۶۹ھ میں مرگ ناگہانی کا شکار ہوکر داعی اجل کو لبیک کہی، شاہان اور خلفاء کے مطالبے اور پوری کوشش کے باوجود اپنے علاقے سے دستبردار نہ ہوا۔ اور چالیس سال تک برسر اقتدار رہا اور کسی کو بھی اس سے علاقہ خالی کرانے کی ہمت نہ ہوسکی۔ اپنی طبعی موت مرا، اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا حسن اس کا جانشین ہوا۔

⑤ ''بطائح'' ایک ایسا نام ہے جسے بنی عباس واسطہ اور کوفہ کے درمیان واقع علاقہ اور گڑھوں اور تالابوں پر بولا کرتے تھے۔

⑥ مخفی نہ رہے کہ عمران بن شاہین معز الدولہ کے خلاف تھا لہٰذا اس نے زبردست مقابلے کے بعد بطائح کے علاقے پر سے عمران کے تسلط کو کمزور کردیا۔

جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو خدا سے نذر مانی کہ اگر عضد الدولہ سے بچ جائے گا تو حرم امیر المومنین علیہ السلام میں مسجد اور رواق تعمیر کرائے گا اور اس کے بعد اس طرح حرم سید الشہداء میں بھی مسجد اور رواق بنوائے گا" چنانچہ جب عضد الدولہ سے اس کی ملاقات ہوئی تو اسے سارا ماجرا بتایا۔ چنانچہ عضد الدولہ نے اسے معاف کر دیا[1] اور اس نے بھی اپنی نذر پوری کی اور وہ مسجد تعمیر کرائی جو آج تک اس کے نام سے مشہور ہے۔ اور روضہ اقدس کے شمالی کونے میں ہے۔ لیکن بعد میں اسے حرم کی حدود میں شامل کر لیا گیا، اور جو رواق اس نے سید الشہداءؑ کے مزار کے لئے تعمیر کرایا وہ امامؑ کی قبر کے [2] مغرب کی طرف ہے[3]

عمران بن شاہین پہلا شخص ہے جس نے درمیان سے راستہ نکال کر حائر کو رواق[4] کے ساتھ ملایا بظاہر یہ ۳۶۸ھ کا واقعہ ہے۔[5]

---

① تراث کربلا صفحہ ۳۸ میں بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ ۳۲۰ سے نقل کیا گیا ہے کہ: عمران بن شاہین روضہ اطہر کی دیوار سے لپٹا ہوا تھا کہ عضد الدولہ نے اس سے پوچھا بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے؟ تو عمران نے اسے اس کا اصل نام "فنا خسرو" کہہ کر اس سے مخاطب ہوا۔ عضد الدولہ یہ سن کر حیران ہو گیا کہ اس شخص کو اصل نام کا کیسے علم ہوا، تو اس نے اسے خواب کا سارا ماجرا بتا دیا جس کی وجہ سے اس نے عمران کو معاف کر دیا اور بطائح کی سرداری دوبارہ اس کے سپرد کر دی۔

② تاریخ کربلا صفحہ ۱۴۱۔

③ تراث کربلا صفحہ ۳۸، فرحۃ الغری صفحہ ۶۷ اور تراث کربلا صفحہ ۳۹ میں سید محمد صادق بحر العلوم کی کتاب "سلاسل الذہب سے منقول ہے کہ ابن شاہین کا بنایا ہوا رواق حائر مقدس کے مغربی کونے میں ہے جو آج کل "رواق سید ابراہیم مجاب کے نام سے مشہور ہے اور مسجد صفوی دور حکومت تک باقی رہی اور اس کا ایک حصہ ضمن میں آ گیا بتایا جاتا ہے کہ سید حسن قزوینی نے اس مسجد کی بنیادوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جب اس کی آخری مرتبہ کھدائی ہوئی تھی جس کا تین میٹر قطر تھا۔

④ تراث کربلا صفحہ ۳۹، بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ ۳۲۰۔

⑤ تاریخ الروضۃ الحسینیۃ المصور صفحہ ۹ میں ہے کہ مسجد اور رواق کی تعمیر کا کام ۳۶۹ھ میں ہوا۔ اور یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عضد الدولہ بغداد میں شوال ۳۶۷ھ میں داخل ہوا، جب تک بغداد پر اس کو استحکام حاصل ہوا، ابن شاہین کے لڑنے کے لئے فوج کو تیار کیا، فوج اس کے پاس گئی، اس کے بعد اسے معافی ملی، تو یہ سب کچھ حتماً ۳۶۷ھ میں ہوا ہو گا اور وہ بھی اس کے اختتام پر اور جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عمران بن شاہین کی وفات محرم ۳۶۹ھ میں ہوئی تو اس کا معنی یہ ہوا کہ تعمیر کا عمل یقیناً ۳۶۸ھ میں ہوا ہو گا۔

⑥ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابھی سابقہ حاشیہ میں تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں۔

عمران بن شاہین کی تعمیرات کو سماوی اپنے اشعار میں یوں بیان کرتے ہیں (ترجمہ) پھر عمران اپنے زمانے میں آیا اور رواق کو اپنی جگہ پر تعمیر کیا اور روضے کو رواق کے ساتھ جنوب کی طرف سے ملا دیا اور وہ اب تک باقی ہے اور یہ کام سن تین سو سڑسٹھ 367ھ (ہجری) میں مکمل ہوا۔ (۱)

۳۶۹ھ میں ''ضبہ اسدی'' (۲) نے شہر کربلا میں غارت گری کا بازار گرم کر دیا، اہالیان شہر کو قتل کیا۔ ان کے مال کو لوٹ لیا' حرم مطہر کے خزانے میں موجود قیمتی اور گراں بہا اشیاء تحفے اور ہدیے چرا کر لے گیا، جو عمارتیں گرا سکتا تھا گرا دیں اور یہ سب لوٹ مار بعض قبائل کی پشت پناہی کے ساتھ ہوئی اس قدر جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد وہ دیہات کو لوٹ گیا۔ لیکن جب اس بات کا علم عضد الدولہ کو ہوا۔

شکل ۱۶۰ (۱۸)
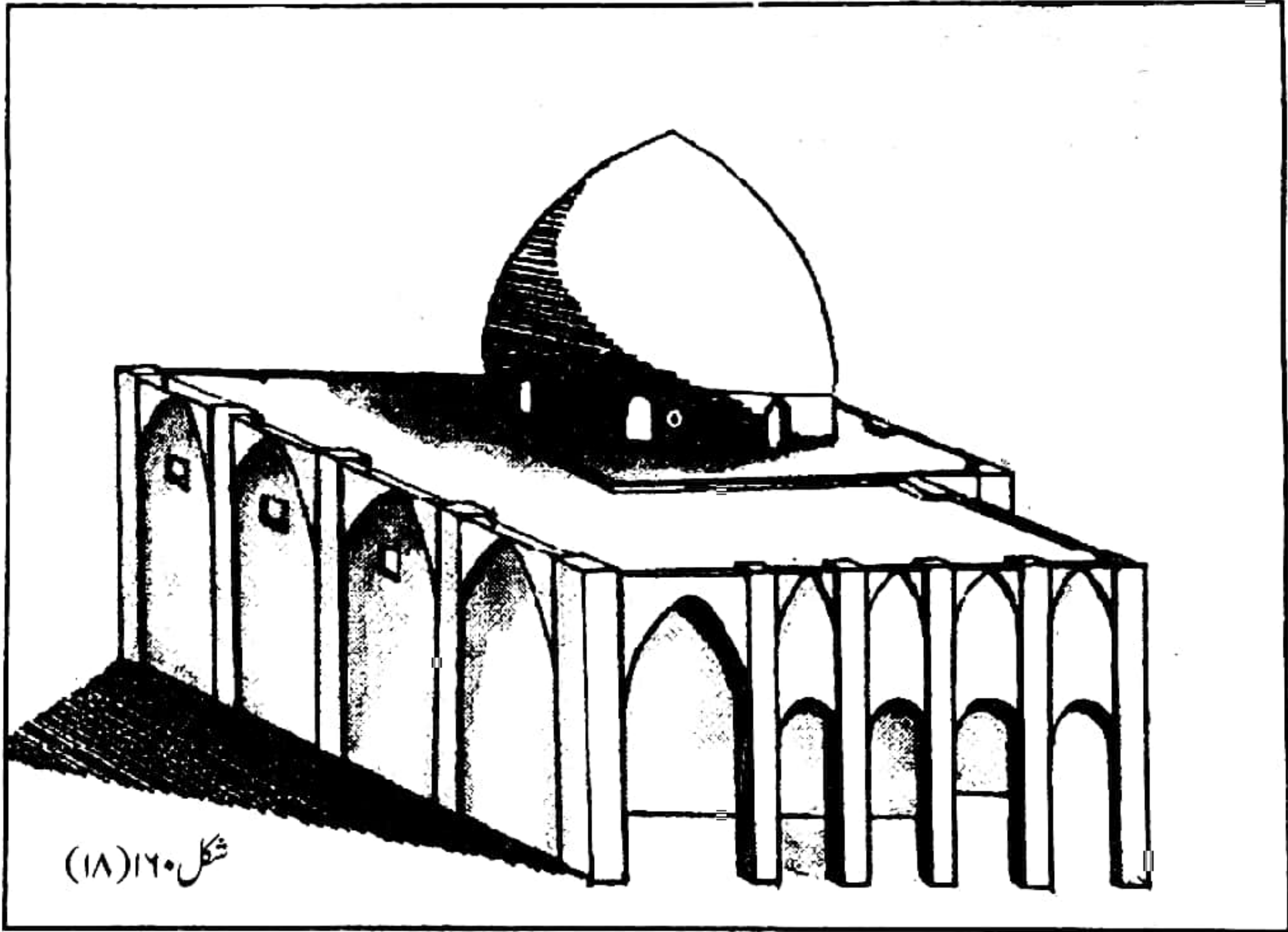
(۱) مجالی الطف جلد ۲ صفحہ ۴۰۔

(۲) جب ۳۶۳ھ سے ۳۸۱ھ کے عرصے مین طائع اللہ عباسی کی حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی تو اس وقت چوروں اور ڈاکوؤں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جس کا سرغنہ ''ضبہ اسدی'' تھا جو ''عین التمر'' کے سبزہ زاروں میں رہتا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی ہجو متنبی نے کی ہے اسی وجہ سے ضبن نے بنی کے کچھ لوگوں کو اس کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور یہ ۳۵۴ھ کی بات ہے۔ ملاحظہ ہو: دائرۃ المعارف کا باب ''مدینۃ الحسین علیہ السلام''۔

تو اس نے اسی سال اس کی سرکوبی کیلئے ''عین التمر''[1] کی طرف ایک سریہ[2] کو بھیج دیا اور وہ وہاں پر موجود تھا۔ اسے کانوں کان خبر نہ ہوئی جب لشکر اس کے سر[3] پر پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام مال وعیال کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور تنہا اپنی جان بچائی۔ اسکے مال وعیال کو قبضے میں لے لیا گیا اور اس نے جو کربلا معلیٰ میں لوٹ مار کی تھی واپس لے لی گئی[4] سزا کے طور پر ''عین التمر'' پر قبضہ کرلیا گیا، چنانچہ شاعر، سماوی، ضبہ اسدی کی کربلا کی لوٹ مار کو ان اشعار میں بیان کرتے ہیں (ترجمہ) ''عین التمر'' کے ضبہ اسدی کی لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا حادثہ جو اس نے شہید کربلا میں برپا کیا تھا۔ اور گھروں اور بازاروں کو لوٹا تھا۔ اور ہر ملنے والے جوان کو قتل کیا تھا اور اس نے امام حسین علیہ السلام کے روضہ سے وہ چیزیں بھی لوٹی تھیں جو قیمتی اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں[5] اور ۳۶۹ھ ہی میں[6] جب عضدالدولہ اپنی سالانہ زیارت کے طور پر مرقد مطہر حضرت امام حسین علیہ السلام پر حاضری دی۔ اور اسی دوران

---

① عین التمر'' کربلا معلیٰ کے جنوب مغرب میں ۸۶ کلومیٹر کے فاصلے پر صحرا کے درمیان ایک سبزہ زار اور خوشگوار جگہ کا نام ہے جو اپنے میٹھے پانی کے چشموں اور کھجوروں کی وجہ سے مشہور ہے۔

② ''سریہ'' فوج کے ایک مخفی دستے کو کہتے ہیں۔ اسے اس لئے سریہ کہتے ہیں کیونکہ یہ چھپ کر چلتا ہے۔ اس کی جمع ''سرایا'' ہے۔ کتاب ثرات کربلا صفحہ ۳۵۹ اور شہر حسین صفحہ ۲۲۷ مین ہے کہ جس فوجی دستے نے عین التمر پر دھاوا بولا تھا اس کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔

③ کتاب ''شہر الحسین'' صفحہ ۲۲۷ میں ہے کہ یہ واقعہ ۲۸ ذی الحجہ ۳۶۹ھ میں پیش آیا۔

④ کتاب الکامل فی التاریخ جلد ۷ صفحہ ۱۰۳ ''العتبات المقدسہ قسم کربلا'' صفحہ ۲۶۰ اور تاریخ کربلا صفحہ ۱۰۱

⑤ کتاب مجالی الطف جلد ۲ صفحہ ۵۵

⑥ شہر حسین صفحہ ۲۰۱ اور فرحتہ الغری صفحہ ۱۱۳ میں طوسی نے اپنی سند کے ساتھ مزار امیر المومنین علیہ السلام کے خازن یحی بن علیان سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب کے غلاف پر شیخ ابی عبداللہ ابن محمد بن سری، المعروف ابن البری کے ہاتھوں سے لکھا ہوا دیکھا ہے۔ کہ فنا خسرو عضد الدولہ نے ۳۶۹ھ میں مرقد مطہر حضرت امام حسین علیہ السلام کی تعمیرات کیلئے اقدام کیا اور ۳۷۱ھ میں یہ کام مکمل ہوا۔ گویا تین سال تک یہ تعمیراتی کام جاری رہا۔ خواجہ حمید الدین اپنی تاریخ ''روضۃ الصفا'' فارسی میں ذکر کرتے ہیں کہ ''عضد الدولہ کو۔ ہندوستان میں۔ سونے چاندی سے بھرے کچھ خزانے ملے جنہیں اس نے نجف اشرف میں روضہ امیر المومنین علی علیہ السلام اور کربلا معلیٰ میں روضہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی تعمیرات پر خرچ کر دیا۔ اور تعمیرات کا یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ کیونکہ اس کا آغاز ۳۶۹ھ میں اور اختتام ۳۷۱ھ میں ہوا

روضہ اطہر[1] کے گنبد کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا اور ضریح اقدس سید الشہدؑ کو ہاتھی کے دانت سے پختہ کیا حریر و دیبا کے غلافوں سے مزین کیا، مرقد مطہر کے اطراف میں کئی رواق بنوائے اور روضہ شہید کربلا کی تعمیر کی۔ اہالیان شہر کیلئے پینے کے پانی کا بندوبست کیا حرم مقدس کیلئے روشنی کا اہتمام کیا اور بلند و بالا فصیل[2] سے اس کی حفاظت کے سامان بھی فراہم کر دیئے۔ جس کا محیط تقریباً ۲۴۰۰ قدم اور قطر بھی تقریباً ۲۴۰۰ قدم تھا۔ شہر کو پانی کی ندی کے ساتھ ملا کر اسے تازہ زندگی بخشی، حضرت اباعبدالحسینؑ اور ان کے برادر گرامی ابالفضل عباسؑ کے حرمین شریفین کیلئے اراضی وقف کی تا کہ اس کے محصولات سے حرمین شریفین کی رونق بحال رہے۔ حرم کے اطراف میں عمارتیں اور بازار بنوائے، علماء کرام اور آل علیؑ[5] جو حرم کے جوار میں سکونت پذیر تھے ان کیلئے خاطر خواہ وظائف مقرر کیئے۔ اسی طرح مدرسہ عضدیہ اولی

---

① اس گنبد کا تذکرہ اس زیارت میں موجود ہے جسے سید مرتضیٰ علی بن الحسین متوفی ۴۳۶ھ نے مرتب کیا ہے جبکہ وہ کہتے ہیں: "السلام علی ساکن التربة الزاكية السلام علی صاحب القبة السامية" (سلام ہو مقدس سرزمین کے ساکن پر، سلام ہو بلند گنبد کے رہنے والے پر) ملاحظہ ہو بحار الانوار جلد ۹۸ صفحہ ۳۳۵

② تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ صفحہ ۱۷۱

③ ملاحظہ ہو: العتبات المقدسہ قسم کربلا صفحہ ۲۶۲ منقول از "المعارف الاسلامیہ" حمد اللہ متوفی کہتے ہیں: کربلا کا سارا محیط ۲۴۰۰ قدم پر مشتمل تھا جو ۲۱۶۰ میٹر کے برابر ہے۔ معلوم ہے کہ ایک قدم ایک گز یا ۹۰ سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اور متوفی نے ذکر کیا ہے کہ: اس محیط کا تذکرہ ابن بطوطہ کے اس سفرنامہ میں ہے جو اس نے ۷۲۷ھ میں کربلا کی طرف کیا تھا۔

④ تاریخ کربلا صفحہ ۶۲ میں ہے کہ عضد الدولہ نے شہر کے گرد ایک فصیل بنوائی جس کی پیائش ۲۴۰۰ قدم تھی۔ یہاں پر یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات پیائش سے مراد فصیل کے قطر کی لمبائی مراد لی جاتی ہے۔ یا پھر اس کے ضلع کا طول مراد ہوتا ہے۔ جو ۲۰۷ میٹر کے برابر ہے۔ کیونکہ ایک قدم تقریباً ۳۰ سینٹر میٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اور یہ قول حمد اللہ مستوفی کے قول کے مطابق ہے کہ کربلا کا محیط ۲۴۰۰ قدم یا ۲۱۶۰ میٹر تھا۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قطر کی محیط کی طرف نسبت ۲۲/۷ کے ثلث کے برابر ہوتی ہے۔ لہذا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے ایک نے تو فصیل کو اس کے محیط کے ساتھ محدود کر لیا ہے اور دوسرے نے اسے اپنے قطر کے ساتھ تخمینی طور پر اپنے احاطہ میں لیا ہوا ہے۔

⑤ فرحۃ الغری صفحہ ۱۱۳ میں عضد الدولہ کے عطیات کی فہرست یوں بیان ہوئی ہے کہ عضد الدولہ نے لوگوں کے مختلف طبقات کے مطابق عطیے دیئے اس کیلئے ایک فنڈ مقرر کیا، اولاد علیؑ میں سے ہر ایک شخص کو ۳۲ درہم دیئے جبکہ اس وقت ان کی تعداد دو ہزار دو سو افراد پر مشتمل تھی۔ اور عوام اور مجاورین حرم کو دس ہزار درہم عطا کئے اور اہل شہر کو ایک لاکھ رطل عراقی آٹا اور کھجوریں تقسیم کیں۔ اور پانچ سو جوڑے کپڑا دیا۔ اور اس کام کی نگرانی کرنے والے کو ایک ہزار درہم عطا کئے اور اسی کتاب میں ہے کہ یہ ۳۷۱ھ کا واقعہ ہے۔

⑥ تاریخ کربلا صفحہ ۶۲ العراق قدیماً و حدیثاً صفحہ ثرات کربلا صفحہ ۳۸ تاریخ کربلا و حائر الحسین علیہ السلام صفحہ ۱۷۱

ساتھ ہی اس کے پہلو میں ''مسجد①راس الحسین علیہ السلام'' تعمیر کی② جس کے بعد اطراف حرم مین بسنے والوں کی تعداددوگنا ہوگئی۔ چنانچہ سماوی شاعر، عضدالدولہ کے اس اقدام کواپنے اشعار میں یوں بتان کرتے ہیں۔(ترجمہ)

تصویرنمبر۱۶۱(۱۹) مدرسہ عضدیہ اور مسجد راس الحسین علیہ السلام	صفحہ نمبر۳۷۱

پھراس کام کا بیڑا عضدالدولہ نے جونہی اٹھایا۔ جس سے وہ شاخ بھی تروتازہ ہوگئی جو مردہ ہونے والی تھی۔ اس نے امام کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا' جس کے کئی رواق تھے۔ اور ضریح اقدس کو ہر طرف گھیرے ہوئے تھے اور ضریح پاک کو حریر دیبا سے مزین کیا اور اس کے اطراف میں ساج کی لکڑی لگوائی گنبد اور رواق کو منور کر دیا۔ اور گھروں اور بازاروں کو تعمیر کرایا۔ شہر کو فصیلوں کے ذریعے محفوظ بنا دیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کلائی میں کنگن ہو۔ شہر کربلا میں جاری پانی کے وسائل مہیا کئے اور روشنی کے اسباب فراہم کرنا بھی اس کی امتیازی صفت بن گئی۔③

☆۳۷۱ھ④ میں عضدالدولہ اپنی سالانہ زیارت کیلئے حائر مقدس پہنچا۔

---

① مدرسہ اور مسجد شارع سدرہ کی جنوبی طرف اس کے اول ہی میں تھے۔ لیکن اس وقت مدرسہ کی تو کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ البتہ مسجد اب بھی ''مسجد راس الحسینؑ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ اسی جگہ پر جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جہاں پر عمر بن سعد نے امام مظلوم کا سر کوفے لے جانے سے پہلے ایک پتھر پر رکھا تھا۔

② رسالہ ''الحوزہ'' قم شمارہ ۲۲ صفحہ ۱۷۳ اور رسالہ ''الحیات لندن شمارہ ۱۲۳۹۶ مورخہ ۴ فروری ۱۹۹۷ء نیز رسالہ ''ایمان'' کینیڈا شمارہ ۶۳ جلد ۱۰۔

③ مجالی الطف جلد ۲ صفحہ ۴۰

④ تاریخ مرقد الحسین والعباس صفحہ ۸۰ اور فرحۃ الغری صفحہ ۱۱۳ اور یہ ۳۷۱ھ کی بات ہے جب کہ جمادی الاول کے کچھ دن باقی تھے اور یہ اس کی آخری سالانہ زیارت بنتی ہے کیونکہ اس کے بعد یعنی ۳۷۲ھ میں اس کی وفات ہوگئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال جب وہ زیارت کو گیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی مرقد انور کی تعمیرات کے باقیماندہ کام کی تکمیل کی خودنگرانی کی۔ روضہ منورہ اور رواق کی زینت کے سامان فراہم کئے۔ کیونکہ روضہ اطہر کی روشنی کیلئے اس مرتبہ اپنے ساتھ قندیلیں اور جھاڑ فانوس لیتا آیا۔ اسی طرح ضریح مقدس کو ساج اور دیباج سے مزین کیا اور اس کے اطراف میں لکڑی کا غلاف چڑھایا اور صحن صغیر اور دوسرے مدرسہ ② کی تاسیس کا حکم صادر فرمایا اور صحن صغیر کو مزار مبارک کے شمال مشرقی حصے میں بنایا گیا۔ جبکہ مدرسہ صحن صغیر کی مغربی جانب یعنی ضریح اقدس کے شمال میں بنایا گیا۔ صحن صغیر میں دو مینار بنائے گئے۔ جہاں سے وہ حضرت ابوالفضل عباس علمدار کے روضے کی زیارت کو جاتا تھا۔ ③ چنانچہ کلیدار ④ صحن صغیر کی یوں تعریف کرتے ہیں۔

''صحن صغیر' یہ وہی دالان ہے جو بنی عباس کے دوسرے دور کے تاریخی قدیمی آثار میں شمار بلند و بالا فصیل کے اندر موجود ہے۔ جس کی بلند و بالا دیواروں کو قدیمی خوبصورت اور جاذب نظر کاشی کی اینٹوں سے مزین کیا گیا ہے۔ جو ستونوں کی مانند ہندسی شکل میں کئی اضلاع اور زاویوں کے حامل ہیں۔ متنوع اور صنعت و ترکیب کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ہر ایک زینے کو نہایت ہی حسین اور مکمل فن ہندسی سے مزین کیا گیا ہے' جس میں سنگ مرمر اور کاشی کی ممتاز' نادر اور قدیم قیمتی اینٹوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام عمارت کی تعمیر کا عرصہ عہد بویھین سے آج تک ⑤ ایک ہزار سال بنتا ہے اس صحن صغیر کے داخلی زینے، موجودہ زینوں کی شکل پر ہیں۔ لیکن نوعیت کے لحاظ سے ان سے زیادہ ہموار ہیں اور ان بعض راستوں کی چھت سے ملے ہوئے ہیں جہاں سے صحن امام حسینؑ میں داخل ہوئے ہیں۔

---

① تاریخ مرقد الحسین والعباس صفحہ ۸۰، تاریخ کربلاء حائر الحسین صفحہ ۱۷۲

② رسالہ ''الحوزہ'' قم' شمارہ ۲۷ صفحہ نیز ۱۷۳ نیز ملاحظہ ہو اسی دائرہ المعارف کا باب ''مدینۃ الحسین'' فصل ''النھضۃ العلمیۃ'' عضد الدولہ کے دونوں مدرسوں کے تفصیلی حالات۔

③ تراث کربلا صفحہ ۵۷۔

④ کلیدار یعنی عبدالجواد بن علی بن جواد حائری آل طعمہ ۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ سید حسین قزوینی کے پاس سے علم حاصل کیا۔ پھر فرانس کے شہر ''سوربون' یونیورسٹی سے علوم سیاسی روزنامے کا اجرا کیا۔ بہت سے تاریخی اور ادبی مقالے شائع کئے۔ کتاب ''تاریخ کربلا' و حائر الحسین'' انہی کی تالیف ہے۔ ۱۳۷۹ھ میں وفات پائی۔

⑤ کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تالیف ۱۳۶۸ میں ہوئی۔

یہ باوقار تاریخی عمارت یا جسے آج بھی "صحن صغیر" کہتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے صحن حضرت امام حسینؑ سے ملا ہوا ہے اوران دونوں صحنوں کے درمیان ایک بہت بڑی اور وسیع دہلیز ہے۔ جوتقریبا خود بھی فنی تزئین وآرائش کا ایک ایسا اعلیٰ نمونہ ہے کہ جس کی مثال لانے کیلئے دنیا جہاں کے عجائب خانے عاجز ہیں۔

رہی مشرقی طرف کی بات تو وہ یہ جگہ ہے جہاں سے شہر کی تینوں اطراف یعنی شمال، مشرق اور جنوب کی طرف راستے جاتے ہیں اور جنوب کا راستہ شہر کے درمیان واقع بڑے بازار کی طرف جاتا ہے۔ یہاں سے حرم میں داخل ہونے کیلئے دو راستے ہیں۔ ایک شمالی بازار کی طرف جاتا ہے۔ یہاں سے حرم میں داخل ہونے کیلئے دو راستے ہیں۔ ایک شمالی جسے آج "باب الصحن الصغیر" کہتے ہیں اور ایک مشرقی جسے "باب الصافی" کہا جاتا ہے اور اس کی نسبت اس مقبرے کی طرف ہے جو دروازے کی ایک جانب میں ہے۔ اور اس کا تعلق سید مہدی صافی[1] کے خاندان سے ہے اور یہ کربلائے معلیٰ کے قدیم باوقار سادات کا خاندان ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے بعد اسی راستے سے یا دوسرے راستے سے عام طور پر لوگ حرم حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی زیارت کو جاتے ہیں۔ بویہی سلاطین نے حرم مقدس میں اسی جگہ کو اپنے دفن ہونے کیلئے منتخب کیا تھا۔ تاکہ ان کی قبریں دونوں حرموں کے درمیان زائرین کی گزرگاہ میں ہوں اور اس عمارت کو حسین وجمیل ہندسی طرز اور اسلوب میں بنایا گیا ہے اور مجموعی طور پر اس کا شمارہ فن اور صنعت کے شاہکاروں میں ہوتا ہے اور اس کا تعلق چوتھی اور پانچویں صدی ہجری سے جا کر قائم ہوتا ہے۔ بنی عباس کا دور حکومت تھا اور انہوں ہی نے اسے حائر اقدس کے ملحقات اور توابع میں شامل کر لیا تھا۔ آل بویہ کا قبرستان دالان کے وسط میں زمین کے نیچے ایک منظم سرداب تلے ہے اور کچھ قبریں شمالی صدر دروازے کے دونوں جانب ہیں اور دو عظیم الشان حجروں کے اندر ہیں جو قدیم قبرستانوں کی طرز پر خوبصورت انداز میں بنے ہوئے ہیں۔

---

[1] سید مہدی صافی بن صافی بن جواد بن علی عطار جن کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن بن علی علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ ان کا شمار شہر کربلا کے برجستہ اور معزز افراد میں ہوتا ہے۔ اور وہ حرم حضرت سید الشہدا علیہ السلام کے حرم کے تابع صحن صغیر کے خصوصی قبرستان میں مدفون ہیں۔

اس کی نئی دیواریں ہیں جواندراور باہر سے قدیم طرز کی خوبصورت اور جاذب نظر کاشی کی اینٹوں سے مزین ہیں اور ہر مقبرہ کے شروع میں ایک خصوصی کمرہ ہے جس کے درمیان میں ایک قدیم اور تاریخی مینار ہے۔ جس کا تعلق بویہی عہد حکومت سے جا قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے شمالی راستے کے دونوں طرف بویہی دور حکومت کے دو قدیمی مینار ہیں جن پر کوفی رسم الخط میں قرآنی آیات نقش کی گئی ہیں اوران دونوں کے سروں کو کاٹ دیا گیا ہے۔ اور حسب ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختلف زمانوں میں ہونے والی تعمیرات میں ایسا کیا گیا ہے اوراب یہ عمارت کے اندر چھت کی حد میں چھپے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے اندر چکر لگاتی ہوئی سیڑھیاں تھیں جن کے ذریعہ مینار کے اوپر چڑھا جاتا تھا۔ اس کے مغربی مینار پر ایک ''دیدبان'' [1] تھا جسے ''نگرانی کا برج'' کہتے تھے۔

تصویر نمبر ۱۶۲ (۲۰) سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک	صفحہ نمبر ۱۷ ۳

① دیدبان فارسی کلمہ ہے جو ''دید'' اور دربان سے مرکب ہے مرکب سے؛ جس کے معنی ہیں نگرانی کا مقام، اوراس کا اطلاق نگرانی کے برج پر بھی ہوتا ہے۔

جس پر اس زمانے میں ایک محافظ بیٹھا کرتا تھا جو بادشاہوں کی قبروں کی حفاظت اور نگرانی کیا کرتا تھا۔ اور نگرانی کا یہ برج مذکورہ مینار سے شروع ہو کر موجودہ قبرستان طباطبائی تک جا ملتا تھا جو اس وقت کھڑکی کے ساتھ ہے جس سے اس قبرستان کے دروازے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ [1]

☆ ۴۰۰ھ میں بویہی وزیر حسن بن فضل [2] رامہر مزی نے حضرت سید الشہد اعلیہ السلام کی قبر مطہر کی زیارت کی اور یہ اس سال کے ماہ جمادی الاول کا واقعہ ہے۔

---

① عبدالجواد کلیدار کی کتاب ''تاریخ کربلا و حائر الحسین'' صفحہ ۱۷۴۔ کلیدار صحن صغیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ''آیا آل بویہ نے اپنی ان گنت دولت اور بے مثال اقتدار کے باوجود اپنے قبرستانوں یا حرم سید الشہد اعلیہ السلام کیلئے کوئی بھی جائیداد یا اوقاف مختص نہیں کئے؟ اگر کئے ہیں تو وہ کہاں گئے؟ ہاں تھے لیکن ترکی سلطان مراد چہارم نے جب ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں عراق کو فتح کیا تو تمام اوقاف پر قبضہ کر لیا اور تمام شیعہ املاک اوقاف کو لوٹ کر لے گیا۔ چنانچہ انگریز مورخ مسٹر ''لونگریک'' اپنی کتاب ''اربعہ قرون من تاریخ عراق'' کہ صفحہ ۷۹ میں لکھتے ہیں کہ ''سلطان مراد چہارم نے مفتی یحیٰ کو اس بات کا پابند کیا کہ شیخ عبدالقادر کی قبر کے گنبد کو دوبارہ تعمیر کرے اور اس کیلئے بہت سے اوقاف مقرر کئے جن میں سے بہت بڑی مقدار شیعہ املاک کی تھی'' اور شاید خان پاشا کبیر کے موقوفات جو کربلا میں صحن مطہر کے نزدیک ہیں اور ''تکیہ خالدہ'' کا اوقاف جو ''سوق النجف'' میں ہے اور اسی طرح کے دیگر موقوفات ایسے ہیں جنہیں سلطان مراد مذکور نے عتبات مقدسہ سے زبردستی چھین لئے تھے۔ ورنہ کس مناسبت سے عبدالقادر گیلانی یا خالد بن ولید کیلئے کربلا معلّٰی یا نجف اشرف کے عتبات مقدسہ میں اوقاف ہو سکتے تھے؟ تو ان شخصیات کے اوقاف کہاں گئے؟ اسی طرح ''مئذنہ العبد'' کے حسینی اوقاف تھے۔ یہ وہ مشہور مینار تھا جسے ۱۳۵۴ھ میں ظلم کے ساتھ گرا کر اس جگہ دوسری عمارت تعمیر کی گئی۔ جبکہ عمارت عظیم ٹھوس، پائیدار اور تاریخی حیثیت کی حامل تھی اور دوسری ناپائیدار بظاہر عظیم ہے۔

② رامہر مزی یعنی ابو محمد حسن بن فضل بن سہلان۔ اور کتاب ''العراق قدیماً و حدیثاً کے صفحہ ۱۲۹ میں اسے حسن بن اسماعیل کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اور یہ غلط ہے۔ ۴۱۲ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اور کتاب تاریخ کربلا و حائر الحسینؑ صفحہ ۲۲۴ میں مذکور ہے کہ جب ملک کے حالات خراب ہو گئے تو بادشاہ نے وزارت کا عہدہ اس کے سپرد کیا اور یہ ربیع الثانی ۴۰۷ھ کا واقع ہے۔

عمومی فہرست

فہرست تصاویر ونقشہ جات

تصویر نمبر	نام	شہر/ملک	صفحہ نمبر
86	مسجد سیدی سالم کے مینار کی چوٹی	لیبیا	351
87	مسجد سلمانیہ کے مینار کی چوٹی	استنبول	351
88	جامع مسجد قرجی کے مینار کی چوٹی	لیبیا	352
89	مسجد حاکم فاطمی کے مینار کی چوٹی	قاہرہ	352
90	مسجد اعتماد الدولہ کے مینار کی چوٹی	آگرہ ہندوستان	352
91	مسجد قایتبائے کے مینار کی چوٹی	قاہرہ	352
92	حضرت معصومہ فاطمہ کے کے مینار کی چوٹی	قم ایران	352
93	مسجد ویملبڈن کے مینار کی چوٹی	جنوبی لندن	352
94	گنبد خضر کا ہلال (چاند)	بیت المقدس	353
95	موتی مسجد کے گنبد کی نیزہ نما چوٹی	آگرہ ہندوستان	353
96	مزار خائر کے گنبد کی انار نما چوٹی	قاہرہ	353
97	شریف حسن کے مزار کے مینار کی چوٹی	اسکو	353
98	جامع مسجد قیروان کے مینار کی چوٹی	تیونس	354
99	چارل کا چرچ		355
100	رائل پویلین یا شاہی کیمپ		355
101	اسٹرنج ویز ٹاور		356
102	سینٹ جاڈ ہسپتال		356
103	مزار ابراہیم بن مالک اشتر علیہ السلام		357
104	مزار ابراہیم بن مالک اشتر علیہ السلام		358
105	مزار ابراہیم بن مالک اشتر علیہ السلام		359
106	روضہ حضرت عباسؑ ابن حضرت ام البنین علیہ السلام کا مقام	کربلا عراق	360
107	مزار فرزندان مسلم علیہ السلام		360

فہرست حواشی

فہرست تاریخ

پہلی صدی قبل ہجرت	ائیتموس ترالی
پہلی صدی قبل ہجرت	ایذیدروس میلاتی
سال اول قبل ہجرت	وفات انتیسنانس اول بیزنطی
سال ۱۶۰۷ قبل ہجرت	حضرت سلیمان بن داؤدؑ
سال ۳۶۴ قبل ہجرت	وفات قسطنطین بن قسطنتیوس بزنطی
سال ۱۴۵ قبل ہجرت	ولادت انتنانس اول بزنطی
سال ۴ قبل ہجرت	مارب نامی بند کا انہدام
سال اول ہجری	عبداللہ بن زبیر بن عوام کی ولادت
۲۱ ہجری	ولادت حسن بن یسار بصری
۲۳ یا ۳۵ ہجری	وفات برکت ام ایمن
۳۶ھ	جنگ جمل
۴۰ھ	وفات تمیم بن اوس بن خارجہ
۴۸ھ	ولادت ولید بن عبدالملک
۵۰ھ	ولادت عطاء بن ابی مسلم خراسانی
۶۳ھ	وفات بریدہ بن حصیب بن عبداللہ اسلمی
۶۴ھ	ہلاکت یزید بن معاویہ بن ابوسفیان
۶۵ھ	جنگ عین الوردہ
۱۲۶ھ یا ۱۲۱ھ	اموی احکام کے خلاف حضرت زید بن علی ابن الحسینؑ کا اعلان جنگ

۶۷ھ ۱۴ رمضان	وفات مختار ابن ابی عبیدہ ثقفیؒ
۷۱ھ	شہادت ابراہیم بن مالک اشترؒ
۷۳ھ	وفات عبداللہ بن زبیر بن عوام
۷۸ھ	وفات جابر عبداللہ بن عمر وانصاری
۹۵ھ	ولادت عبداللہ بن محمد (منصور عباسی)
۱۰۱ھ	وفات عمر بن عبدالعزیز بن مروان
۱۰۱ھ	وفات محمد بن مروان بن عبدالملک
۱۰۴ھ	ولادت عبداللہ بن محمد (سفاح)
۱۰۵ھ	وفات ابان بن عثمان بن عفان
۱۱۰ھ	وفات حسن بن یسار بصری
۱۱۱ھ	وفات عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی
۱۲۸ھ	وفات جابر بن یزید جعفی
۱۳۵ھ	وفات عطاء بن ابو مسلم خراسانی
۱۳۶ھ، ۱۵۸ھ	عبداللہ بن محمد بن علی دوسرا عباسی خلیفہ
۱۵۰ھ	وفات ثابت بن دینار (ابوحمزہ ثمالی)
۱۵۰ھ	وفات قاسم بن یحییٰ اسدی
۱۵۸ھ	وفات عبداللہ بن محمد (منصور عباسی)
۱۶۷ھ	وفات عیسیٰ بن موسیٰ
۱۶۹ھ	حسین بن علی بن حسن کی عباسی حکام کے خلاف تحریک
۱۹۳ھ	وفات موسیٰ بن عیسیٰ عباسی
۲۰۰ھ	وفات حضرت ابراہیم مجاب ابن محمد عابد
۲۰۴ھ	وفات ہشام بن محمد (ابونصر) بن سائب کلبی
۲۰۶ھ، ۲۴۷ھ	بنی عباس کا دسواں حکمران جعفر بن محمد معتصم عباسی
۲۱۶ھ	وفات زبیدہ بنت جعفر بن منصور عباس

۲۴۰ھ وفات احمد بن فرج (ابوداؤد) ایادی

۴۷ھ بنی عباس کا گیارہواں حکمران محمد بن متوکل (منتصر باللہ)

۲۴۷ھ وفات ابراہیم بن سہل دیزج

۲۵۲ھ وفات محمد بن علی ہادی

۲۷۰ھ وفات حسن بن زید بن محمد حسنی علوی

۲۷۸ھ وفات طلحہ بن جعفر متوکل

۲۸۶ھ تحریک قرامطہ کی تاسیس

۲۸۷ھ وفات محمد بن زید بن اسماعیل حسنی علوی

۲۹۵ھ وفات اسماعیل بن احمد سامانی

۳۲۰ھ، ۴۴۷ھ ایران میں آل بویہ دیالمہ کی حکومت

۳۲۹ھ وفات محمد یعقوب کلینیؒ

۳۴۶ھ وفات علی بن الحسین بن علی مسعودی

۳۶۷ھ وفات جعفر بن محمد بن جعفر قمی (ابن قولویہ)

۳۶۹ھ وفات عمران بن شاہین

۳۷۲ھ وفات فناخسرو ابن رکن الدولہ حسن بویہی

۳۹۳ھ وفات محمد بن عباس (ابوبکر) خوارزمی

۴۰۵ھ وفات فضل بن جعفر بن فرات

۴۱۴ھ وفات حسن بن فضل بن سہلان رامہرزی

۴۱۸ھ تحریک قرامطہ کا خاتمہ

۴۳۶ھ وفات علی بن حسین مرتضی

۴۷۰ھ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ گیلانی

۶۱۴ھ وفات محمد بن احمد بن جبیر اندلسی

۶۴۳ھ وفات محمد بن محمود بن حسن بغدادی (ابن نجار)

۷۹۷ھ تیمور لنگ کی طرف سے تکریت کا سقوط

۸۳۳ھ	ولادت محمد ثانی فاتح ابن مراد ثانی
۸۴۰ھ	حکومت مشعشیہ کی تاسیس
۸۴۵ھ	وفات احمد بن علی بن عبدالقادر مقریزی
۸۸۴ھ	وفات محمد ثانی (فاتح) ابن مراد ثانی
۹۰۷ھ	خاندان صفویہ کی ایران پر حکومت
۹۱۸ھ	وفات بایزید ثانی ابن محمد ثانی
۹۲۶ھ	سلیمان بن سلیم بن بایزید قانونی دسواں عثمانی بادشاہ
۹۳۲ھ	واقعہ موہاکس
۹۴۵ھ	ولادت چارلس بورمیو
۹۹۲ھ	وفات چارلس بورمیو
۱۰۲۵ھ	حکومت مشعشیہ کا خاتمہ
۱۰۶۶ھ	ولادت جان برنارڈ بن فیشر فون ایرلک
۱۰۹۴ھ	عثمانیوں کی طرف سے ویانا کا محاصرہ
۱۰۹۶ھ	ولادت کارل ششم
۱۱۳۵ھ	وفات جان برنارڈ بن فیشر فون ایرلک
۱۱۵۳ھ	وفات کارل ششم
۱۱۵۸ھ	ولادت ہنری ہالینڈ
۱۱۶۶ھ	ولادت جان ناش
۱۱۶۶ھ	ولادت ہمفرے ایجون
۱۱۷۶ھ	ولادت آگسٹس بن جارج سوم ولیم فریڈرک
۱۲۰۶ھ	وفات محمد بن عبدالوہاب تمیمی
۱۲۱۶ھ	فرقہ وہابیہ کا کربلا پر حملہ
۱۲۲۳ھ	فرقہ وہابیہ کا کربلا پر حملہ
۱۲۲۵ھ	فرقہ وہابیہ کا کربلا پر حملہ

۱۲۲۵ھ	وفات ہمفرے ایپٹون
۱۲۲۶ھ	فرقہ وہابیہ کی کربلا پر یورش
۱۲۳۸ھ	ولادت مدحت بن محمد اشرف
۱۲۴۶ھ	ولادت الفرڈ واٹر ہاؤس
۱۲۵۱ھ	وفات جان نوش
۱۲۷۸ھ	ناصر الدین شاہ قاچار کا سفر عراق
۱۳۰۰ھ ۲۱ رجب	ولادت محمد بن ہدایت آشتیانی
۱۳۰۱ھ	ولادت فیصل بن حسین حسنی
۱۳۰۲ھ	وفات مدحت بن محمد اشرف
۱۳۲۳ھ	وفات الفرڈ واٹر ہاؤس
۱۳۲۹ھ	وفات حسین بن علی حلی (ابن زکوم)
۱۳۳۵ھ	برطانوی فوجوں کا میسیب شہر میں داخلہ
۱۳۳۵ھ	سائیکس بیکو کا معاہدہ
۱۳۳۵ھ	انگریزوں کے ذریعہ بغداد کا سقوط
۱۳۳۵ھ	وفات محمد بن مہدی قزوینی
۱۳۳۷ھ	ولادب محمد بن محمد حسین غروی
۱۳۳۸ھ ۱۴۰۰ھ	ایرانی حکومت پر محمد رضا بن عباس (رضا شاہ) کا قبضہ
۱۳۴۰ھ	ولادت محمد بن طہ
۱۳۴۳ھ	ولادت جارج بش
۱۳۴۳ھ	خاندان قاچار کی ایران پر حکومت
۱۳۴۵ھ	ولادت محمد باقر بن عبدالحسین
۱۳۴۶ھ	ولادت صدام حسین بن مسلط مجید (صدر صدام)
۱۳۴۷ھ	ولادت حنا بطاطو
۱۳۴۸ھ	ولادت حسن ثانی بن محمد خامس حسنی

۱۳۵۲ھ	وفات علی بن حسین طلال
۱۳۵۳ھ	ولادت حسن علوی
۱۳۵۵ھ	وفات محمد حسین نائینی
۱۳۵۷ھ	وفات محمد لبیب بتونی
۱۳۴۰ھ، ۱۳۹۹ھ	ایران پر محمد رضا بن عباس کی حکومت
۱۳۶۲ھ	ولادت عبدالحلیم بن احمد رہیمی
۱۳۷۵ھ	وفات رفائیل بطی
۱۳۷۷ھ	ولادت حسین بن زیدان کاظمی
۱۳۷۹ھ	وفات عبدالجواد بن علی حائری (کلیدار)
۱۳۸۱ھ	وفات عبدالجواد بن علی آل طعمہ
۱۳۸۵ھ ۲۰ ذی الحجہ	وفات محمد ہدایت آشتیانی
۱۳۹۱ھ	وفات حمودی بن رضا نائینی
۱۳۹۴ھ	وفات حسین بن علی حلی نجفی
۱۳۹۹ھ	احمد حسن بکر کی موت
۱۴۱۱ھ	وفات دانی توماس
۱۴۱۱ھ	کویت پر عراق کا قبضہ۔

ملکوں اور شہروں کی فہرست

سوویت یونین	آذربائیجان	اربیل	اردن	ارینا
استنبول	اسکو	ایشیاء	ایشیائے کوچک	وسطی ایشیاء
اشبیلیہ	اصفہان	افریقہ	افغانستان	آگرا
آکسفورڈ	جرمنی	ام درمان	امریکہ	اقوام متحدہ
انبار	اندلس	انگلستان	اہواز	یورپ
مشرقی یورپ	مغربی یورپ	اٹلی	بابل	پیرس
پاکستان	مڈیٹرین	بحیرہ قزوین	بحرالمانش	بحرین
بحیرہ رزازہ	بخارا	بریٹن	برسلز	برطانیہ
بصرہ	بعلبک	بغداد	بقیع	بقیع خب خب
بقیع غرقد	بلجیم	بلد	بیت المقدس	بیروت
بیزنطہ	تاجکستان	تبریز	ترکستان	ترکی
چیکوسلوواکیہ	تکریت	تلمسان	الجزائر	جنزر
جزیرہ مورشیس	جمہوریہ ترکہ	زیرہ نمائے عرب	جارجیا	دامن صحرا
حائر (حرم	حبشہ	حجاز	حرمین شریفین	حلب
حلہ	حمص	حیرہ	خراسان	خلیج
خوارزم (خیوہ)	وائٹ ہاؤس	دبیس	دجلہ	دجیل
دشام	دہلی	دمشق	دماوند	ڈیٹرویٹ
ویلم	راویہ (محمد زینب بنت علیؑ)	رباط	رقہ	روس
رے	زاب	زیلٹن	سالونیک	سامرہ
سدہ	سعودیہ	سمرقند	سمہود	سنگاپور
سوڈان	سوسہ	شام	جزیرہ نمائے عرب	مشرقی اسلامی

شوش　صحراءطبس　صحرائے مغرب　صفین　صنحاء
چین　کنارفرات　طائف　جراستان　طرابلس
طرابلس شام　طف (کربلا)　تہران　عراق　عقلان
عین الوردہ　غاضریہ (کربلا)　غرنہ　عزی　فارس
فرات　فرانس　فلسطین　ویانا　قاہرہ
قدس (بیت المقدس)　قزوین　قسطنطنیہ　قطر　قفقاز (کوہ قاف)
قم　قونیہ　قیروان　کاشان　کاظمین
کربلا　کرخ　کرکوک　کرمان　کرونل
کیمبرج　کوت　کوفہ　کویت　لاہور
لبنان　لکھنو　لندن　لیبیا　لیورڈیول
مالی　مانچسٹر　ماہان　ماوراءالنہرین　مدائن
مدینہ منورہ　مراکش　مسجد　کوفہ　مسکن
مسیب　مشہد　مصر　مغرب (مراکش)　سین کیانگ
مکہ معظمہ　ممفس (امریکہ)　مملکت عربیہ سعودیہ　مناذرہ　منتسر
منگولیا　موصل　میلان　نجد　نجف اشرف
آسٹریا　نہرتاجیہ　نہرخزر　نہردجلہ　نہردجیل
نہرفرات　نہرمسیسپی　نیل　نینوا　نیونو
ہرات　ہندوستان　ہالینڈ　وابکنہ　جاپان
ریاستہائے متحدہ امریکہ　یثرب　یزد　یمن

تصنیفات وتالیفات کی فہرست

جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مولف	تاریخ	مطبعہ
۱۔	آثار المدینة المنورة	عبدالقدوس انصاری	۱۴۰۳ھ	سلفیہ مدینہ سعودی عرب
۲۔	الاحتلال البریطانی والصحافة العراقیہ	ہادی آل طعمہ	۱۹۱۴ء۔۱۹۲۱ء۔۱۴۰۵۔۱۹۸۴ء	دارالحریۃ بغداد عراق
۳۔	اخبار الدولة وآثار الاول	احمد بن یوسف قرمانی	۱۰۱۹ھ	
۴۔	اخبار مدینة الرسولؐ	محمد بن محمود النجار	۶۴۳ھ	مطابع دارالثقافة۔مکہ مکرمہ
۵۔	ادب الاول المتابعة	عمر بن موسیٰ پاشا	۱۵ھ	دارالفکر الحدیث بیروت لبنان
۶۔	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ	مطبعہ سلفیہ۔قاہرہ۔مصر
۷۔	اربعة قرون من تاریخ العراق الحدیث	سٹیش ہمسیلی لونگریک	۱۴ صدی ہجری	منشورات شریف رضی۔قم ایران
۸۔	اسد الغابہ ۱/۷	علی بن محمد جزری (ابن اثیر)	۶۳۰ھ	موسسة الشعب۔قاہرہ۔مصر
۹۔	اسرار الشہادة	آغا دربندی	۱۲۸۶ھ	منشورات اعلمی۔تہران ایران
۱۰۔	اضواء علی مدینة الحسین (قلمی)	محمد صادق محمد کرباسی	۱۵ صدی ہجری	
۱۱۔	اعلام الساجد باعلام المساجد	محمد بن عبداللہ زرکشی	۷۹۴ھ	المجلس الاعلی للشوون الاسلامیہ۔قاہرہ
۱۲۔	اقبال الاعمال	علی بن موسی بن جعفر بن طاؤس	۶۶۴ھ	دار کتب الاسلامیہ۔تہران ایران
۱۳۔	امالی صدوق	محمد بن علی صدوق قمی	۳۸۱ھ	انتشارات کتابچی۔تہران ایران
۱۴۔	امالی طوسی	محمد بن حسن طوسی	۴۶۰ھ	موسسة الوفاء۔بیروت۔لبنان
۱۵۔	امان الاخطار	علی بن موسی (ابن طاؤس) حسینی	۶۶۴ھ	موسسة آل بیت۔قم۔ایران
۱۶۔	انساب الاشراف	احمد بن یحیٰ بلاذری	۲۷۹ھ	موسسة اعلمی۔بیروت۔لبنان
۱۷۔	الانساب	عبدالکریم بن محمد سمعانی	۵۶۲ھ	دارالفکر۔بیروت۔لبنان
۱۸۔	انصار الحسینؑ	محمد بن مہدی بن عبدالکریم شمس الدین	۱۵ صدی ہجری	الدار الاسلامیة۔بیروت۔لبنان
۱۹۔	انہا فاطمة الزہراؑ	محمد عبدہ یمانی		دارالقبلہ۔جدہ۔سعودی عرب
۲۰۔	ایران وعراق	علی خان ہندی	۱۲۳۰ھ	

۲۱۔ بحارالانوار محمد باقر بن محمد تقی مجلسی ۱۱۱۱ھ موسسۃ الوفاء۔ بیروت۔ لبنان

۲۲۔ بیوت الصحابۃ حول المسجد النبوی، محمد الیاس بن عبدالغنی، پندرھویں صدی مرکز طیبۃ۔ مدینہ منورہ

۲۳۔ تاریخ ابوالفداء محمد الیاس بن عبدالغنی پندرھویں صدی ہجری مرکز طیبۃ۔ مدینہ منورہ

۲۴۔ تاریخ اجتماعی تہران جعفر شہری باف تیرہویں صدی ہجری

۲۵۔ تاریخ الامم والملوک محمد بن جریر طبری ۳۱۰ھ دارالکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ لبنان

۲۶۔ تاریخ جغرافیائے کربلا عمادالدین بن حسین اصفہانی

۲۷۔ تاریخ الحرکۃ الاسلامیۃ فی العراق عبدالحلیم بن امیر الرہیمی ۱۵صدی، الدارالعالمیۃ بیروت لبنان

۲۸۔ تاریخ الحرکۃ العلمیۃ فی کربلا، نورالدین بن محمد شاہرودی ۱۵صدی ہجری

۲۹۔ تاریخ الروضۃ الحسینیۃ المصورہ، عبدالحمید الخیاط ۱۵صدی ہجری دارالکشاف۔ بغداد۔ عراق

۳۰۔ تاریخ کاظمین عباس بن محمد فیض، ۱۴صدی ہجری، انتشارات۔ چاپخانہ قم ایران

۳۱۔ تاریخ کربلا وحائر الحسین عبدالجواد بن علی کلیدار طعمہ، ۱۳۷۹ھ المطبعۃ الحیدریۃ۔ النجف۔ عراق

۳۲۔ تاریخ مدینۃ الحسین

۳۳۔ تاریخ المسجد النبوی الشریف، محمد الیاس بن عبدالغنی، ۱۵صدی ہجری المجموعۃ الاعلامیۃ۔ مدینہ منورہ

۳۴۔ تاریخچہ کربلا محمد بن ابی تراب کرباسی حائری انتشارات اعلمی۔ تہران ایران

۳۵۔ تیمۃ منتہی الامال عباس بن محمد رضا قمی، ۱۳۵۹ھ مکتبۃ داودی قم ایران

۳۶۔ تحقیقات تاریخیۃ (قلمی) محمد صادق کرباسی حائری ۱۵ویں صدی ہجری

۳۷۔ تراث کربلا، سلمان بن ہادی آل طعمہ ۱۵ویں صدی ہجری موسسۃ الاعلمی بیروت لبنان

۳۸۔ ترجمۃ ریحانۃ الرسول المثل من تاریخ مدینۃ دمشق، محمد باقر محمودی، ۱۵صدی، مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیۃ

۳۹۔ تسلیۃ المجالس وزینۃ المجالس محمد بن ابی طالب حائری ۱۰ویں صدی ہجری موسسۃ المعارف الاسلامیہ قم

۴۰۔ التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دارالہجرۃ محمد بن احمد خزرجی ۷۴۱ھ

۴۱۔ تکملۃ عمدۃ الاخبار عباسی

۴۲۔ تہذیب الاحکام، محمد بن حسن طوسی ۴۶۰ھ دارصعب، دارالتعارف بیروت لبنان

۴۳۔ التوفیقات الالہامیہ محمد مختار پاشا ۱۳۱۵ھ الموسساۃ العربیۃ للدراسات والنشر بیروت لبنان

۴۴۔ ثورۃ الخامس عشرہ من شعبان عباس بن محمد کاظم مدرسی پندرویں صدی ہجری مرکز شباب المسلم۔ ڈالاس، امریکہ

۴۵۔ الثورۃ العراقیۃ الکبریٰ عبدالرزاق حسنی ۱۳۹۲ھ۔۱۹۷۲ء مطبعۃ العرفان۔صیدا۔لبنان
۴۶۔ اخبار ''الاخبار'' بغداد۔عراق
۴۷۔ اخبار ''الحیات'' لندن دولت مشترکہ
۴۸۔ اخبار ''الشرق الاوسط'' لندن دولت مشترکہ
۴۹۔ اخبار ''صدائے اسلام'' بغداد۔عراق
۵۰۔ اخبار ''عاشوراء'' تہران۔ایران
۵۱۔ اخبار ''العرب'' جان فلپ لندن دولت مشترکہ
۵۲۔ الحرکۃ الادبیہ المعاصرۃ فی کربلا صادق بن محمد رضا طعمہ ۱۵ویں صدی ہجری مطبعہ اہل البیت کربلا عراق
۵۳۔ الحسین حرکۃ تلد اخریٰ صادق بن محمد کرباسی ۱۵ویں صدی ہجری (قلمی)
۵۴۔ الحسین فی السنۃ (قلمی) صادق بن محمد کرباسی ۱۵ویں صدی ہجری (قلمی)
۵۵۔ الحسین والتشریع الاسلامی صادق بن محمد کرباسی ۱۵ویں صدی ہجری (قلمی)
۵۶۔ حلیۃ الاولیاء احمد بن عبداللہ اصفہانی (ابونعیم) ۴۳۰ھ مطبعۃ السعادۃ۔قاہرہ۔مصر
۵۷۔ حیاۃ الامام الحسن، باقر بن شریف قریشی ۱۵ویں صدی ہجری مؤسسہ الوفاء بیروت لبنان
۵۸۔ خطط الشام، محمد کرد علی ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۶۹ء دارالعلم للملایین۔بیروت۔لبنان
۵۹۔ خطط المقریزی مطبعۃ المعہد الفرنسی الشرقی۔قاہرہ مصر
۶۰۔ خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، علی بن احمد سمہودی ۹۱۱ھ المکتبہ العلمیۃ۔بیروت۔لبنان
۶۱۔ دائرہ المعارف اسلامیۃ الشیعہ، حسن بن محسن امین ۱۵ویں صدی ہجری دارالتعارف۔بیروت
۶۲۔ دائرۃ المعارف القرآن العشرین، محمد فرید بن مصطفیٰ وجدی ۱۵ویں صدی ہجری دارالفکر، بیروت
۶۳۔ الدر الثمین فی معالم دار الرسول امین غالی بن محمد امین شنقیطی دارالقبلہ۔جدہ سعودی عرب۔و۔
مؤسسۃ علوم القران بیروت لبنان
۶۴۔ الدر المنثور ۱/۶ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ۹۱۰ھ المکتبہ الاسلامیۃ۔تہران، ایران
۶۵۔ دور الشیعہ فی تطور العراق السیاسی الحدیث عبداللہ بن فہد نفیسی ۱۵ویں صدی دارالنہار للنشر۔بیروت
۶۶۔ دیوان الامام الحسینؑ محمد صادق بن کرباسی ۱۵صدی ہجری قلمی
۶۷۔ دیوان القرن الثالث محمد صادق بن محمد کرباسی ۱۵صدی ہجری المرکز الحسینی للدراسات۔لندن

۶۸۔ رحلہ ابن بطوطہ   محمد بن محمد بن عبداللہ طنجی   ۷۷۹ھ   دارالاندلس۔بیروت

۶۹۔ رحلہ ابن جبیر   محمد بن احمد اندلسی   ۶۱۴ھ

۷۰۔ رحلہ جون اشتر   جان اشر برطانوی   ۱۲۵۲ھ   لندن۔دولت مشترکہ

۷۱۔ الرحلۃ الحجازیۃ   محمد بن لبیب تبنونی   ۱۳۵۷ھ   مکتبہ الثقافۃ الدینیۃ۔قاہرہ۔مصر

۷۲ رحلہ عراقیہ چودہ شماروں پر مشتمل مجلہ الموسم محمد ہارون زنگی پوری ۱۴۳۳ھ ہجر لینڈ۔ہالینڈ

۷۳۔ رحلۃ نیبور   نیبور جرمن نژاد   ۱۲۳۱ھ

۷۴۔ الرسائل   محمد بن عباس خوارزمی   ۳۹۳ھ

۷۵۔ الروضہ الفردوسیہ   محمد بن احمد اقشہری   ۷۳۹ھ

۷۶۔ الزخارف الجدرانیہ   خالد بن خلیل حموی

۷۷۔ الزیارات الحسینیہ   محمد صادق بن محمد کرباسی   ۱۵ صدی ہجری   قلمی

۷۸۔ السرائر   محمد بن منصور بن احمد حلی،   ۵۹۷ھ   موسسۃ نشر اسلامی۔قم۔ایران

۷۹۔ السفر المطیب   علی بن قسام   مطبعۃ الآداب نجف اشرف عراق۔

۸۰۔ سفرنامہ   حسین فراہانی   چودھویں صدی ہجری

۸۱۔ سفیر الحسین عبدالواحد بن احمد مظفر   چودھویں صدی ہجری   موسسۃ آل البیت قم ایران

۸۲۔ سلاسل الذہب محمد صادق بن حسن بحرالعلوم   چودھویں صدی ہجری قلمی

۸۳۔ السنن الکبریٰ   احمد بن حسین بیہقی   مجلس دائرۃ المعارف نظامیۃ حیدرآباد دکن ہندوستان

۸۴۔ السیرۃ النبویہ ،عبدالملک بن ہشام بن ایوب حمیری بصری ۲۱۸ھ، داراحیاء التراث العربی بیروت۔

۸۵۔ شبہات وردود محمد صادق بن محمد کرباسی   پندرھویں صدی ہجری قلمی

۸۶۔ شرح الشافیہ محمد بن امیر الحاج الحسینی   ۱۱۸۳ھ

۸۷۔ الشعائر الحسینیہ تاریخا مقوماتہا، محمد صادق بن محمد کرباسی   پندرہویں صدی ہجری

۸۸۔ الشعر الشرقی والغربی (قلمی) محمد صادق بن محمد کرباسی   پندرھویں صدی ہجری

۸۹۔ شہر حسین   محمد باقر بن عبدالحسین مدرس   پندرھویں صدی ہجری   انتشارات جہان تہران ایران

۹۰۔ الشہید مسلم بن عقیل   عبدالرزاق بن محمد مقرم، ۱۳۹۱ھ   مکتبۃ الالفین۔کویت

۹۱۔ شیعۃ الہند   جون ہالیسٹر

۹۲۔ الشیعۃ والدولۃ القومیۃ فی العراق، حسن علوی، پندرھویں صدی ہجری، دارالزوراءلندن۔مملکۃ متحدہ

۹۳۔ الشیعۃ وفتحہا الدول النسطوریۃ فی آسیاالوسطی ابلاشہ فرانسیسی ترجمہ عبداجواد بن علی کلیدار

۹۴۔ اخبار ''ایران'' تہران ایران

۹۵۔ اخبار ''بدر'' تہران ایران

۹۶۔ اخبار ''البدیل الاسلامی'' دمشق شام

۹۷۔ اخبار ''بغداد'' لندن دولت مشترکہ

۹۸۔ اخبار ''رضا کار''

۹۹۔ اخبار ''الشاہد'' اردو لندن مملکۃ متحدہ

۱۰۰۔ اخبار ''العہد'' بیروت لبنان

۱۰۱۔ صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی ۵۹۷ھ دارالوعی۔حلب، شام

۱۰۲۔ الطبقات الکبریٰ محمد بن سعد واقدی ۲۰۷ھ دارصادر بیروت، لبنان

۱۰۳۔ العامل السیاسی لنہضۃ الحسین (قلمی) محمد صادق بن محمد کرباسی پندرھویں صدی ہجری

۱۰۴۔ العدد القویۃ لدفع المخاوف الیومیۃ (بحارالانوار کے ضمن میں) علی بن یوسف حلی ساتویں صدی مؤسسہ الوفاء بیروت لبنان

۱۰۵۔ عذاب بلانہایۃ عبدالصاحب الحکیم پندرھویں صدی ہجری، موسسہ المنار، لندن،

۱۰۶۔ العراق حنابطاطو موسسۃ الابحاث العربیۃ بیروت لبنان

۱۰۷۔ العراق دارسۃ فی تطورہ السیاسی فلپ ایرلینڈ

۱۰۸۔ العراق قدیماوحدیثاً عبدالرزاق الحسنی مطبعہ اسعد۔بغداد، عراق

۱۰۹۔ عمارۃ المسجد رؤوف بن محمد علی انصاری، پندرھویں صدی ہجری، دارالنبوغ، بیروت،

۱۱۰۔ عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار احمد بن عبدالحمید عباسی سویں صدی ہجری المکتبۃ العلمیۃ المدینہ سعودی

۱۱۱۔ عیون اخبار الرضا محمد بن علی قمی (صدوق) ۳۸۱ھ موسسۃ الاعلمی بیروت لبنانا

۱۱۲۔ فاطمۃ الزہرا من المہد الی اللحد، محمد کاظم بن محمد ابراہیم قزوینی ۱۴۱۵ھ موسسہ الوفاء بیروت لبنان

۱۱۳۔ الغدیر عبدالحسین بن احمد امینی، ۱۳۹۰ھ دارالکتب العربی بیروت لبنان

۱۱۴۔ فتح الباری احمد بن حجر العسقلانی مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ قاہرہ مصر

۱۱۵۔ فتوح البلدان احمد بن یحییٰ بلاذری ۲۷۹ھ دارومکتبۃ الہلال، بیروت لبنان

نمبر	کتاب	مصنف	سن	ناشر
۱۱۶۔	فرائد السمطین	ابراہیم بن محمد حموینی	۷۲۲ھ	مطبعہ النعمان نجف اشرف۔عراق
۱۱۷۔	فرحۃ الغری عبدالکریم بن احمد حلی (ابن طاؤوس)		۶۹۳ھ	المطبعہ الحیدریۃ النجف عراق
۱۱۸۔	فضائل الخمسۃ من الصحاح ستہ	مرتضی فیروز آبادی		موسسہ الاعلمی بیروت لبنان
۱۱۹۔	فضل زیارۃ الحسین	محمد بن علی شجری	۴۴۵ھ	مکتبہ المرعشی قم ایران
۱۲۰۔	فقہ النہضۃ الحسینیۃ	محمد صادق بن محمد کرباسی	پندرھویں صدی ہجری	
۱۲۱۔	الفن الاسلامی	آرنسٹ کونیل ترجمہ احمد موسیٰ،	پندرھویں صدی ہجری	دار صادر بیروت
۱۲۲۔	فنون الشرق فی العصور الاسلامیۃ	نعمۃ بن اسماعیل علام		
۱۲۳۔	فوات الوفیات	محمد بن شاکر کتبی	۷۶۴ھ	دار صادر بیروت لبنان
۱۲۴۔	فی ظلال الحسین معاجز و کرامات	محمد صادق بن محمد کرباسی	پندرھویں صدی ہجری	قلمی
۱۲۵۔	قالوا فی الحسین (قلمی)	محمد صادق بن محمد کرباسی	پندرھویں صدی ہجری	
۱۲۶۔	قاموس المحیط			دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان
۱۲۷۔	قاموس النھضۃ الحسینیۃ	محمد صادق بن محمد کرباسی	پندرہویں صدی	قلمی
۱۲۸۔	القرآن الکریم	کلام اللہ المجید		
۱۲۹۔	قمقام زخار	فرہاد بن عباس قاچار	۱۳۰۶ھ	المکتبہ الاسلامیۃ تہران ایران
۱۳۰۔	الکافی	محمد بن یعقوب کلینی ،	۳۳۰ھ	دار الاضواء بیروت لبنان
۱۳۱۔	کامل الزیارات	جعفر بن محمد (ابن قولویہ) قمی	۳۶۷ھ	المطبعۃ المرتضویہ نجف
۱۳۲۔	الکامل فی التاریخ	علی بن محمد جزری (ابن اثیر)	۶۳۰ھ	ادارہ طباعۃ المنیر یہ قاہرہ
۱۳۳۔	کربلاء فی الذاکرۃ	سلمان بن ہادی آل طعمہ	پندرھویں صدی ہجری	مطبعۃ العانی بغداد عراق
۱۳۴۔	کفایۃ الاثر	علی بن محمد خزار	چوتھی صدی ہجری	انتشارات بیدار قم ایران
۱۳۵۔	کنز العمال	علی بن حسام الدین ہندی	۹۷۵ھ	موسسۃ الرسالہ بیروت لبنان
۱۳۶۔	کنز المصائب	محمد صالح بن محمد برغانی	۱۲۸۳ھ	
۱۳۷۔	مجالی اللطف	محمد بن طاہر السماوی	۱۳۷۰ھ	مطبعۃ الغری نجف اشرف عراق
۱۳۸۔	رسالہ ''الایمان''	عبدالرسول بن نوروز قاری	پندرھویں صدی ہجری	اوتاوا کینیڈا
۱۳۹۔	رسالہ ''التوفیق''			تہران ایران

۱۴۰۔ رسالہ ''الحوزہ'' قم ایران

۱۴۱۔ رسالہ ''الرابطہ الشرقیۃ'' قاہرہ مصر

۱۴۲۔ رسالہ ''الزہرا'' قاہرہ

۱۴۳۔ رسالہ ''الکلمۃ '' تہران ایران

۱۴۴۔ رسالہ ''لغت العرب'' انستاس ماری بن میخائیل الکرملی ۱۳۶۶ھ تہران ایران

۱۴۵۔ رسالہ ''الموجز'' تہران ایران

۱۴۶۔ رسالہ ''الموسم'' محمد سعید بن کاظم طریحی پندرہویں صدی ہجری ہالینڈ

۱۴۷۔ مجمع الزوائد علی بن ابی بکر ہیثمی ۸۰۷ھ مکتبہ جام الدین القدسی قاہرہ مصر

۱۴۸۔ مختصر تاریخ العرب سید امیر علی ۱۳۴۷ھ دار العلم للملایین بیروت لبنان

۱۴۹۔ مدینۃ الحسین محمد حسن بن مصطفیٰ کلیدار ۱۴۱۷ھ مطبعہ اہل بیت کربلا عراق

۱۵۰۔ مدینہ شناسی محمد باقر نجفی پندرہویں صدی ہجری کولن جرمنی

۱۵۱۔ المدینۃ المنورۃ تطورہا العمرانی وتراثہا المعماری صالح بن لمعی مصطفیٰ دار النہضۃ بیروت لبنان

۱۵۲۔ مرآۃ الحرمین ابراہیم بن رفعت مکتبہ ثقافت دینیہ مصر

۱۵۳۔ مراقد الائمۃ والاولیاء فی سامراء ۱۴۱۱ھ یونس بن ابراہیم سامرائی

۱۵۴۔ مراقد المعارف محمد بن علی حرز الدین ۱۳۴۵ھ انتشارات سعید بن جبیر قم ایران

۱۵۵۔ مروج الذہب علی بن الحسین مسعودی ۳۴۶ھ دار الہجرت قم ایران

۱۵۶۔ المزار محمد بن محمد عکبری المفید ۴۱۳ھ

۱۵۷۔ المزار الکبیر (ضمن بحار الانوار) محمد بن جعفر مشہدی حائری چھٹی صدی، موسسۃ الوفاء بیروت لبنان

۱۵۸۔ المساجد فی الاسلام طہ بن الولی ۷۴۹ھ دار العلم للملایین بیروت لبنان

۱۵۹۔ مسالک الابصار فی ممالک الانصار احمد بن یحیٰ عمری ۷۴۹ھ

۱۶۰۔ مستدرک وسائل الشیعۃ حسین بن محمد تقی نوری موسسۃ آل البیتؑ بیروت لبنان

۱۶۱۔ المسند احمد بن حنبل شیبانی ۲۴۱ھ المطبعہ المیمنیۃ القاہرہ۔ مصر

۱۶۲۔ مشاہد العترۃ الطاہرۃ عبد الرزاق بن حسن کمونہ ۱۳۹۰ھ موسسۃ البلاغ بیروت لبنان

۱۶۳۔ مشکوٰۃ الادب عباس قلی بن محمد تقی سپہر کاشانی ۱۳۴۱ھ

۱۶۴۔	المعارف الاسلامیۃ			
۱۶۵۔	معالی السبطین،	محمد مہدی بن عبدالہادی مازندرانی حائری	۱۳۸۶ھ	موسسۃ النعمان بیروت لبنان
۱۶۶۔	معجم الانصار (قلمی)	محمد صادق بن محمد کرباسی،	پندرھویں صدی ہجری	
۱۶۷۔	معجم البلدان	یاقوت بن عبداللہ الحموی	۶۲۶ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان
۱۶۸۔	معجم الشعراء	محمد صادق بن محمد کرباسی	پندرھویں صدی ہجری	
۱۶۹۔	معجم المصنفات الحسینیہ	محمد صادق بن محمد کرباسی	پندرہویں صدی	المرکز الحسینی للدراسات لندن
۱۷۰۔	معجم من قاتل الحسین	محمد صادق بن محمد کرباسی	پندرہویں صدی ہجری	قلمی
۱۷۱۔	مفاتیح الجنان	عباس بن محمد رضا قمی	۱۳۵۹ھ	موسسۃ الوفا بیروت لبنان
۱۷۲۔	مقاتل الطالبیین	علی بن الحسین اصفہانی (ابوالفرج)	۳۵۶ھ	موسسۃ الاعلمی بیروت لبنان
۱۷۳۔	مقتل الحسین	موفق بن احمد خوارزمی	۵۶۸ھ	مکتبۃ المفید قم ایران
۱۷۴۔	مقتل الحسین	عبدالرزاق بن محمد مقرم	۱۳۹۱ھ	دارالکتب الاسلامی بیروت لبنان
۱۷۵۔	مقتل الحسین	محمد تقی بن حسن بحر العلوم	۱۳۹۳ھ	دارالزہرا بیروت لبنان
۱۷۶۔	المناسک	محمد جاسر	پندرھویں صدی ہجری	
۱۷۷۔	المناقب القدیم	من مصادر البحار	(قلمی)	
۱۷۸۔	المنتظم	عبدالرحمن بن علی جوزی	۵۹۷ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۱۷۹۔	منتہی الامال	عباس بن محمد رضا قمی	۱۳۵۹ھ	دارالہجرہ قم ایران
۱۸۰۔	منجد الاعلام ادباء کی ایک جماعت			
۱۸۱۔	موجز العمارۃ الاسلامیۃ	کریزویل		
۱۸۲۔	موسوعۃ العتبات المقدسۃ	جعفر الخلیلی		موسسۃ الاعلمی بیروت لبنان۔
۱۸۳۔	موسوعۃ العربیۃ المیسرۃ	محمد شفیق غربال		دارالاحیاء التراث العربی بیروت لبنان
۱۸۴۔	ناسخ التواریخ	محمد تقی سپہر کاشانی	۱۲۹۷ھ	المکتبہ الاسلامیۃ تہران ایران
۱۸۵۔	نزہۃ اہل الحرمین فی عمارۃ المشہدین،	حسن بن ہادی صدر کاظمی	۱۳۵۴ھ	مطبعۃ اہل البیت کربلا عراق۔
۱۸۶۔	نزہۃ الناظرین	جعفر بن اسماعیل المدنی برزنجی	۱۳۱۷ھ	مکتبۃ الرفاعی قاہرہ مصر
۱۸۷۔	النفحۃ العنبریۃ	حسین بن احمد براقی	۱۳۳۲ھ	

۱۸۸۔	نفس المہموم	عباس بن محمد رضا قمی	۱۳۵۹ھ	مکتبہ اسلامیہ تہران ایران
۱۸۹۔	نور العین فی المشی الی قبر الحسین، محمد حسن اصطہباناتی		پندرہویں صدی ہجری	مکتبۃ الصدوق تہران
۱۹۰۔	الہدایۃ الکبریٰ	حسین بن حمدان خصیبی جنبلائی	۳۵۸ھ	موسسۃ البلاغ بیروت۔لبنان
۱۹۱۔	الہدایۃ الکبریٰ	محمد بن حسن حر عاملی	۱۱۰۴ھ	موسسۃ آل البیت قم ایران
۱۹۲۔	وصف المدینۃ المورۃ	علی بن موسیٰ	۱۳۲۰ھ	دار الیمامۃ الریاض سعودی عرب
۱۹۳۔	الوفا باحوال المصطفیٰ	عبدالرحمٰن بن علی جوزی	۵۹۷ھ	الموسسۃ السعیدیۃ ریاض سعودی عرب
۱۹۴۔	وفاء الوفاء	علی بن عبداللہ سمہودی	۹۱۱ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان
۱۹۵۔	وفات الاعیان	احمد بن محمد اربلی (ابن خلکان)		دار صادت بیروت لبنان
۱۹۶۔	ومضات من تاریخ کربلا	سلمان بن ہادی آل طعمہ		پندرہویں صدی ہجری

تعمیری تنقید کی دعوت

یہ بات روز اول ہی سے ہر ایک پر عیاں ہے کہ کمال صرف ذات پروردگار جل جلالہ ہی کے لئے خاص ہے اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم ہر اس تعمیری تنقید کا خیر مقدم کریں گے جو ہمیں وصول ہوگی۔ اور اس بات کو ہم انشاء اللہ عملی طور پر ثابت کریں گے اور اسی مجموعہ کی آخری جلد میں جو خاتمہ کے نام سے موسوم ہوگی اور تقریظ وتنقید کے لئے مخصوص ہوگی موصول ہونے والی تمام تنقیدوں کو من وعن شائع کریں گے۔

دعوت ہمکاری

ہم ان تمام اہل دل حضرت کو دعوت دیتے ہیں جو علم اور ثقافت کے ساتھ دلچسپی رکھتے ہیں اور ان تمام صاحبان فضل و معرفت سے تعاون کے طلبگار ہیں جن کے پاس حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کسی قسم کی معلومات موجود ہیں تا کہ ہم اپنے اس مجموعہ ''دائرۃ المعارف الحسینیۃ'' میں ان اضافی معلومات کو درج کریں۔ کیونکہ اس مجموعہ میں ہر اس تحقیق اور ریسرچ کو شامل کیا جائے گا جو حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کی اور ان کے اصحاب وانصار کی مبارک تحریک سے تعلق رکھتی ہے۔

ازراہ کرم اپنی معلومات اور تحقیقات کو مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں۔

لاہور

دائرۃ المعارف الحسینیہؑ

ادارہ منہاج الحسینؑ

301ایچ III فیز II محمد علی جوہر ٹاؤن لاہور پاکستان

فون:042-5300432-5300400 فیکس : 042-5300430

ای میل .minhajulhussain@hotmail.com انٹرنیٹ: http://www.minhaj-ul-hussain.org

لندن

HUSSANIA ENCYCLOPEDIA P.O. BOX 925 - NW24PZ LONDON

FAX: 0181-2081140

اظہار تشکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب کی طباعت اور اشاعت جناب الحاج رمضان اصغر صاحب کے تعاون سے شکریہ کے ساتھ ان کی زوجہ مرحومہ محترمہ بلقیس رمضان صاحبہ کے ایصال ثواب اور یادگار کے طور پر عمل میں لائی گئی خداوند عالم مرحومہ کو اپنی وسیع رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے

THIS BOOK HAS BEEN PRINTED & PUBLISHED WITH THE HELP & SUPPORT OF JNAB ALHAJ RAMZAN ASGHAR FROM NEWPORT IN THE COMMEMORATION OF HIS WIFE THE LATE HAJJIA BILQES RAMZAN ALLAH BLESS HER SOUL & SHAWAR HER WITH HIS MERCY

IDARA MINHAJ-UL-HUSSAIN Reg.
LAHORE PAKISTAN.

آج بروز منگل بتاریخ ۳۰ ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۷ مارچ 2000ء بوقت ساڑھے دس بجے رات

بمقام جامعہ امام جعفر صادق علیہ السلام راجن پور

کتاب تاریخ مزارات کا ترجمہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

واناالاحقر

محمد علی فاضل پرنسپل جامعہ امام جعفر صادقؑ راجن پور

باب التصاویر
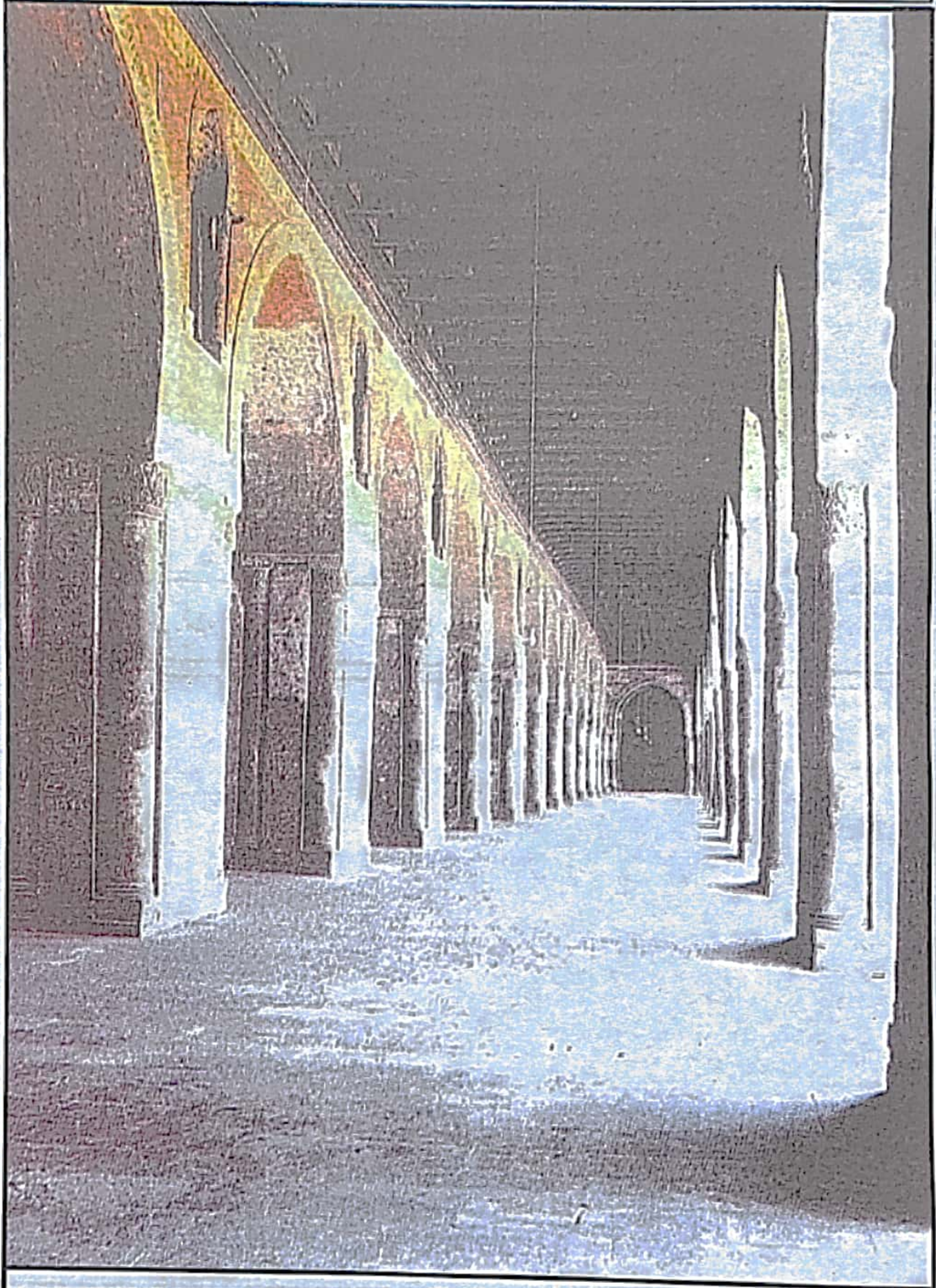
تصویر نمبر ۱(ا) قاہرہ میں مسجد ابن طولون کا رواق

تصویر نمبر۲ (۲)   تیونس کے شہر قیروان کی مسجد قیروان کے صحن کا ایک منظر

تصویر نمبر ۳۷ (۵)   الدار البیھاء مراکش میں مسجد شاہ حسن ثانی کا مینار

تصویر نمبر۳ (۳) استنبول ترکی کا گرجا۔ مسجد۔ عجائب گھر (ایا صوفیا)

تصویر نمبر۴ (۴) بیت المقدس فلسطین میں مسجد صخرہ کا گنبد
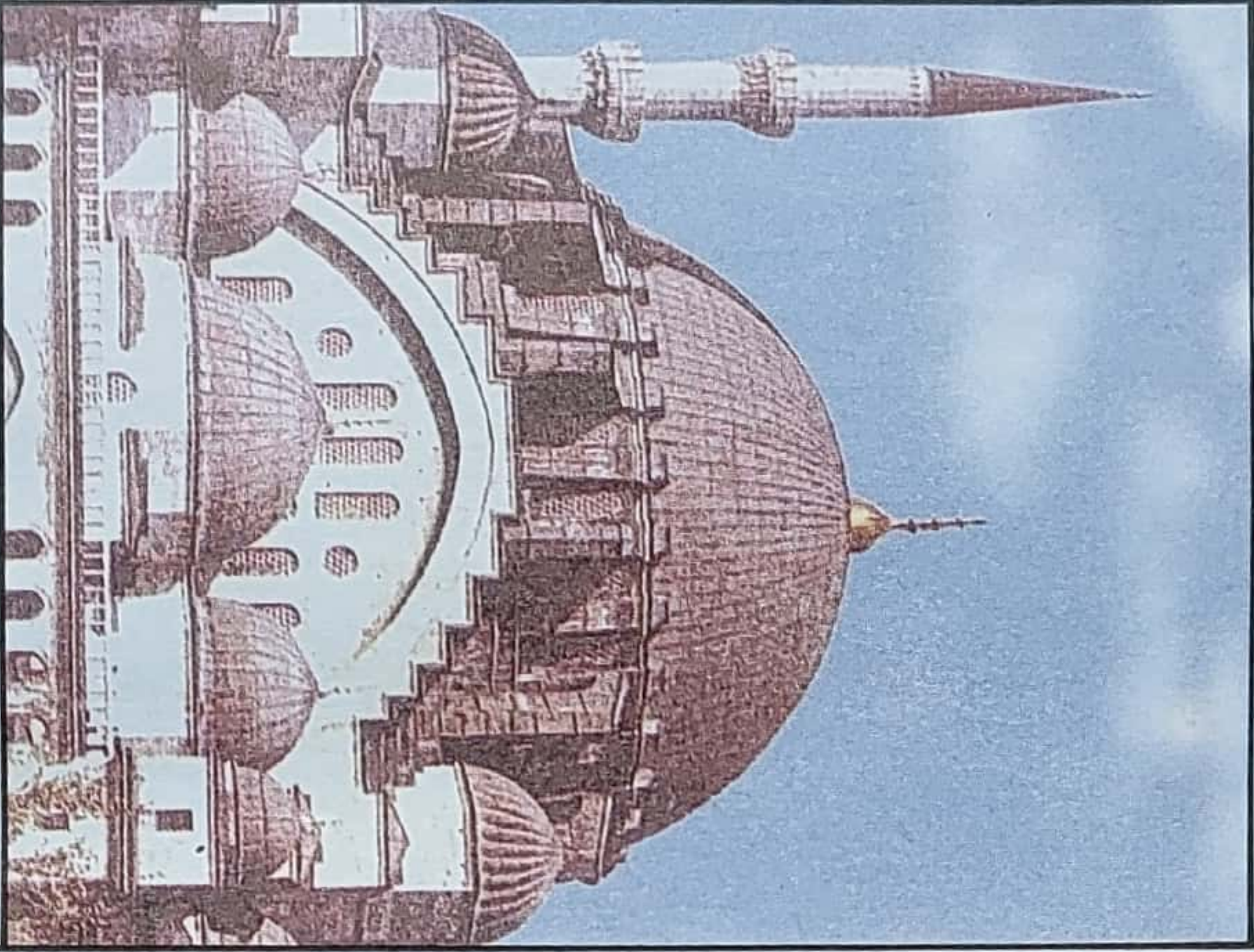
تصویر نمبر۵ (۵) استنبول۔ ترکی میں مسجد سلمانیہ کا گنبد

تصویر نمبر ۷ (۷) جنزور لیبیا میں مسجد زاویہ عمودہ کا گنبد
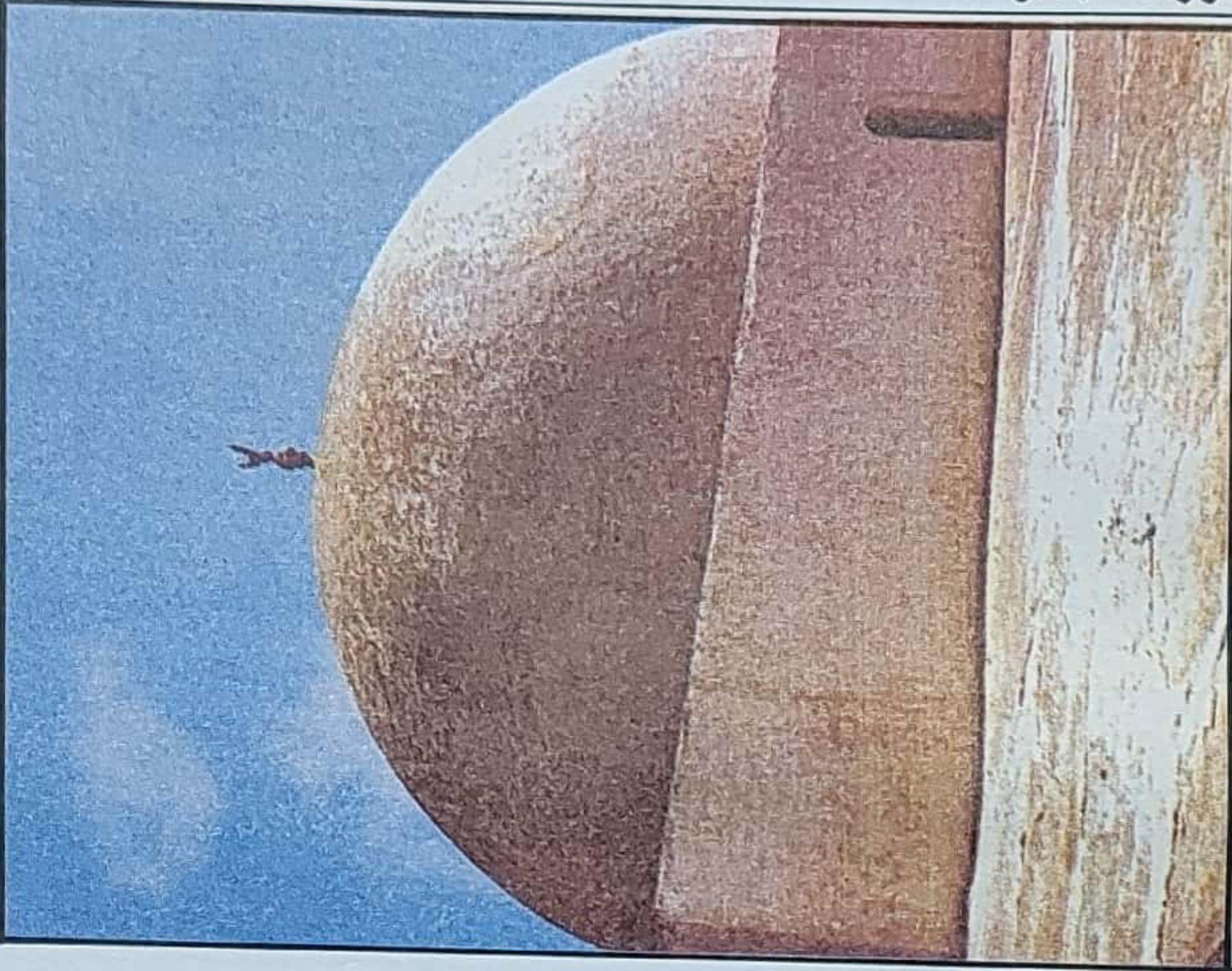
تصویر نمبر ۶ (۶) قاہرہ، مصر میں مسجد ابن طولون کا گنبد

تصویر نمبر ۸ (۸) سنگاپور میں مسجد سلطان کا گنبد
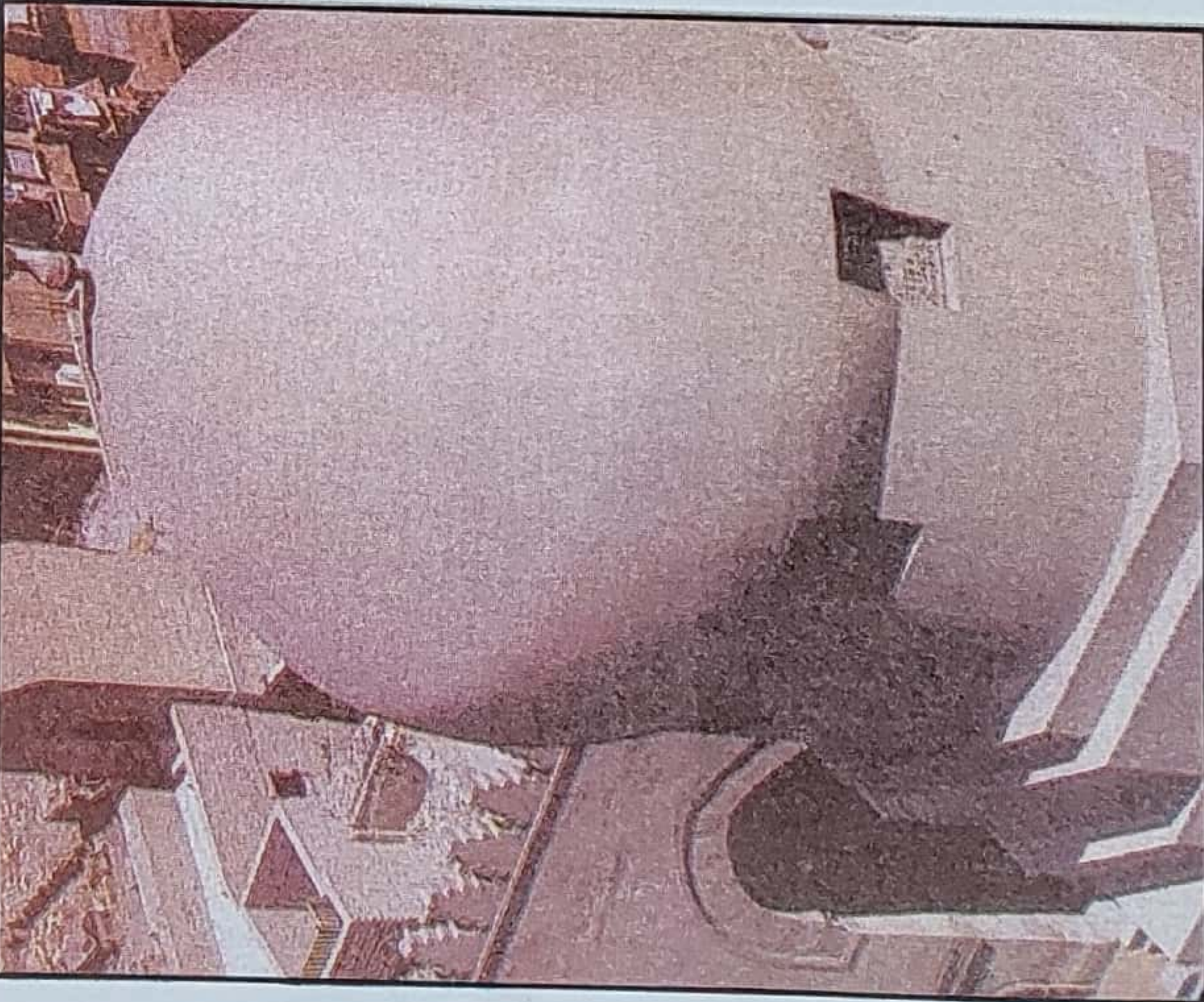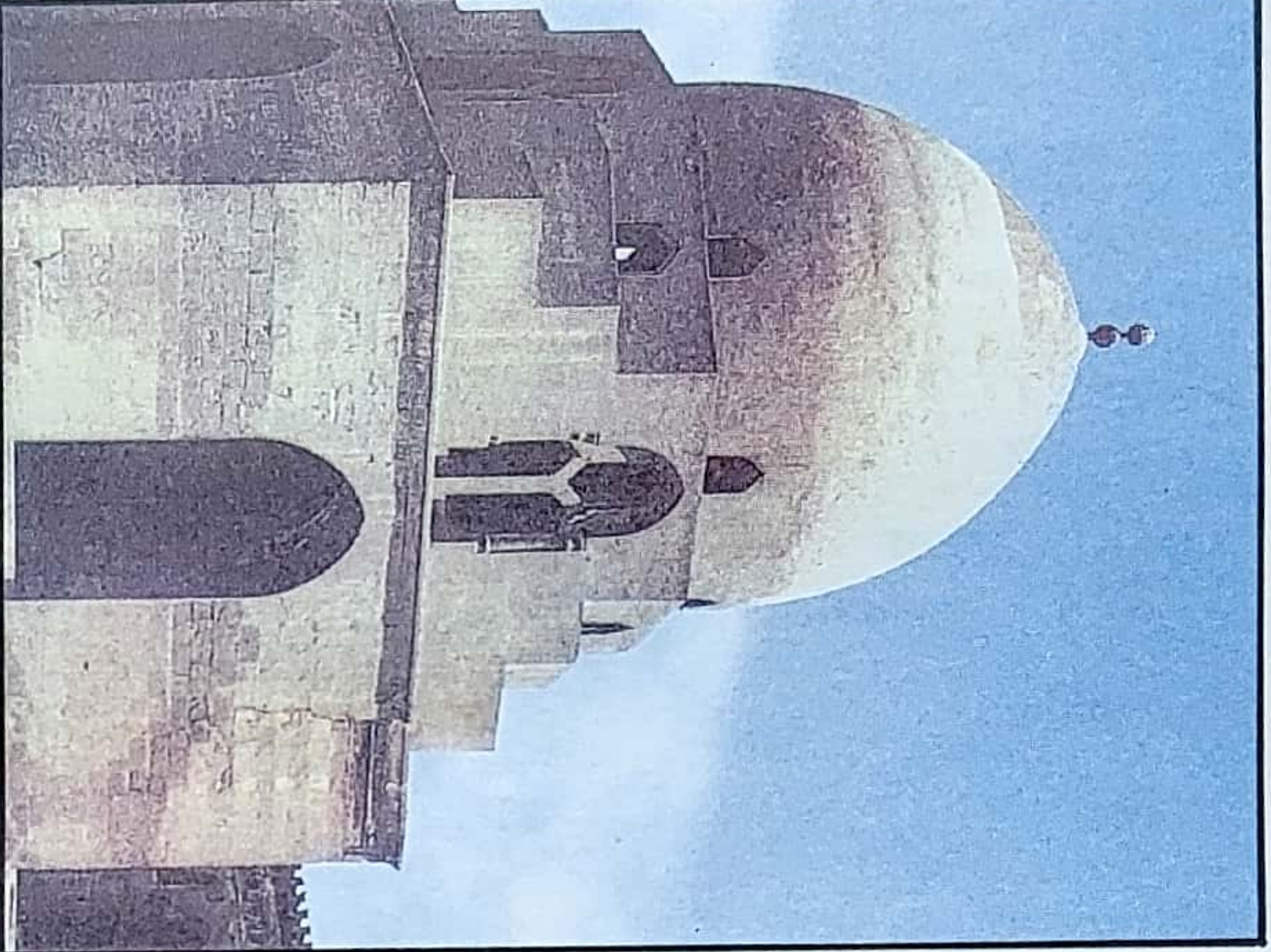
تصویر نمبر ۹ (۹) قاہرہ مصر میں مسجد ابن طولون کا گنبد برکت

تصویر نمبر ۱۱ (۱۱) قاہرہ مصر میں سلطان برقوق کی قبر کا گنبد
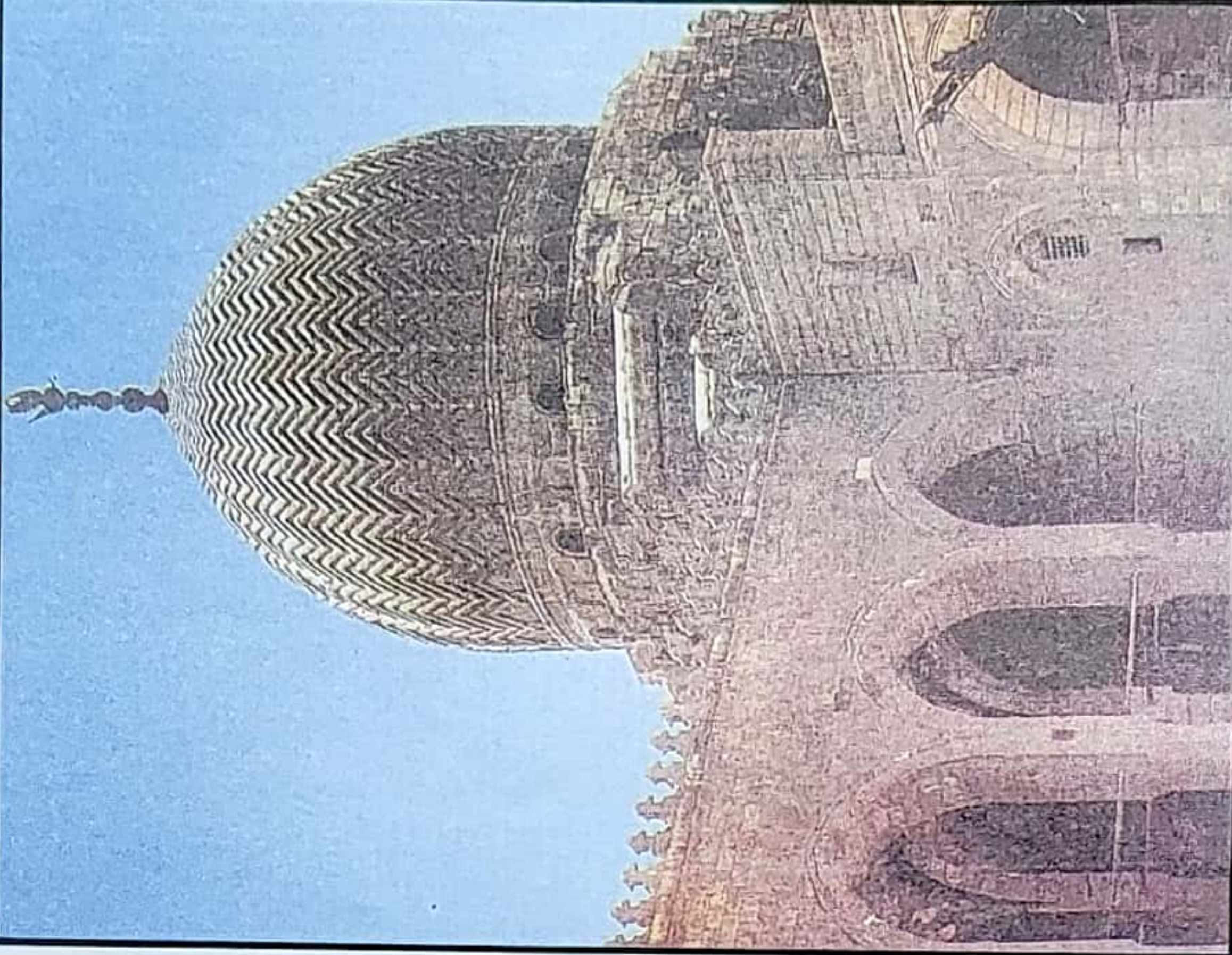
تصویر نمبر ۱۰ (۱۰) قاہرہ مصر میں مسجد سلطان قاتبای کا گنبد

تصویر نمبر ۱۲ (۱۲) ام درمان، سوڈان میں مسجد محمد احمد (مہدی) کا گنبد
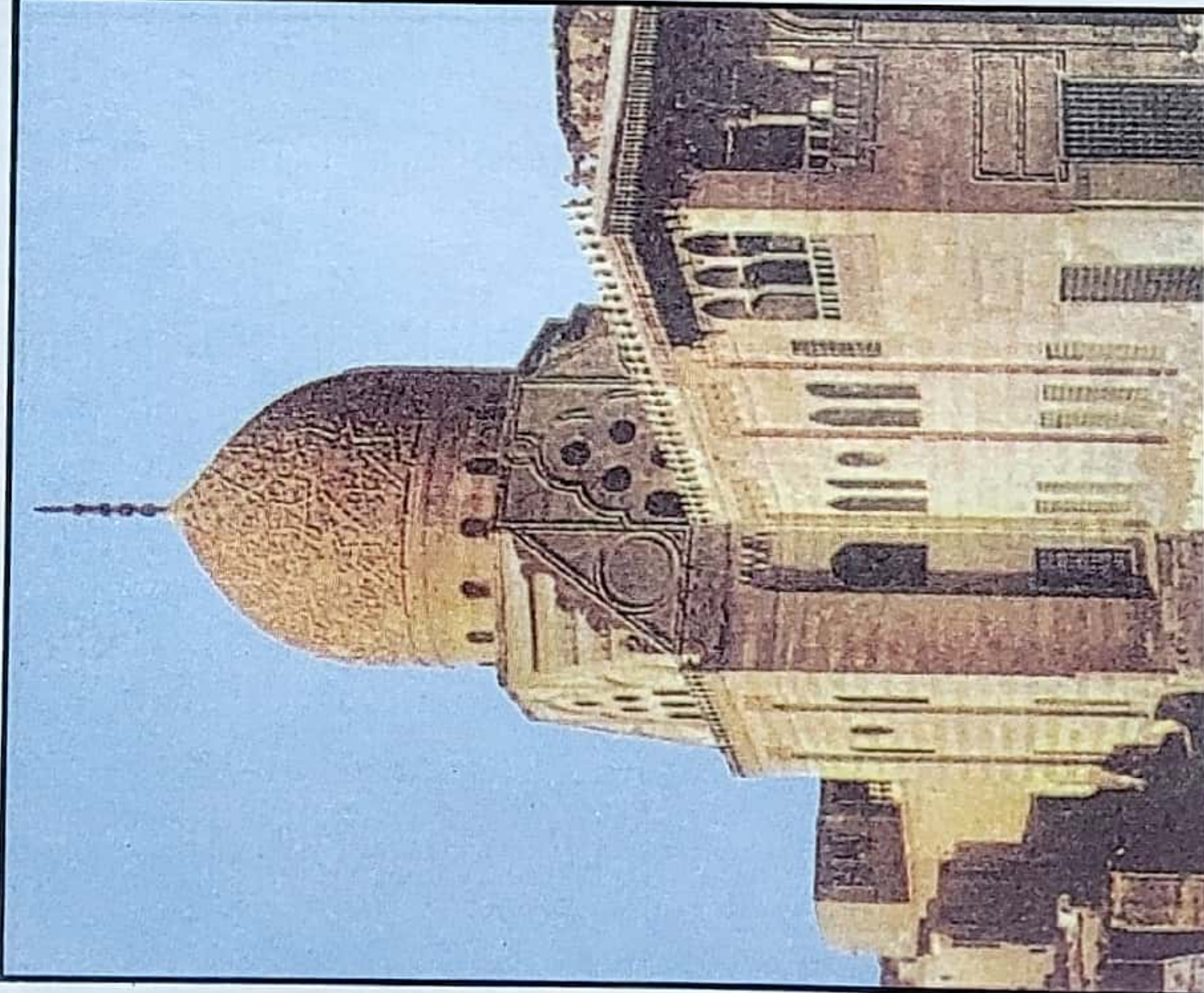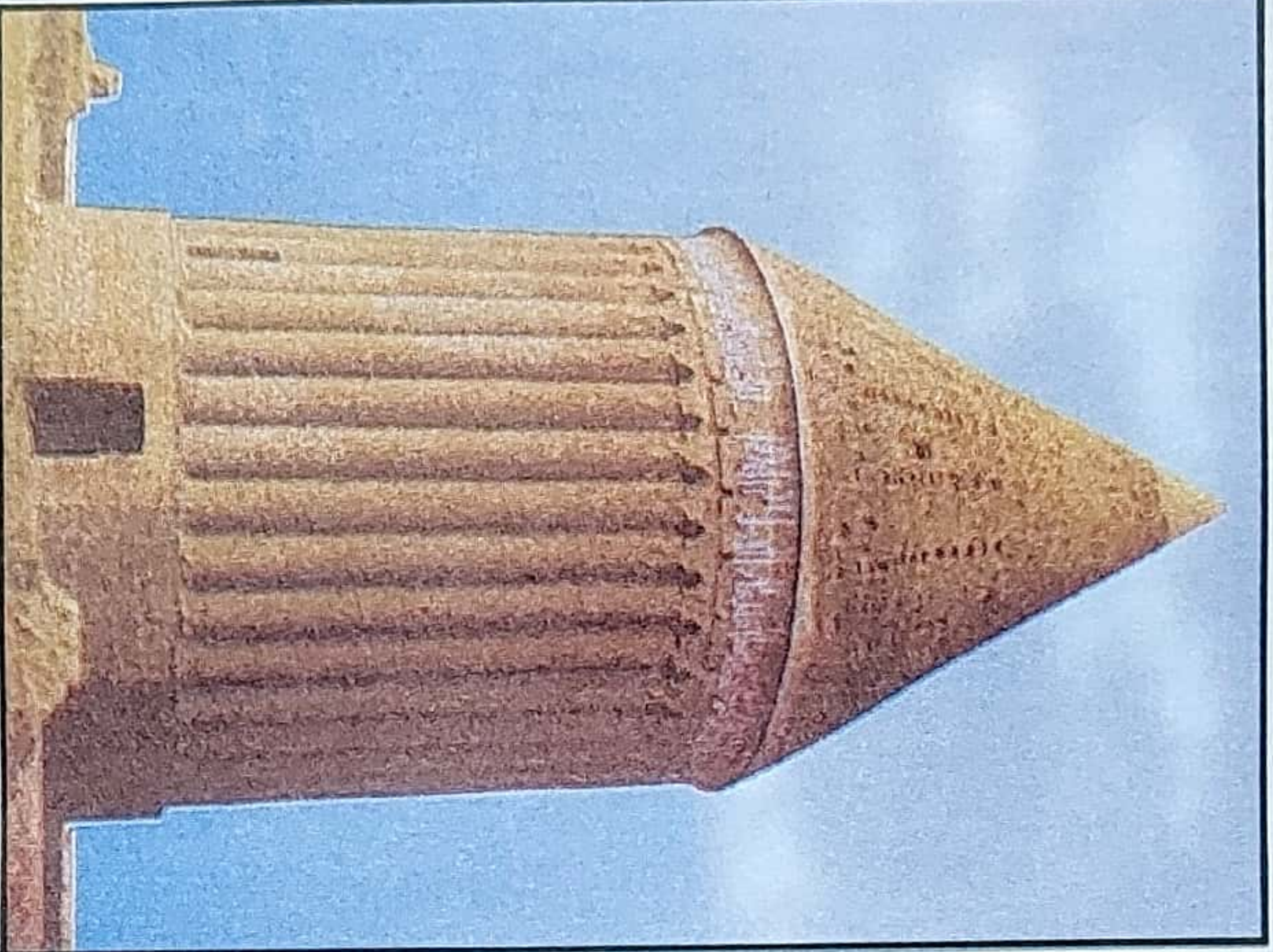
تصویر نمبر ۱۳ (۱۳) خراسان ایران میں رادکان کی قبر کا گنبد

تصویر نمبر۱۵ (۱۵) بغداد عراق میں عمر سہروردی کی قبر کا گنبد
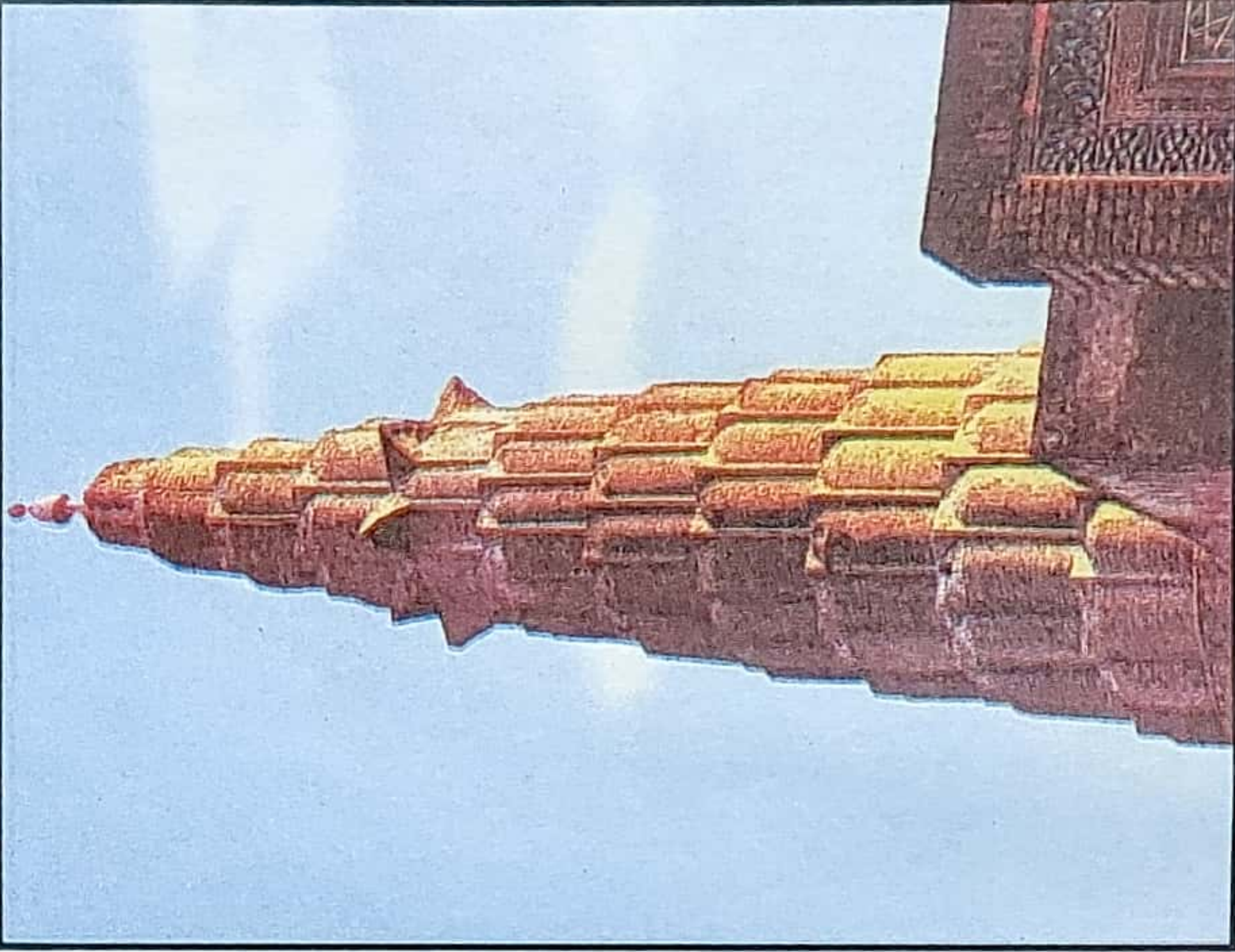
تصویر نمبر۱۴ (۱۴) شوش ایران میں مسجد حضرت دانیال کا گنبد

تصویر نمبر ۱۶ (۱۶) موصل عراق میں شریف عبدالرحمان حسینی کی قبر کا گنبد
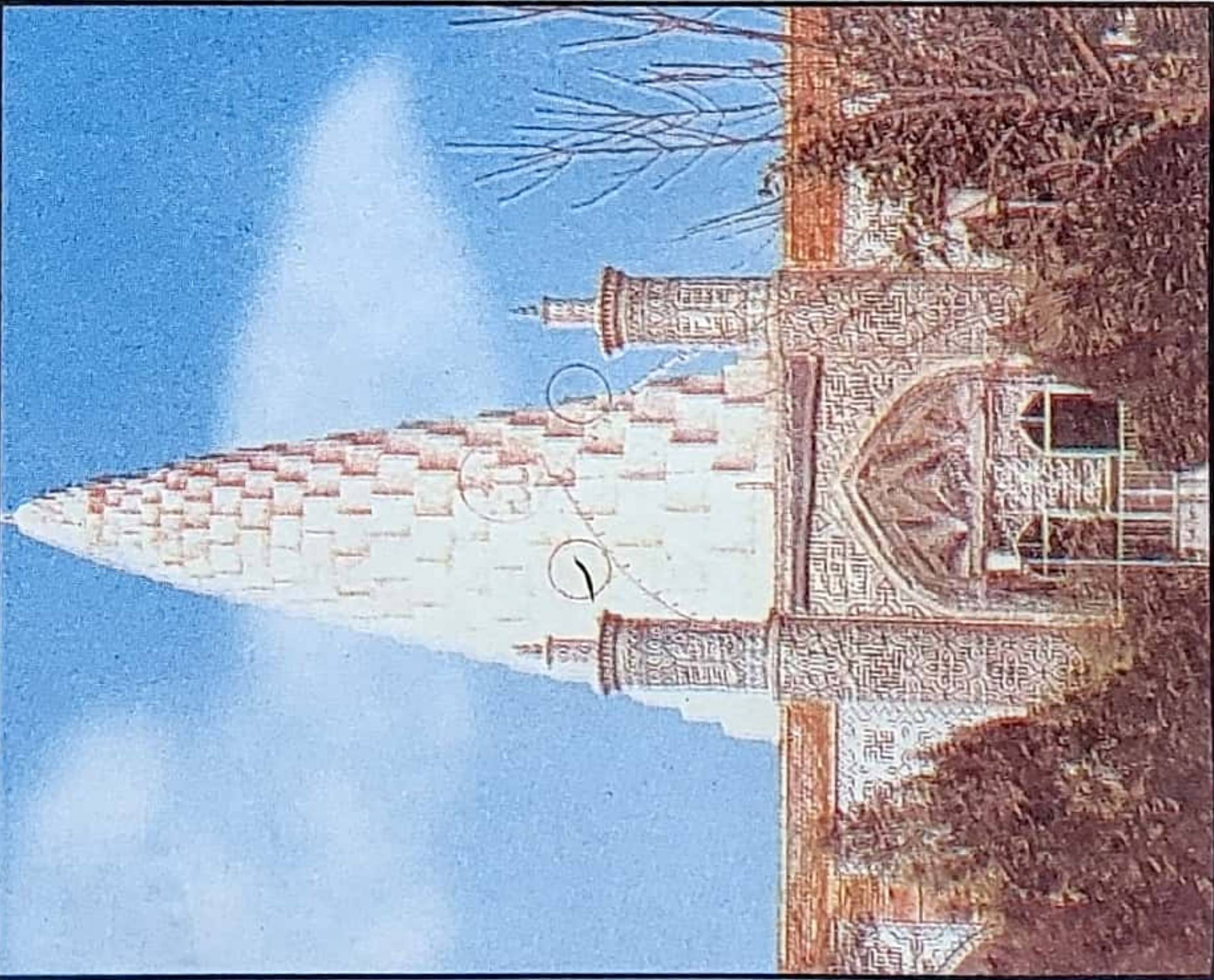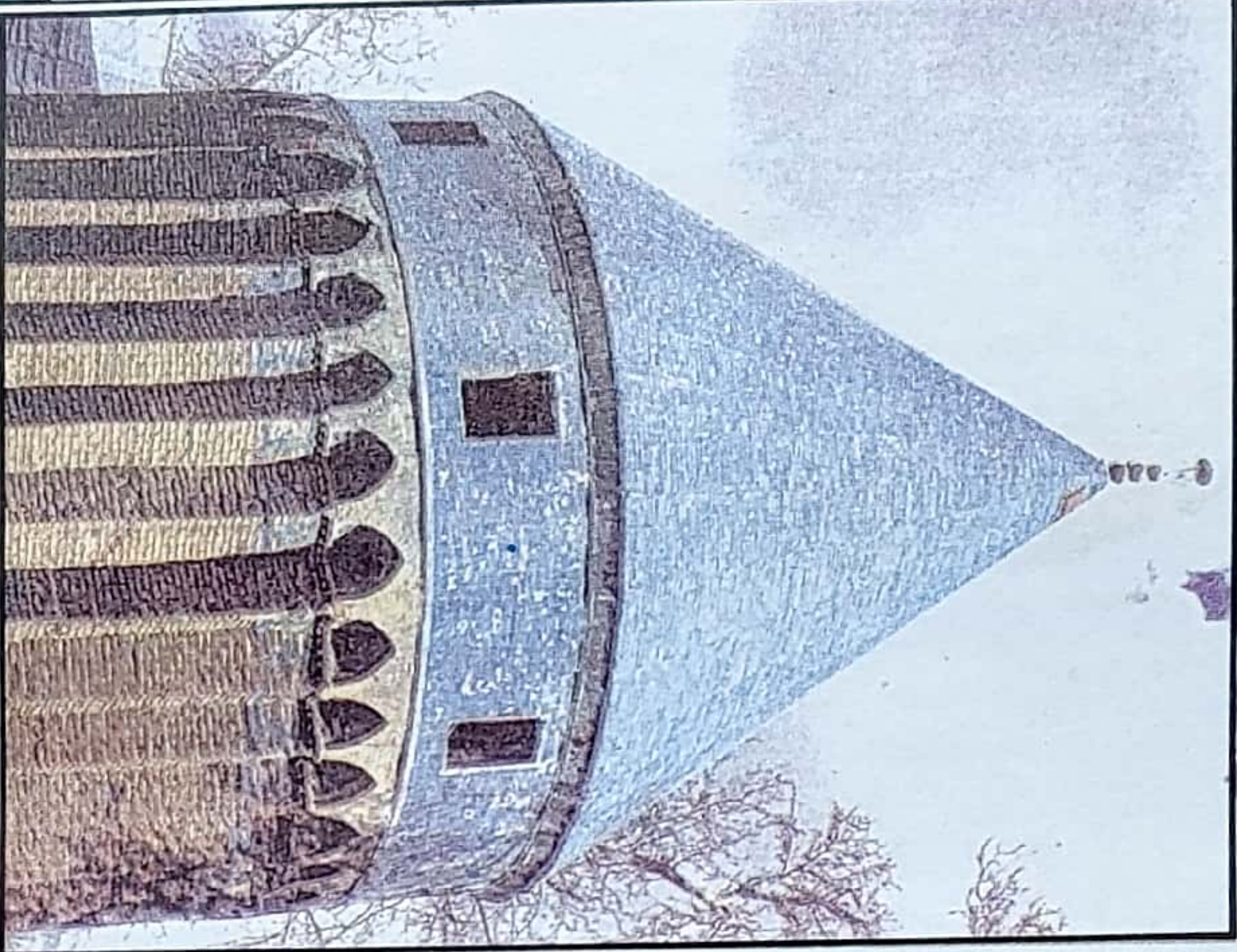
تصویر نمبر ۱۷ (۱۷) دماوند ایران میں شریف عبداللہ حسینی کے مزار کا گنبد

تصویر نمبر ۱۹ (۱۹) قاہرہ مصر میں اتمش بجاسی کی قبر کا گنبد
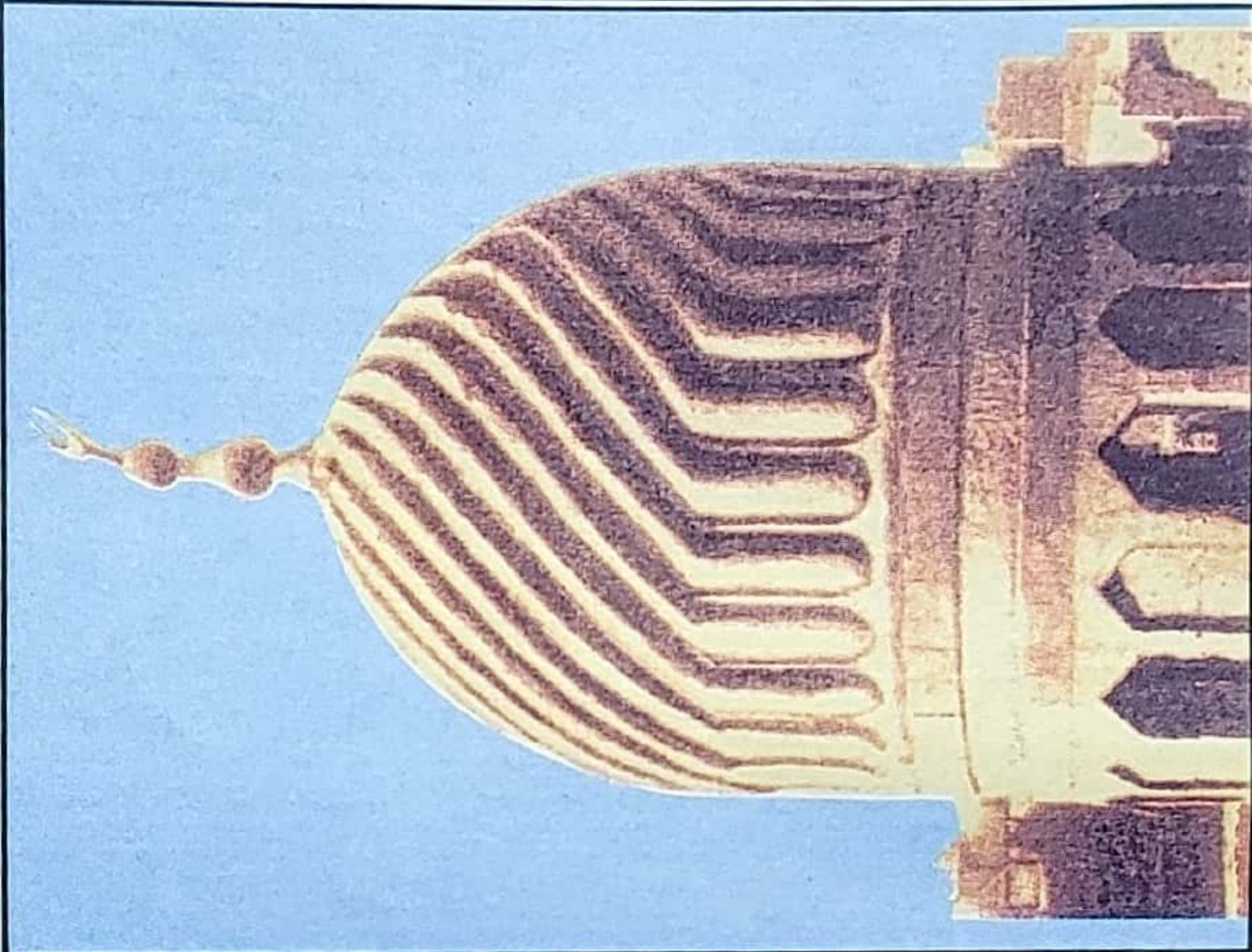
تصویر نمبر ۱۸ (۱۸) قاہرہ مصر میں الجای یوسفی کی قبر کا گنبد

تصویر نمبر ۲۰ (۲۰) سمرقند، ازبکستان میں سلطان تیمولنگ کی قبر کا گنبد
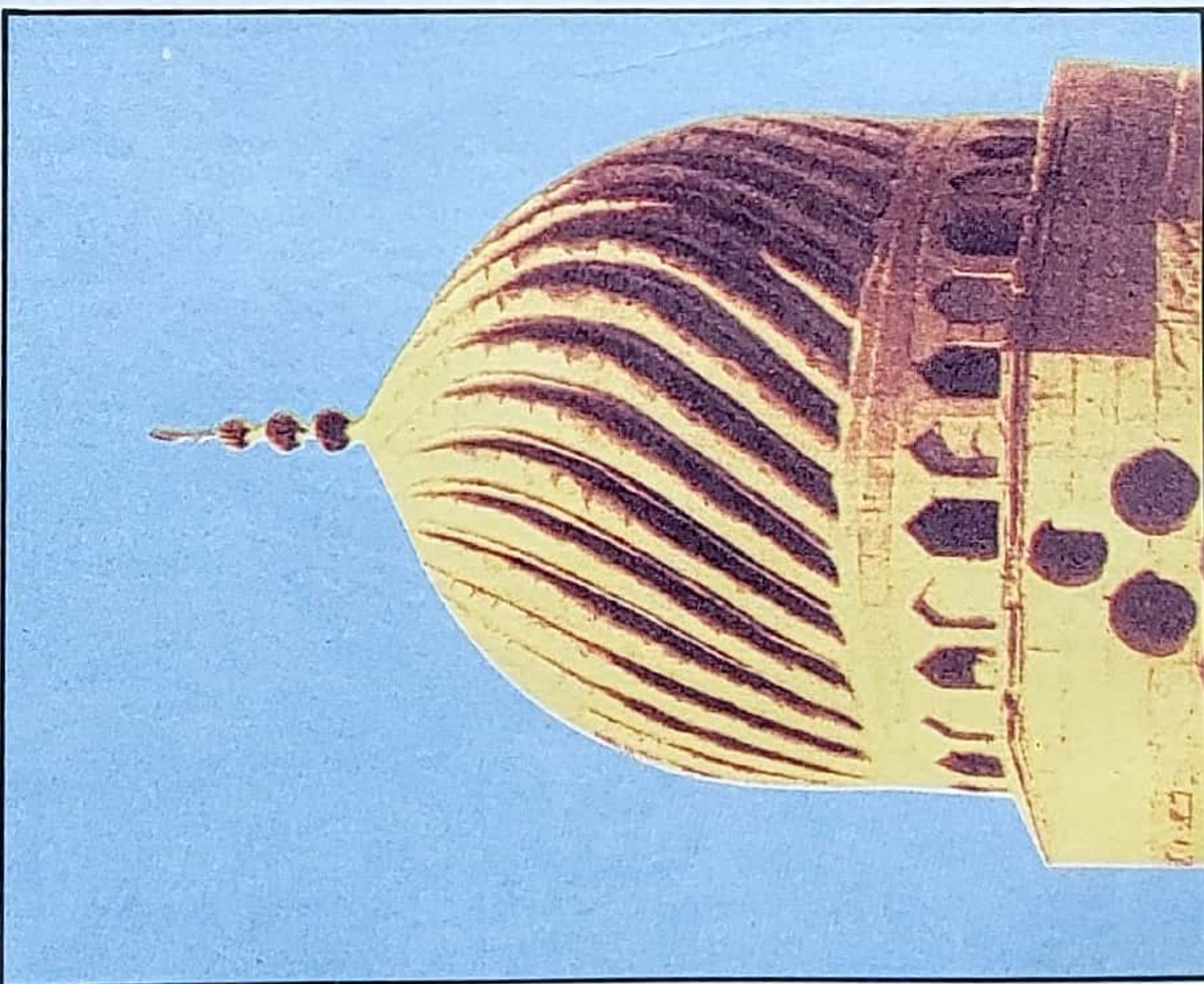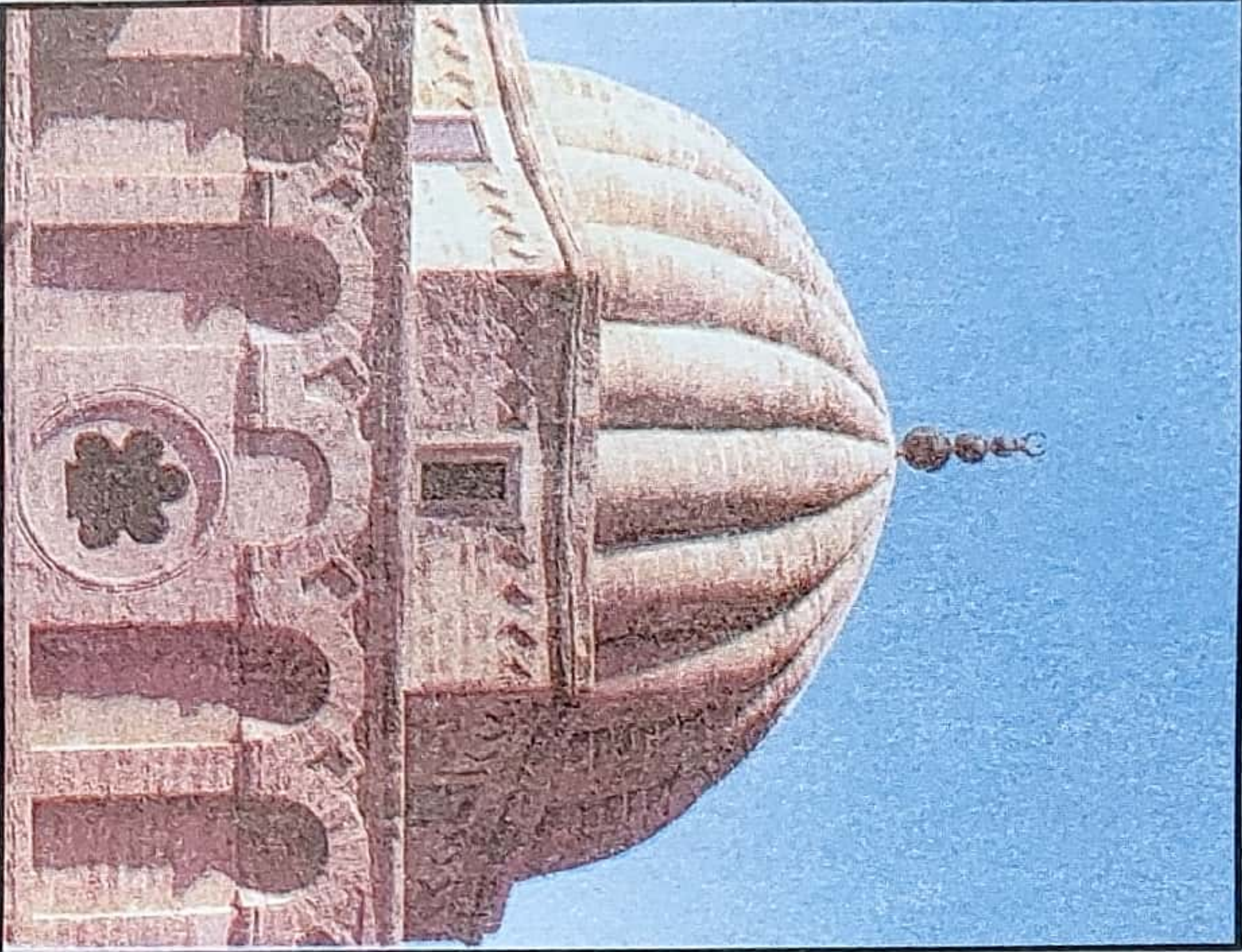
تصویر نمبر ۲۱ (۲۱) قیروان، تیونس میں مسجد قیروان کا گنبد

تصویر نمبر۲۳ (۲۳) قونیا، ترکی میں مسجد سلطان سلیم کا گنبد
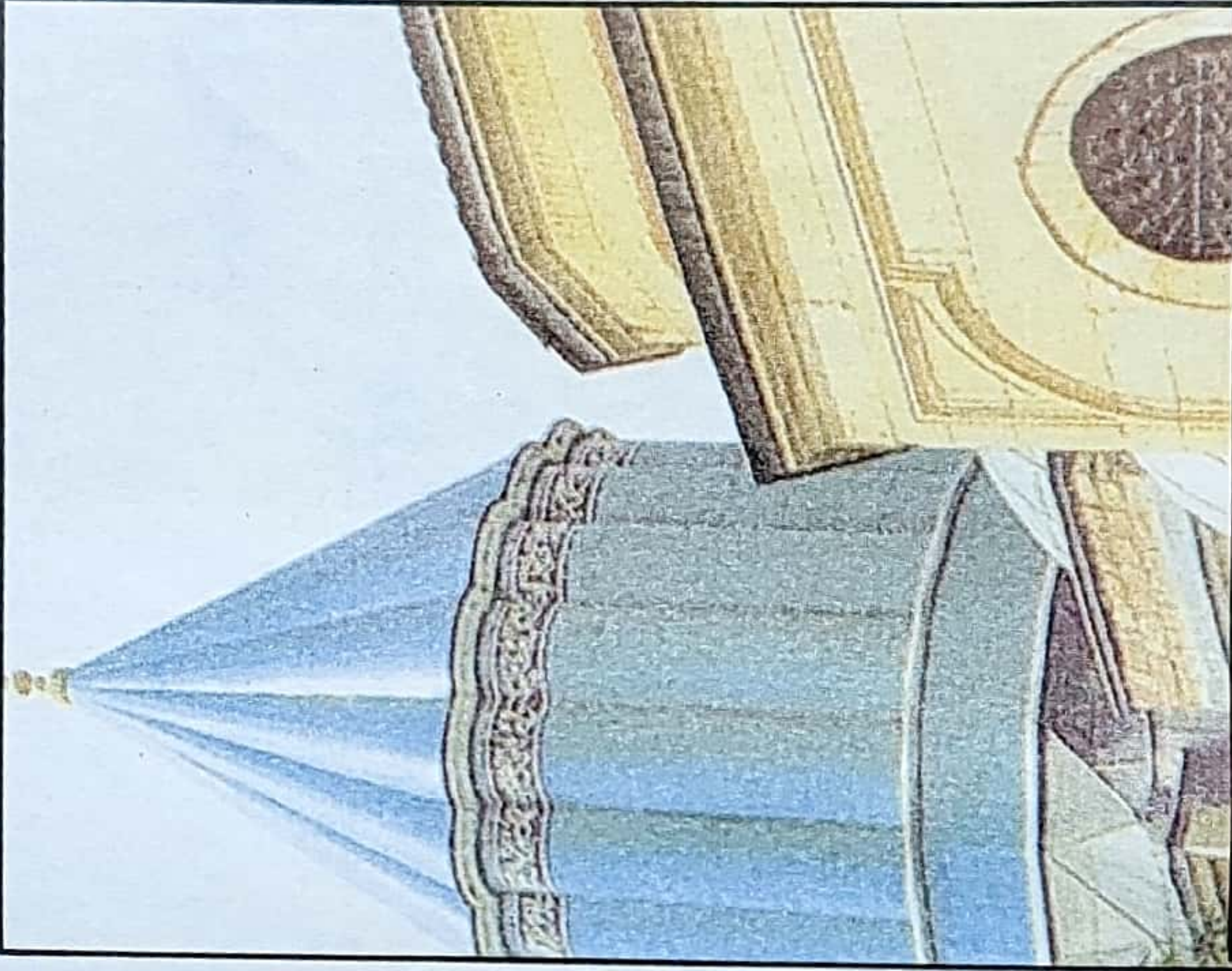
تصویر نمبر۲۲ (۲۲) سمرقند، ازبکستان میں مدرسہ شیردور کا گنبد

تصویر نمبر۲۴ (۲۴) آگرہ ہندوستان میں ملکہ کی قبر تاج محل کا گنبد
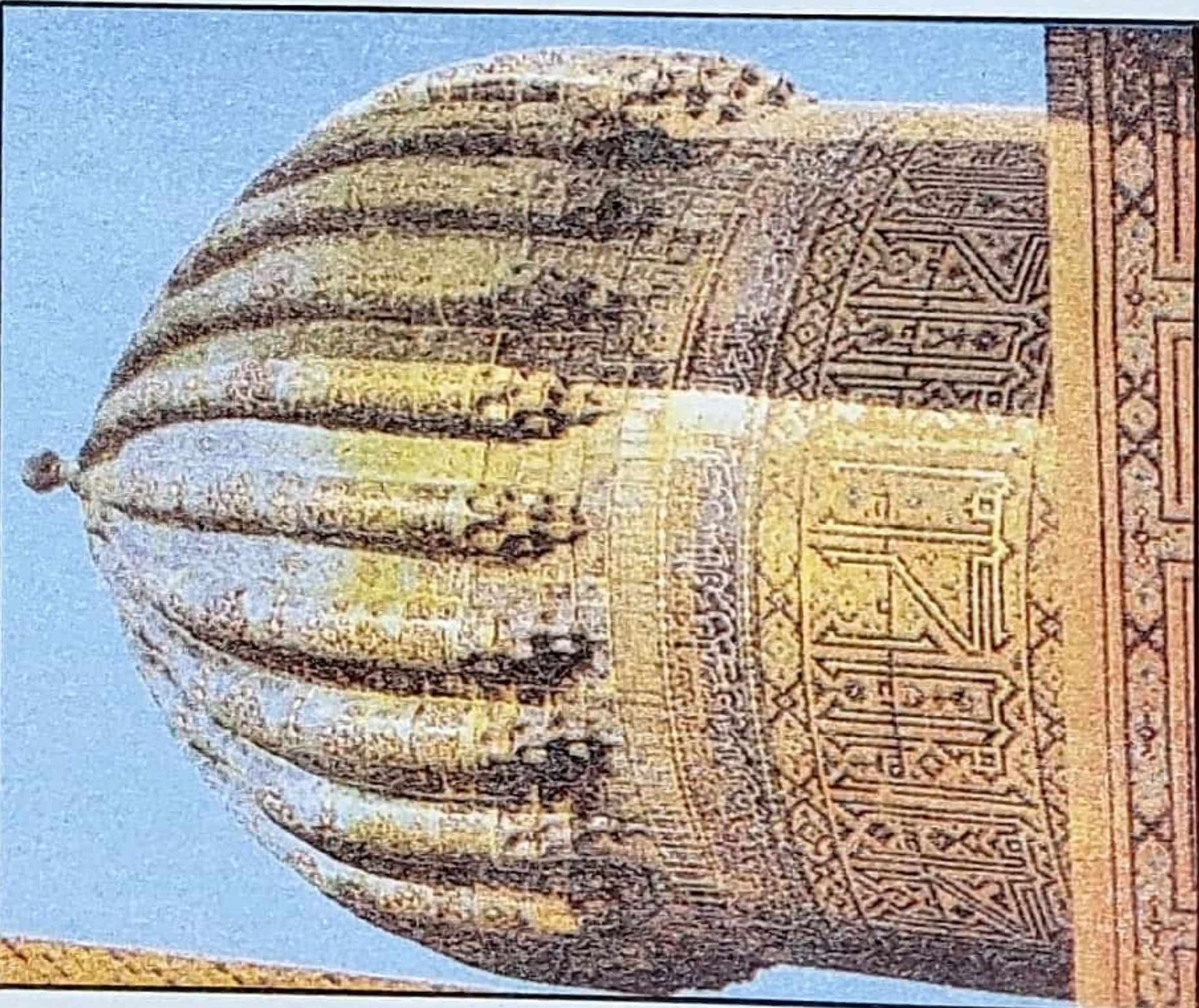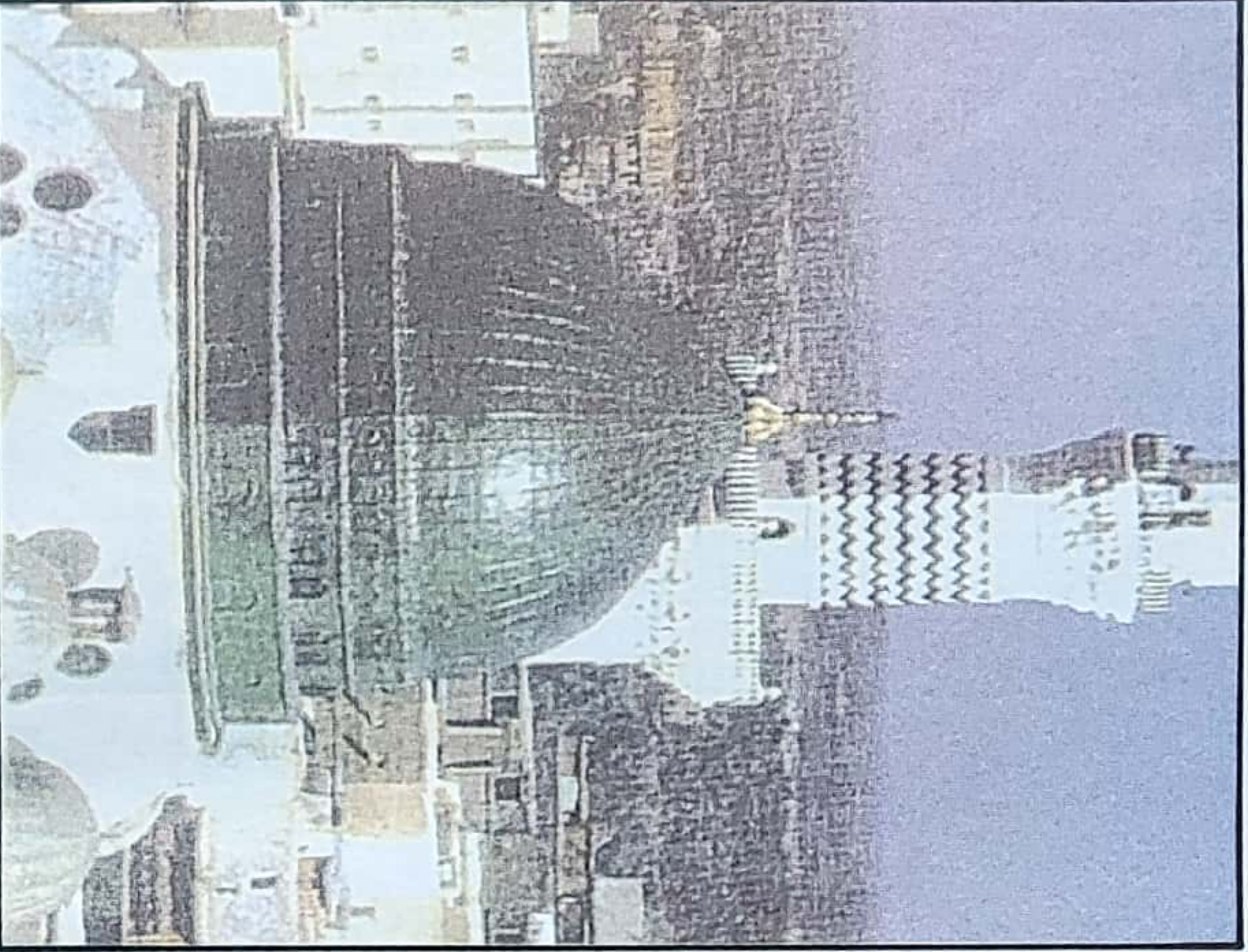
تصویر نمبر۲۵ (۲۵) مدینہ منورہ، سعودی عرب میں مسجد نبویؐ کا گنبد

تصویر نمبر ۲۷ (۲۷) بغداد عراق میں جامع مسجد خلفاء کا گنبد
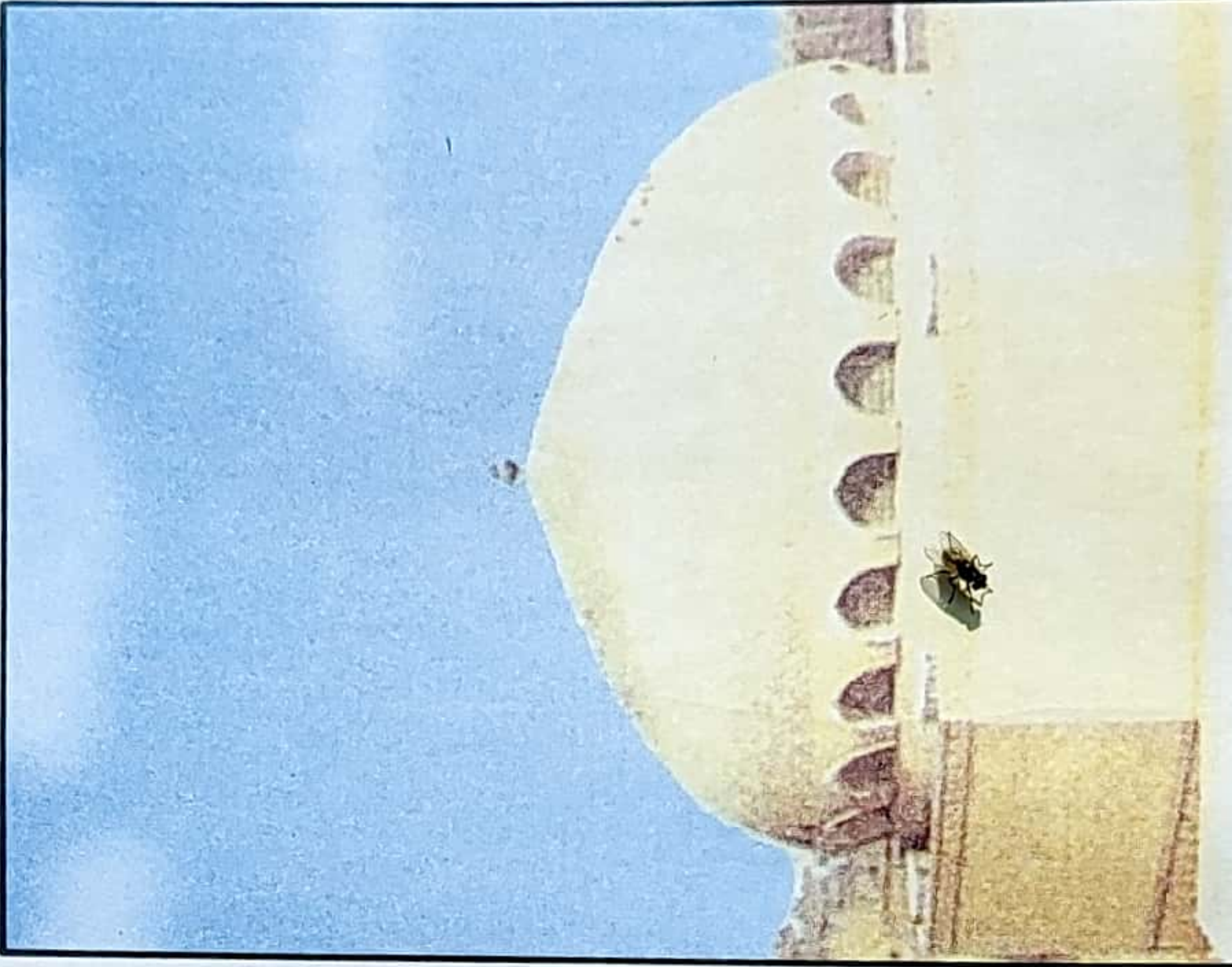
تصویر نمبر ۲۶ (۲۶) از بکستان خوارزم (خیوہ) میں قلعہ ذیشان کی مسجد کا گنبد

تصویر نمبر ۲۸ (۲۸) قاہرہ مصر میں یونس داودار کی قبر کا گنبد

تصویر نمبر ۲۹ (۲۹) دہلی، ہندوستان میں سلطان شیر شاہ کی قبر کا گنبد

تصویر نمبر ۳۰ (۳۰) قم۔ ایران میں شریف حمزہ بن امام موسیٰ کاظمؑ کے مزار کا گنبد
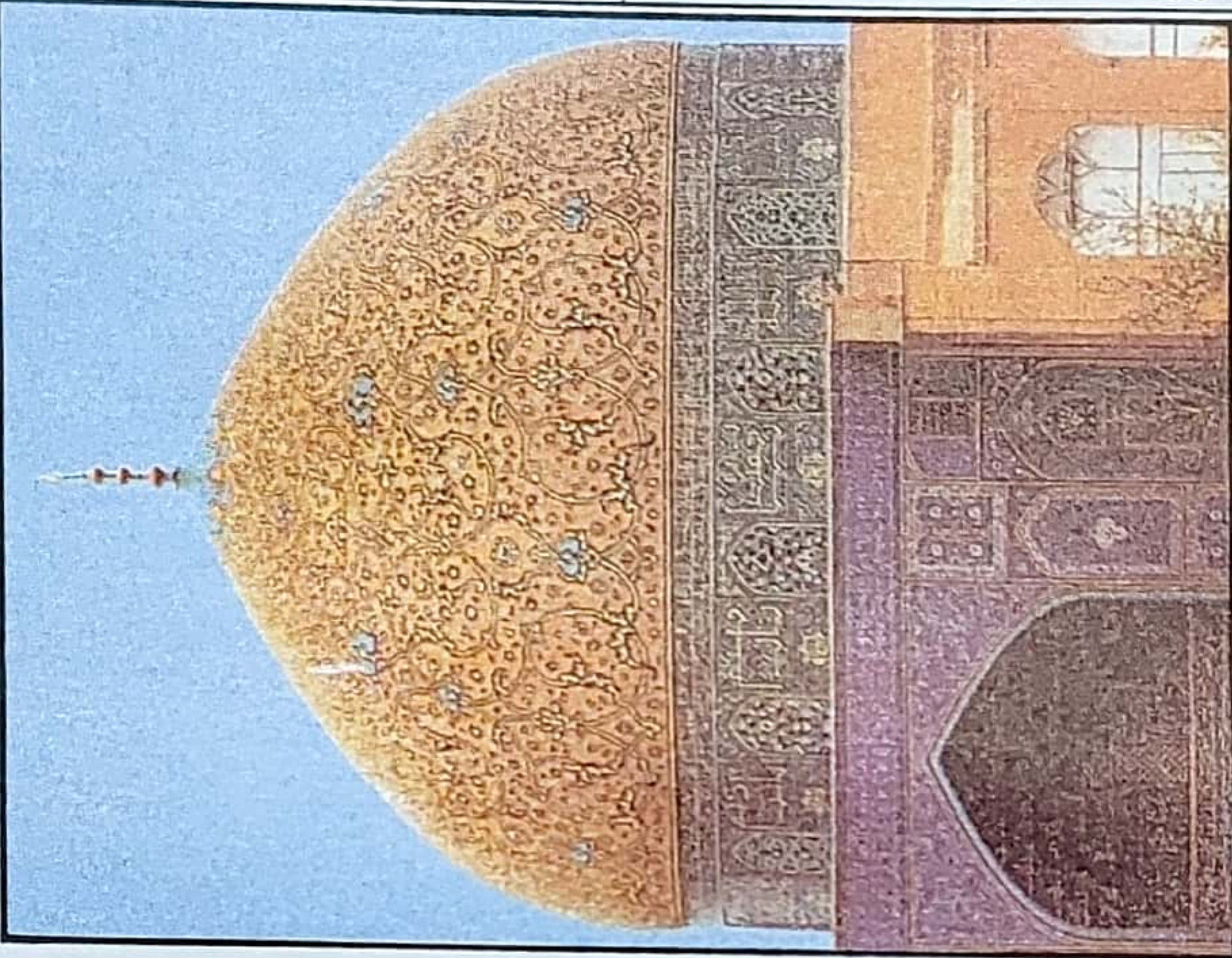
تصویر نمبر ۳۱ (۳۱) اصفہان ایران میں مسجد شیخ لطف اللہ کا گنبد
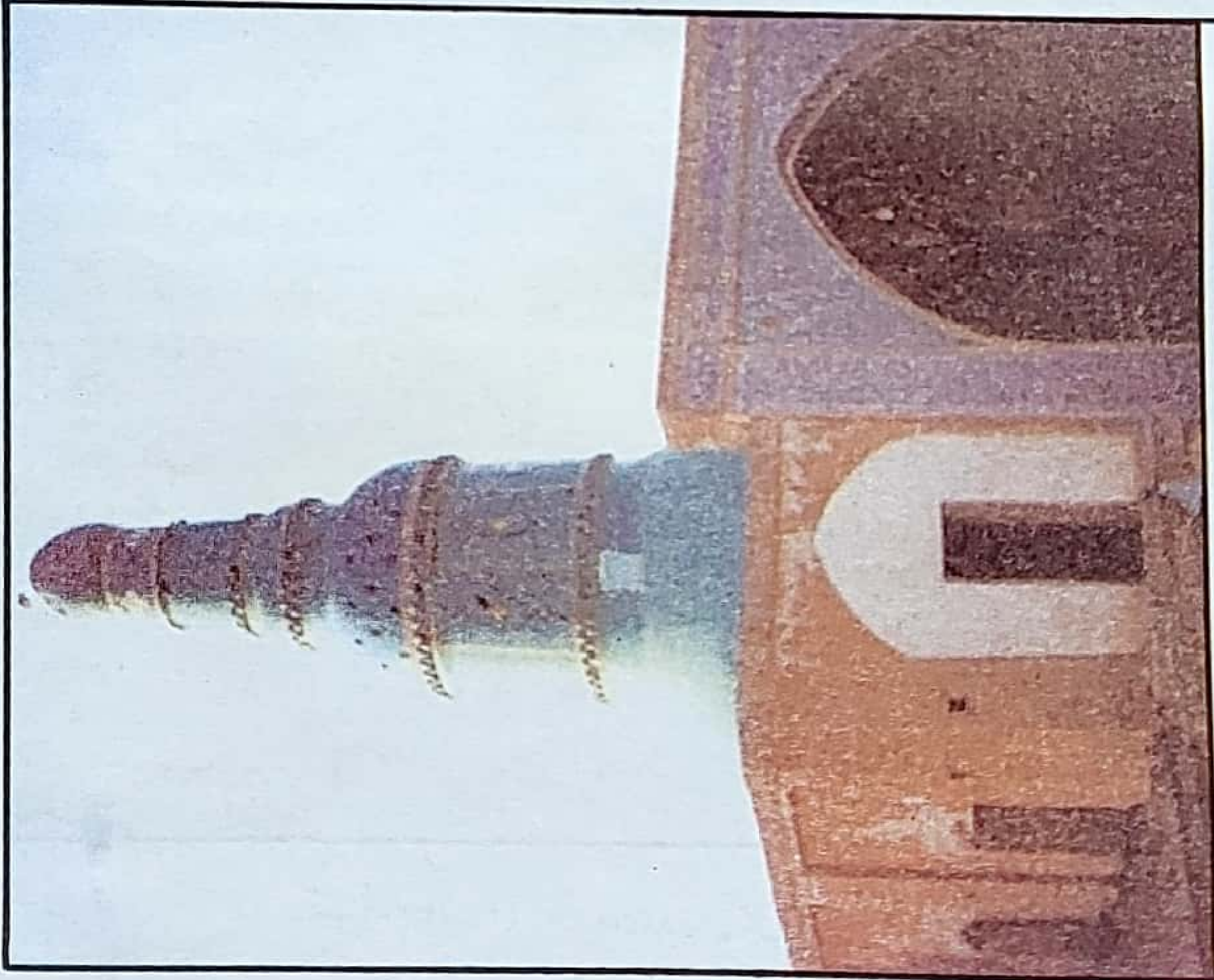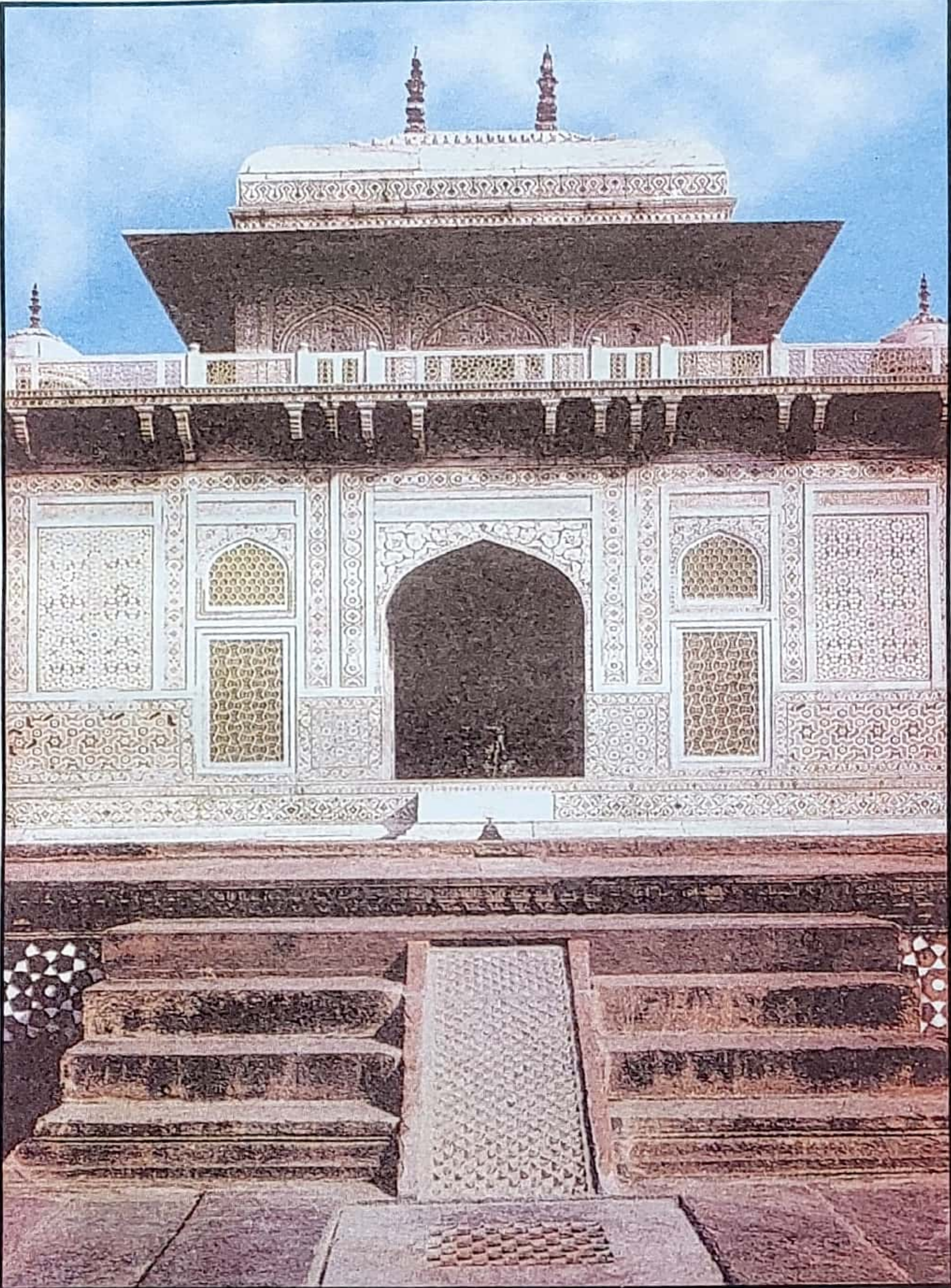
تصویر نمبر ۳۲ (۳۲) آگرہ، ہندوستان میں اعتماد الدولہ کی قبر کا گنبد

تصویر نمبر ۳۴(۲) اشبیلیہ، اندلس کا برج ناقوس گلاردا تبدیلی کے بعد
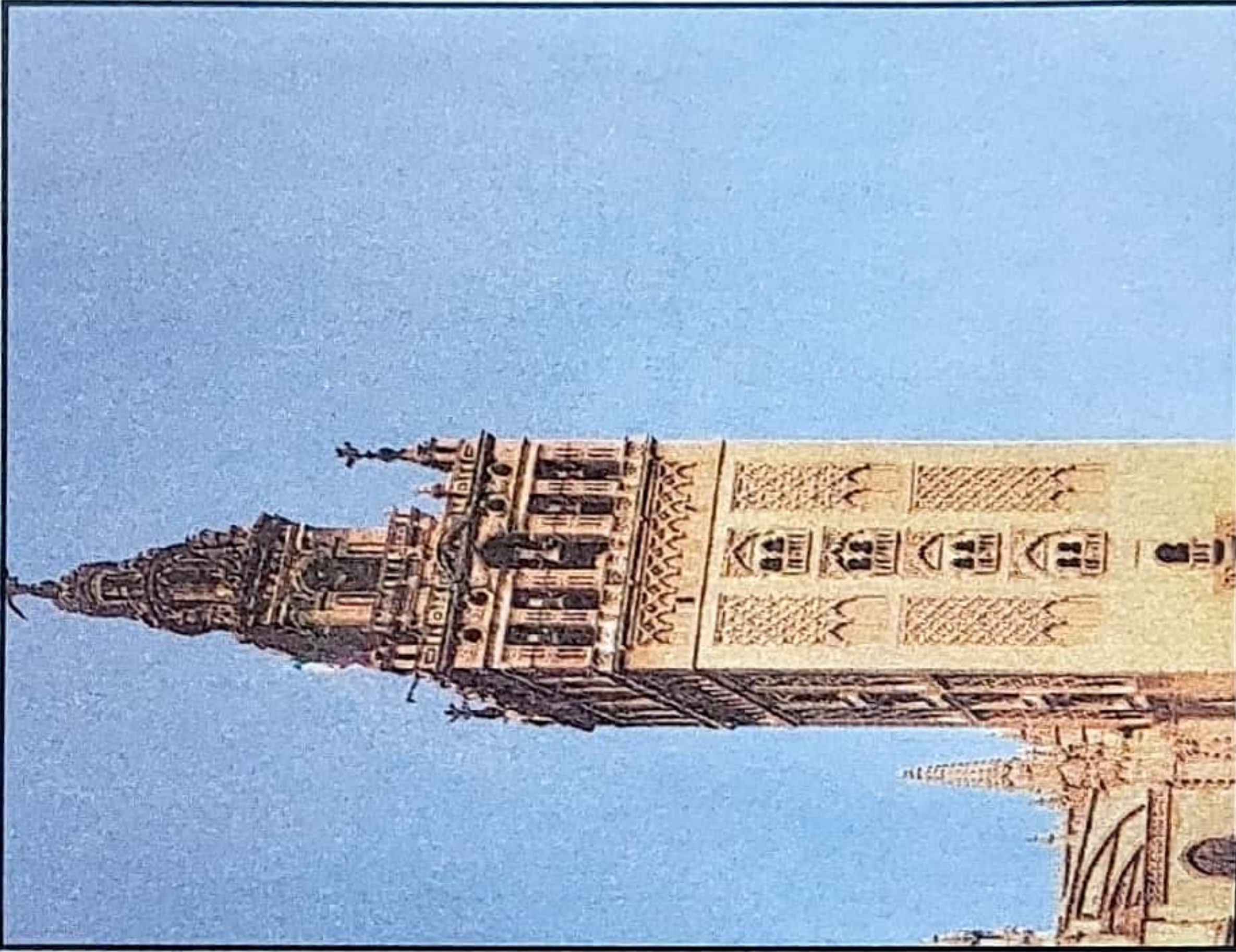
تصویر نمبر ۳۳(۱) اشبیلیہ اندلس کی مسجد الخیر الدا کا مینار تبدیلی سے پہلے
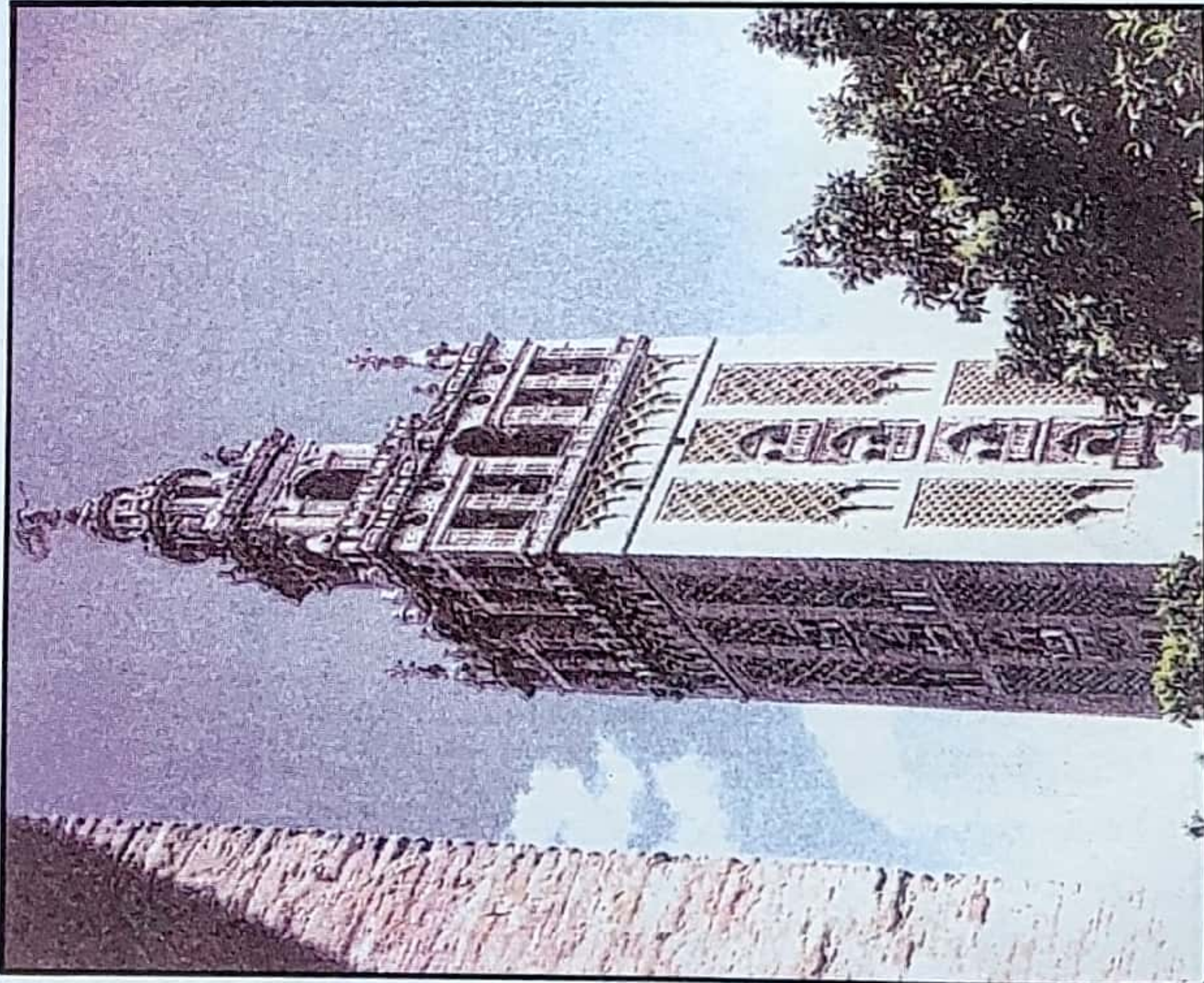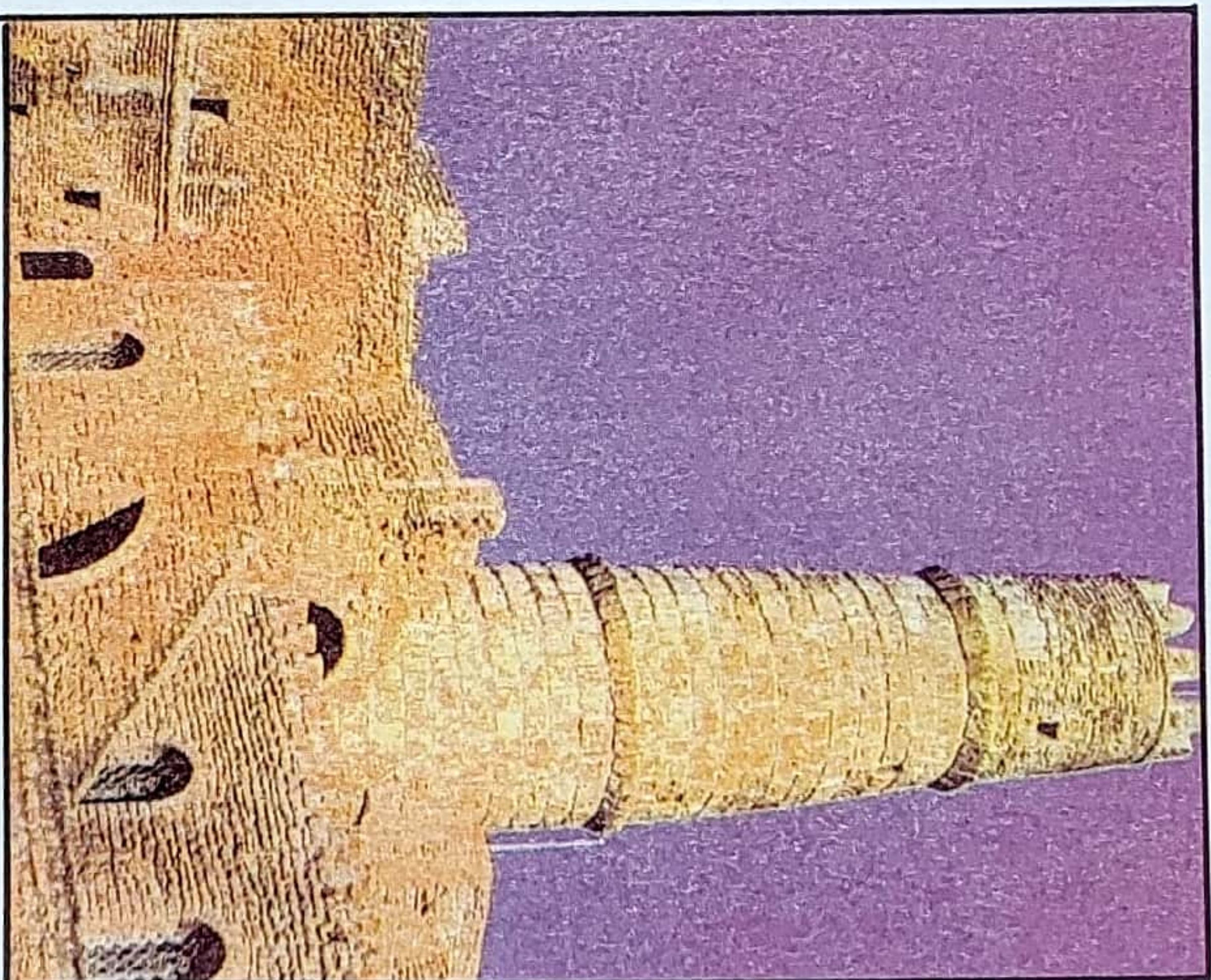
تصویر نمبر ۳۵ (۳) منستر، تیونس کا برج الرباط

تصویر نمبر ۳۶ (۴) کرونل، انگلستان کا تھروس ہیڈ مینار

قبل از انہدام 07-2006ء

تصویر نمبر ۳۸ (۶) سامراء عراق میں امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے روضہ کا مینار
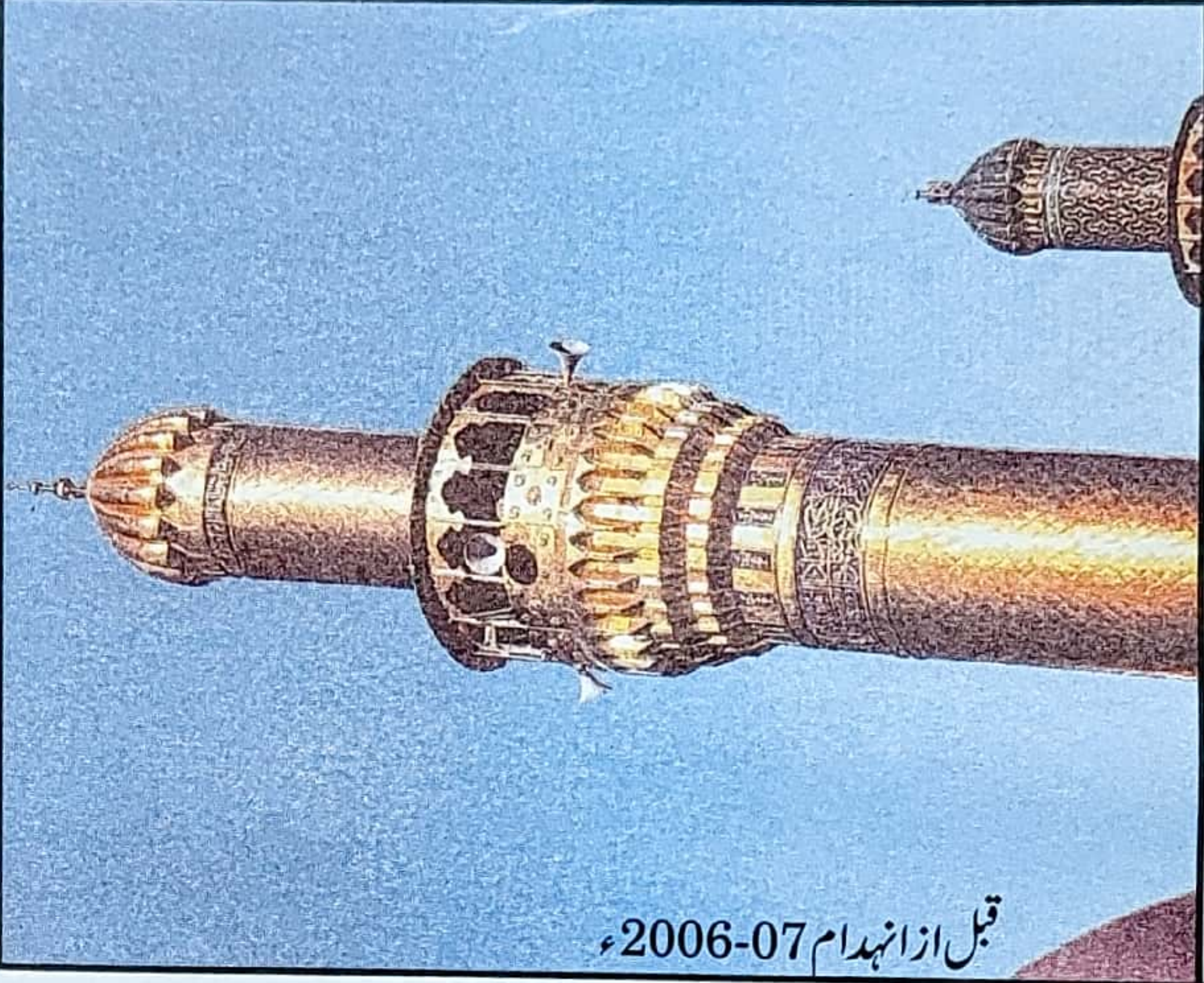
تصویر نمبر ۳۹ (۷) بخارا ازبکستان میں مسجد کلاں کا مینار
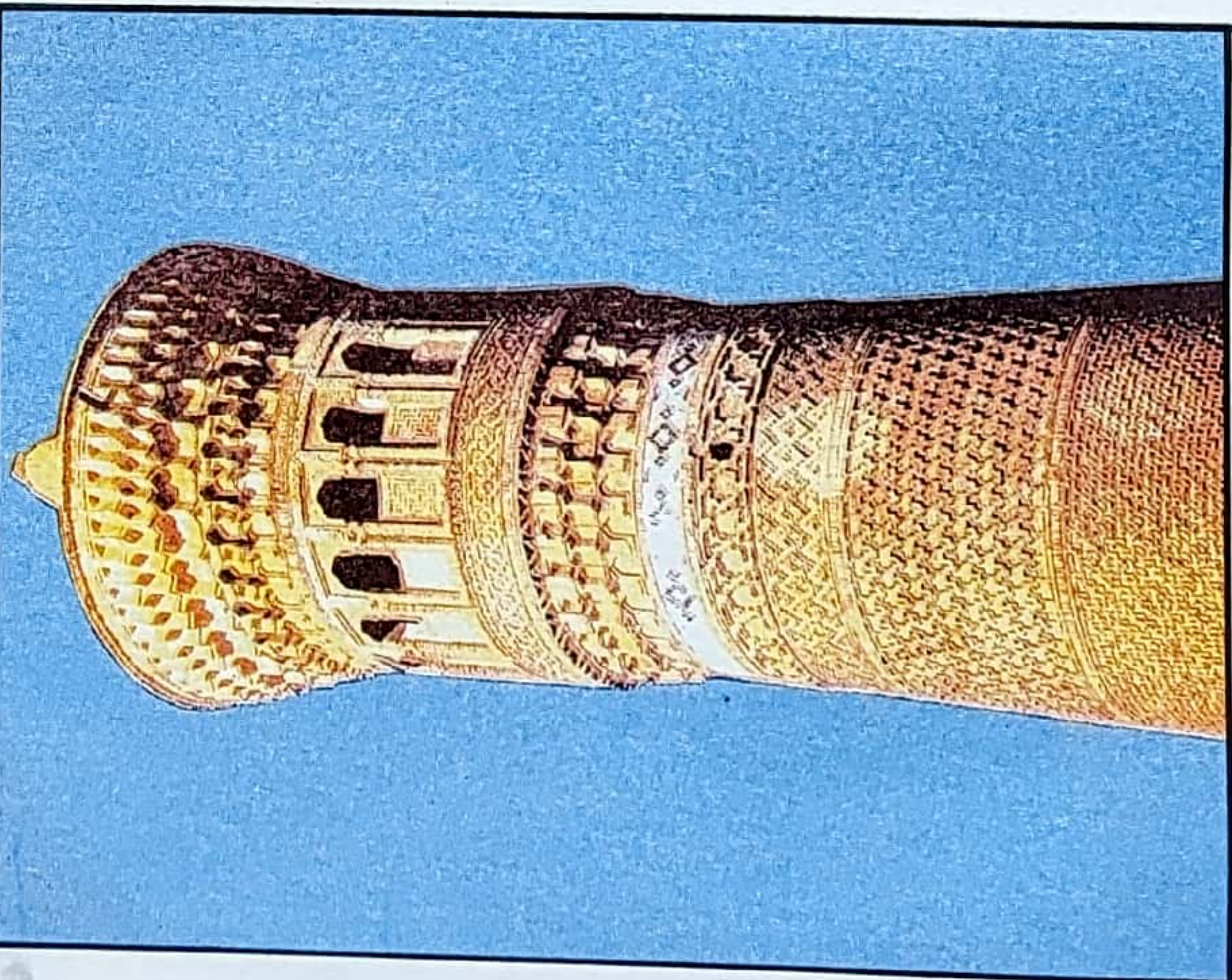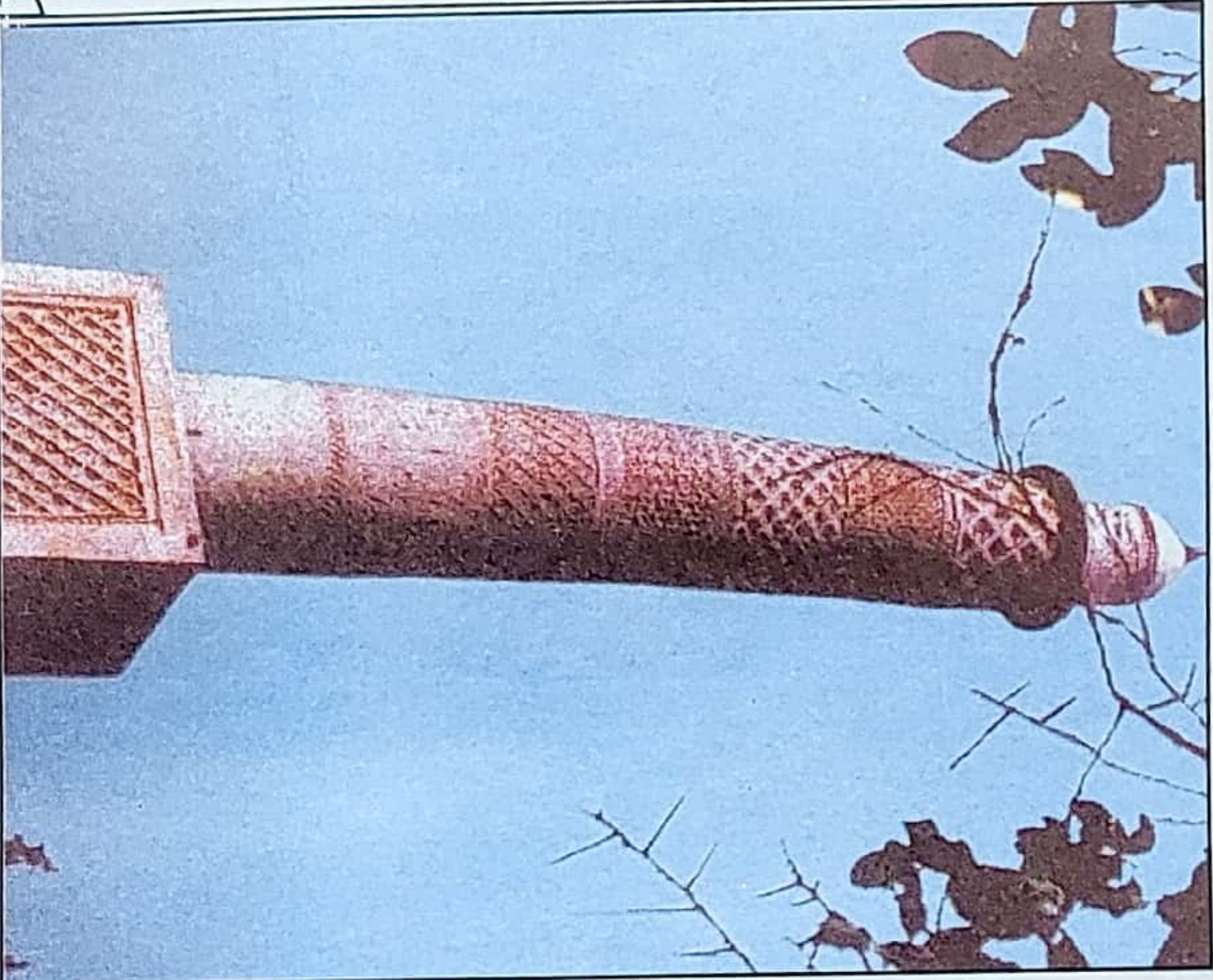
تصویر نمبر ۴۰ (۸) موصل عراق کی جامع مسجد نوری کا خمیدہ مینار
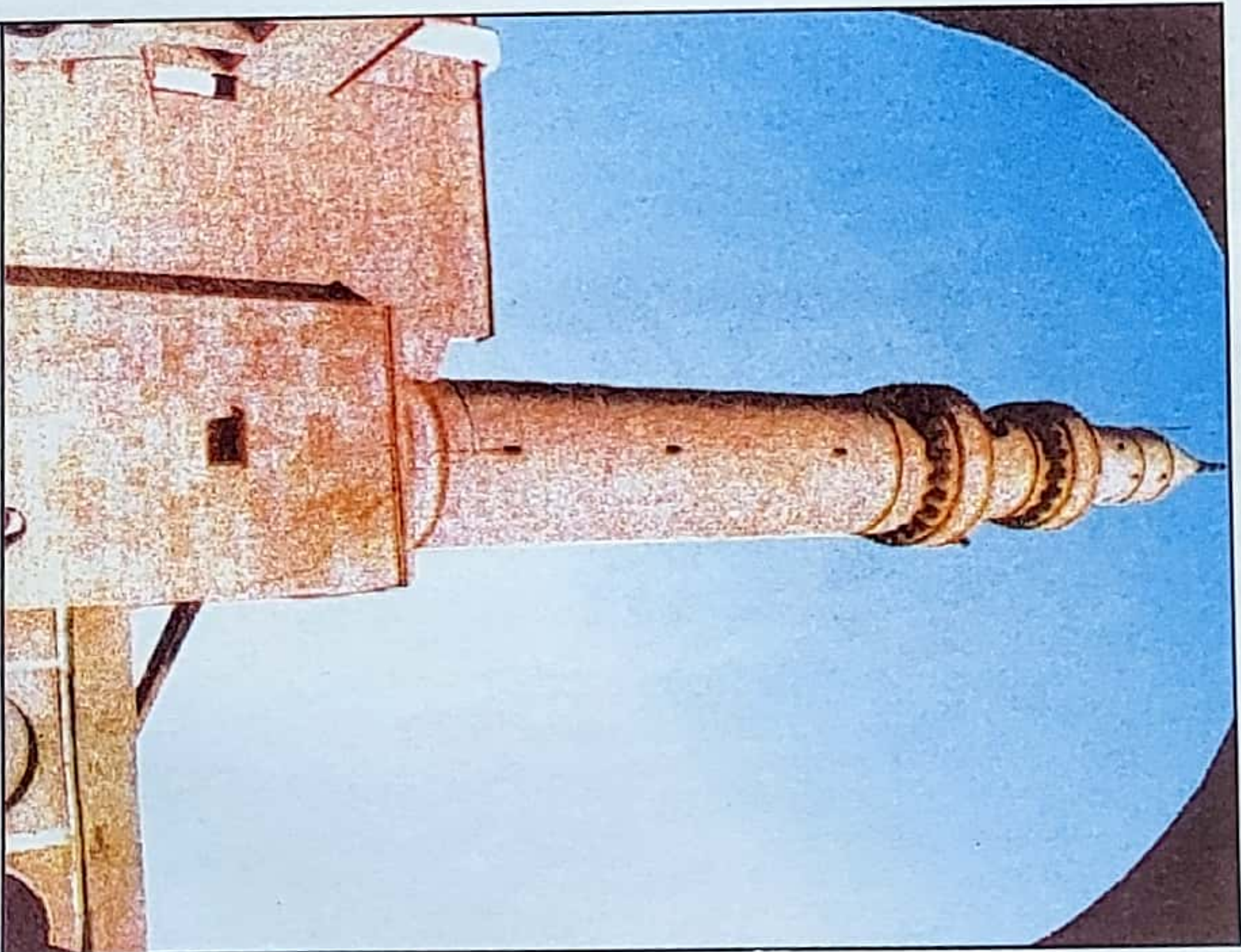
تصویر نمبر ۴۱ (۹) موصل عراق کی مسجد یونس پیغمبرؑ کا مینار

تصویر نمبر ۴۲ (۱۰) سوسہ مراکش کی مسجد بزرگ کا مینار
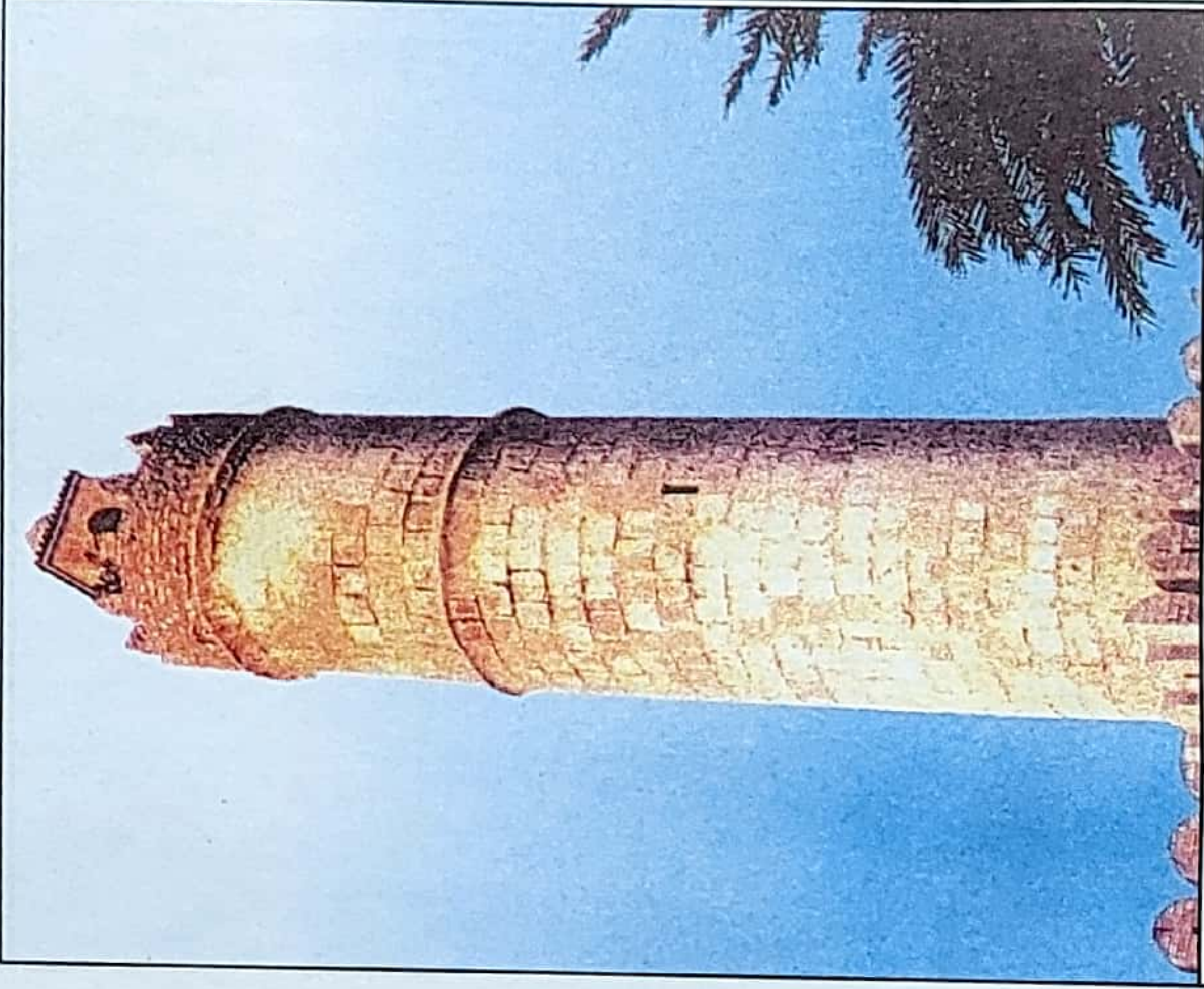
تصویر نمبر ۴۳ (۱۱) زلیطن، لیبیا میں سید عبدالسلام اسمر کا مینار
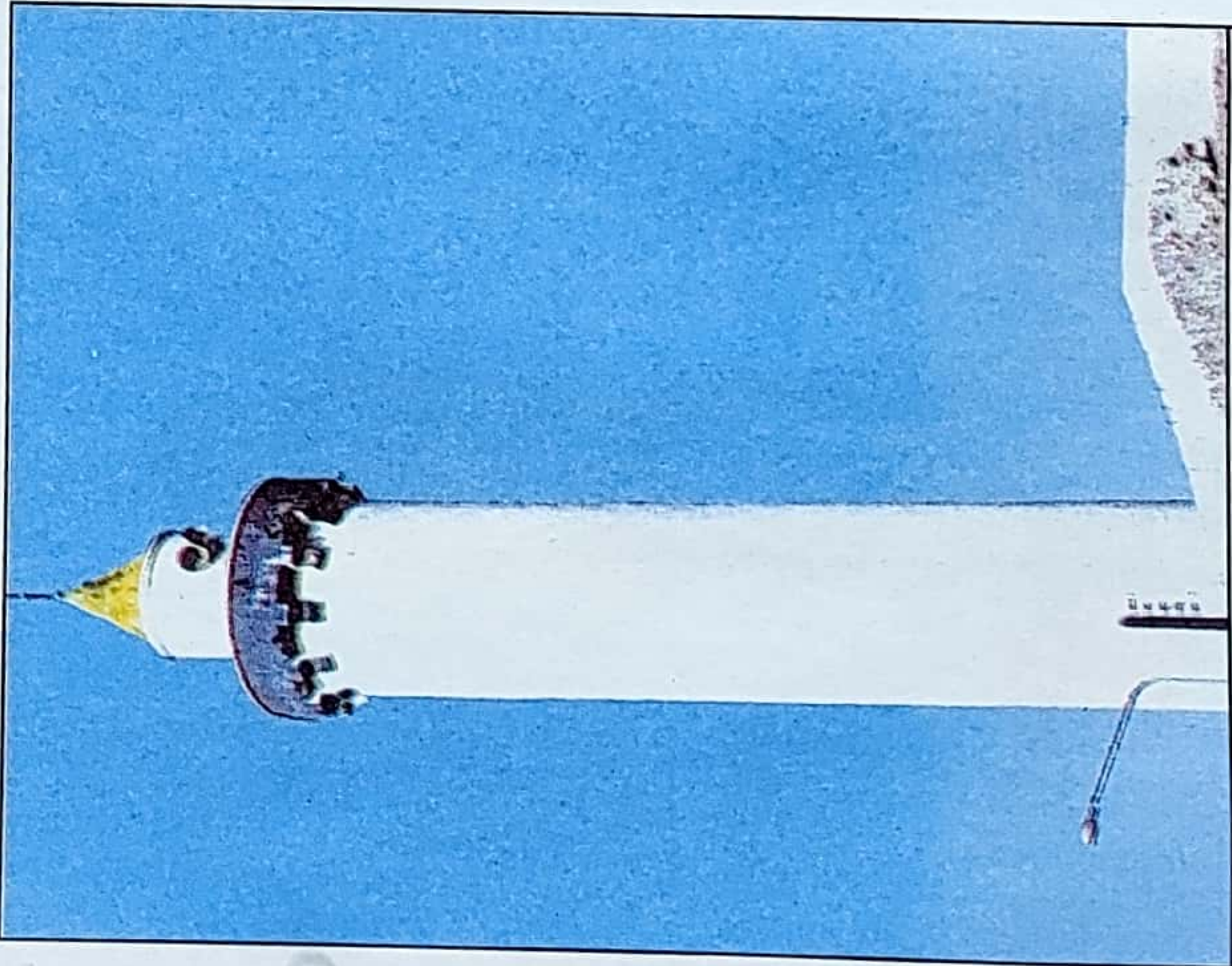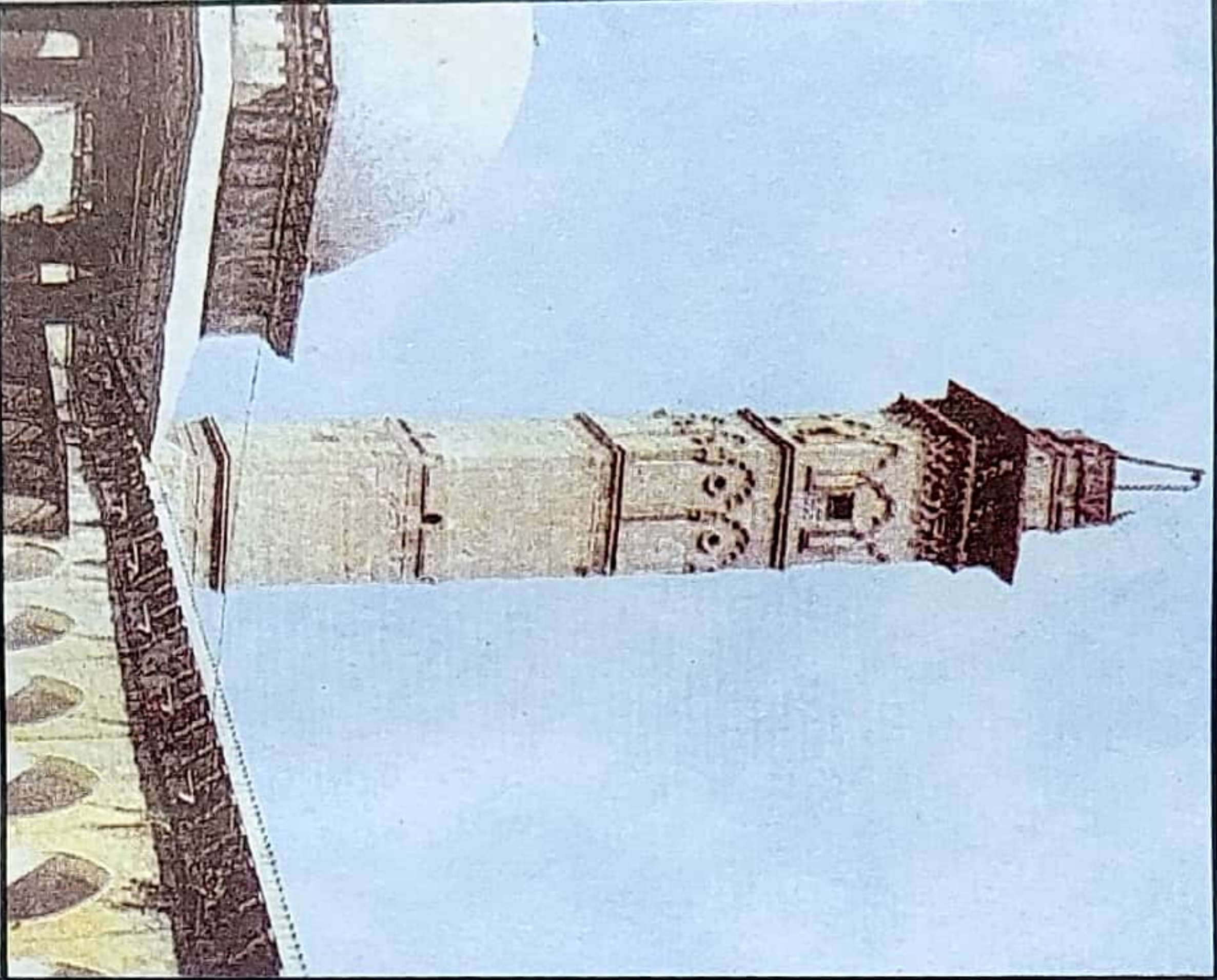
تصویر نمبر ۴۴ (۱۲) حلب شام میں جامع مسجد ذکریاؑ کا مینار
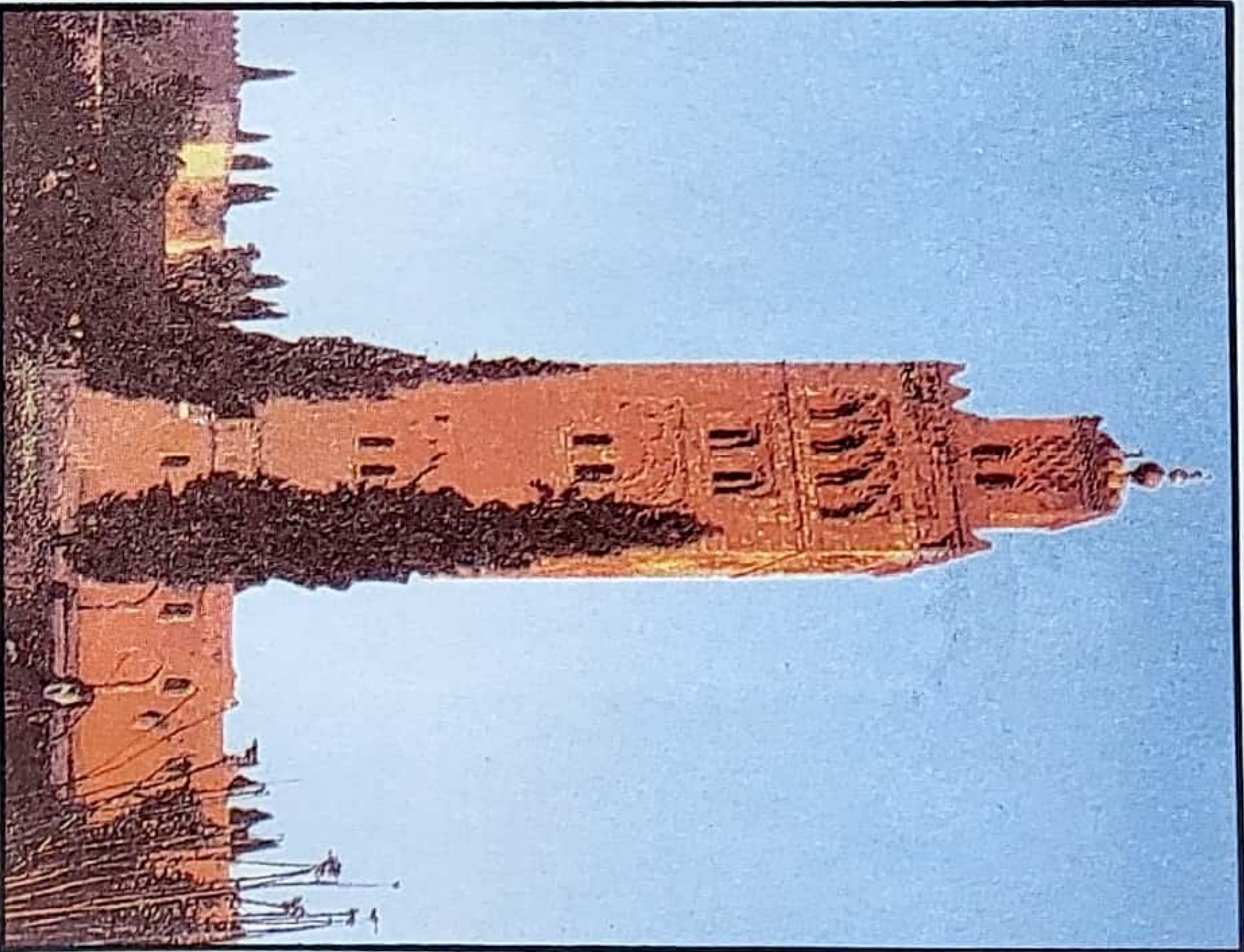
تصویر نمبر ۴۵ (۱۳) مراکش (مغرب) میں مسجد کتبیہ کا مینار

تصویر نمبر ۴۶ (۱۴) تلمسان الجزائر میں مسجد سیدی الحلوی کا مینار
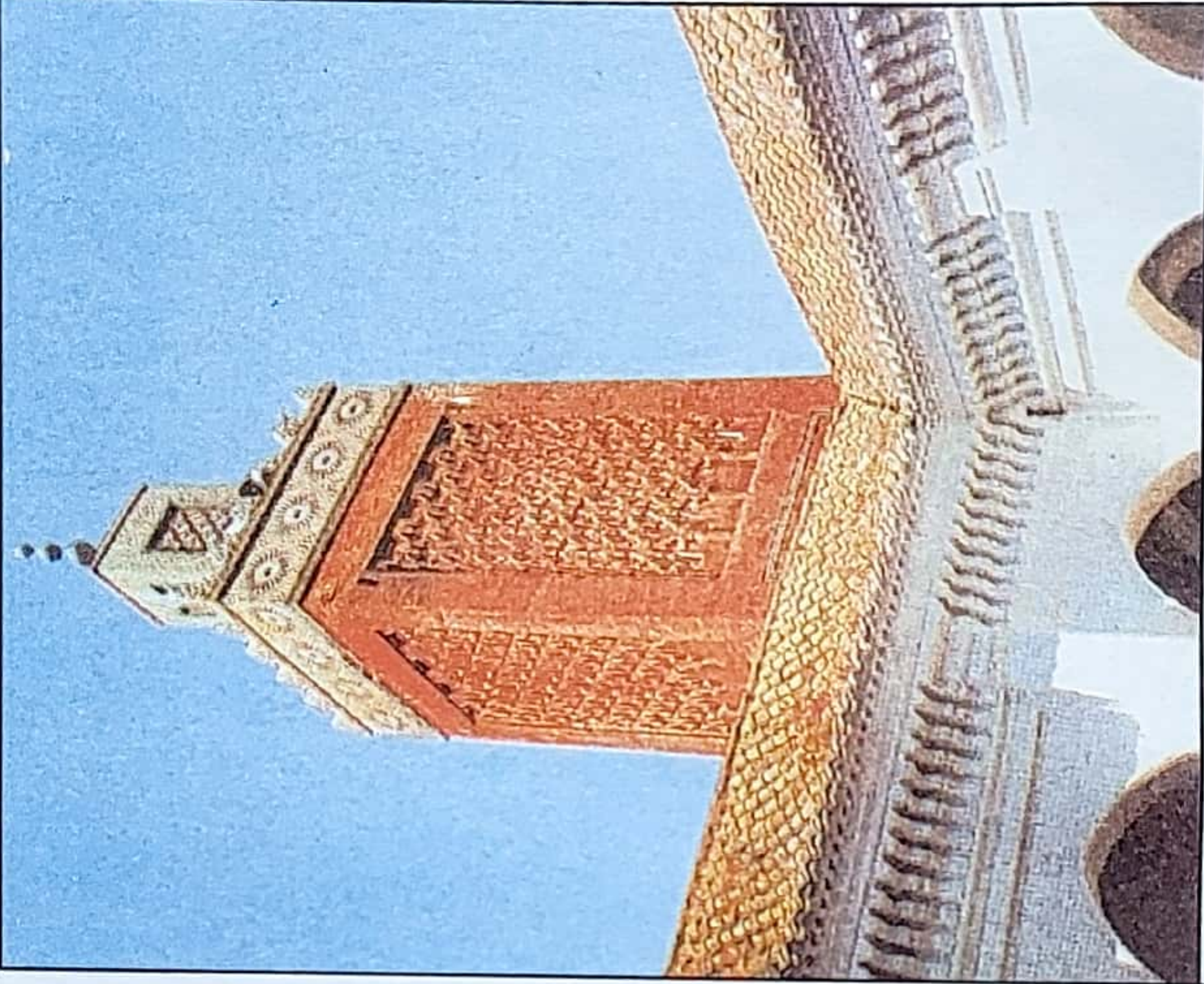
تصویر نمبر ۴۷ (۱۵) نیونو، ملائشیا میں مسجد کبیر کا مینار
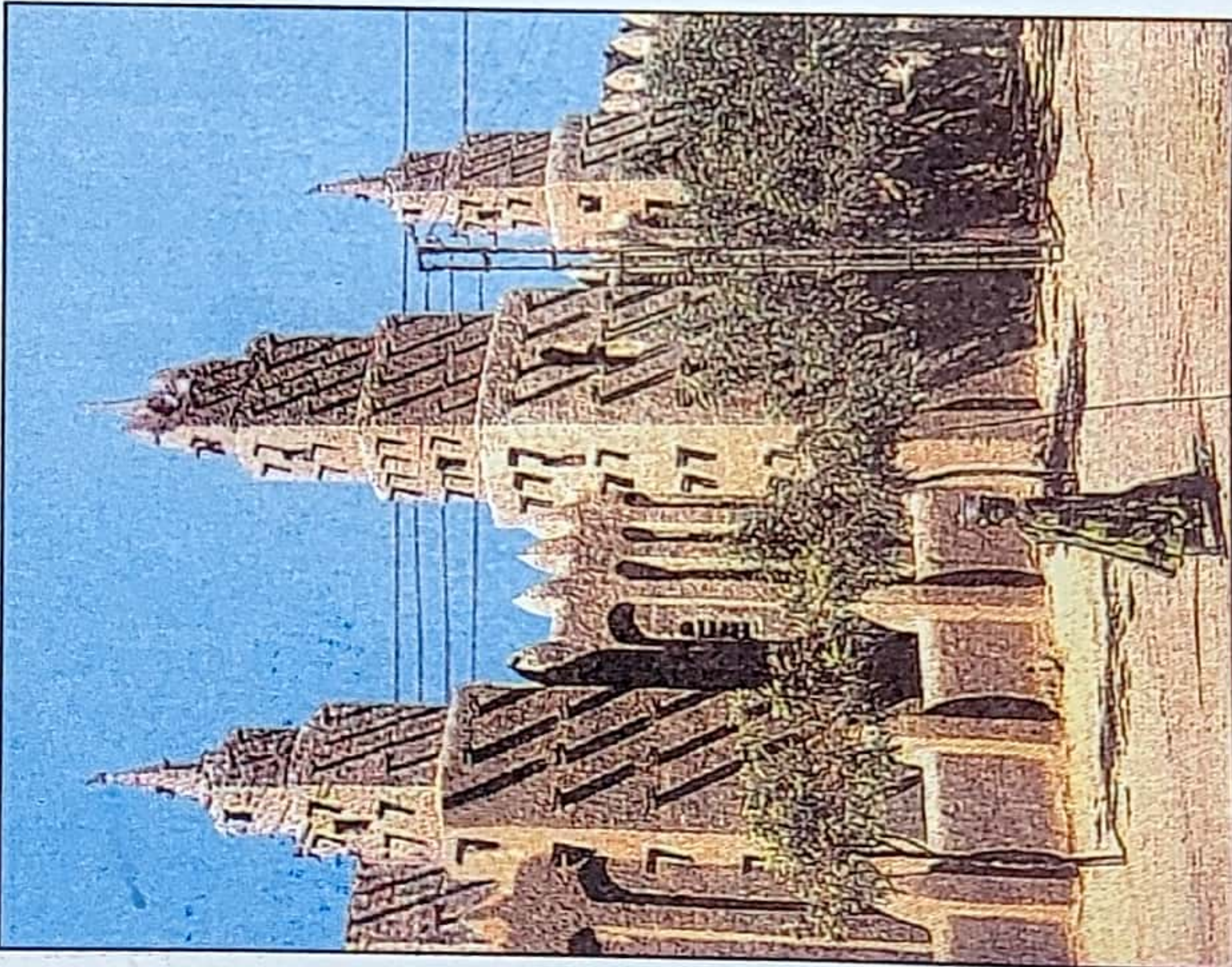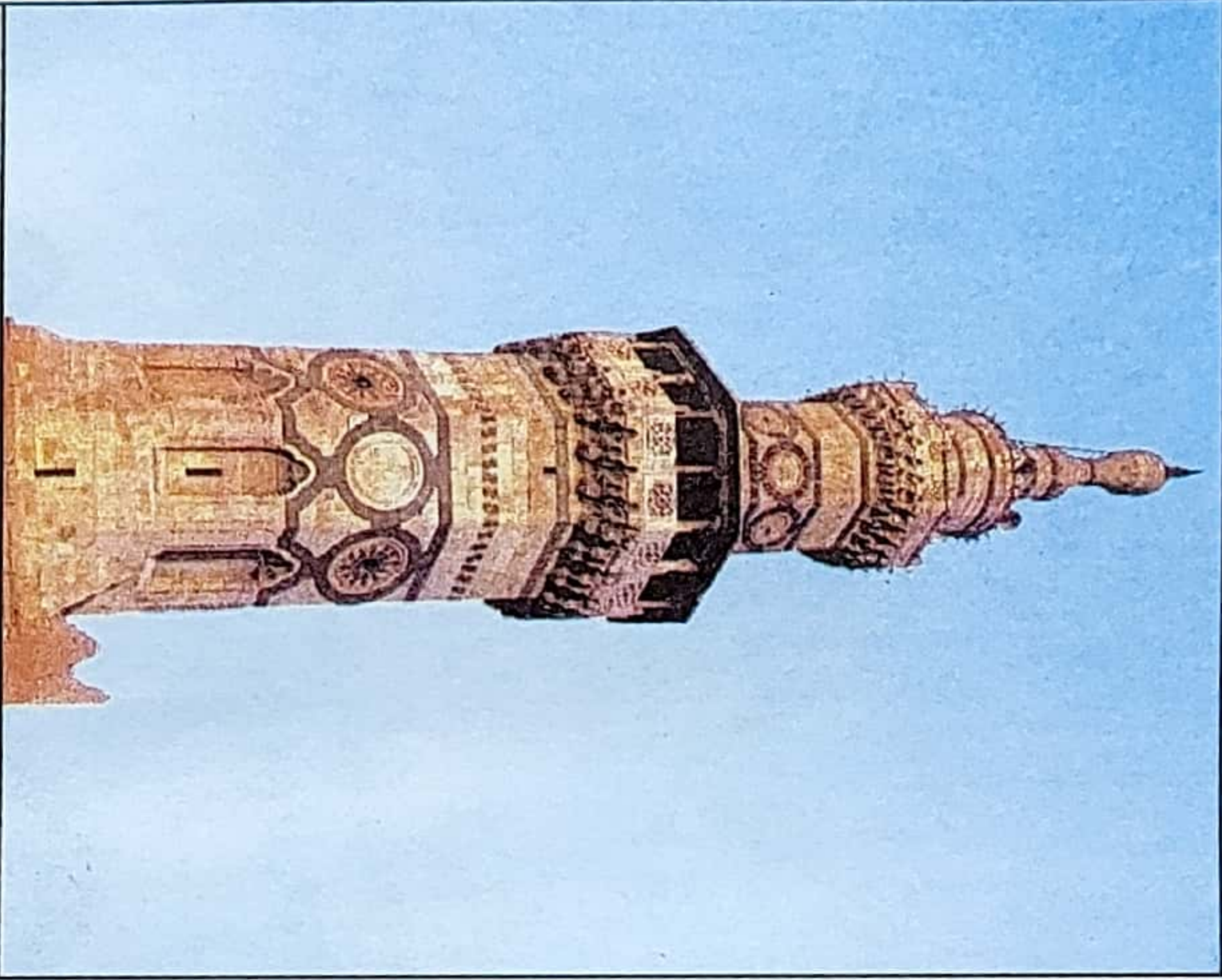
تصویر نمبر ۴۸ (۱۶) دمشق، شام میں مسجد اموی کا مینار
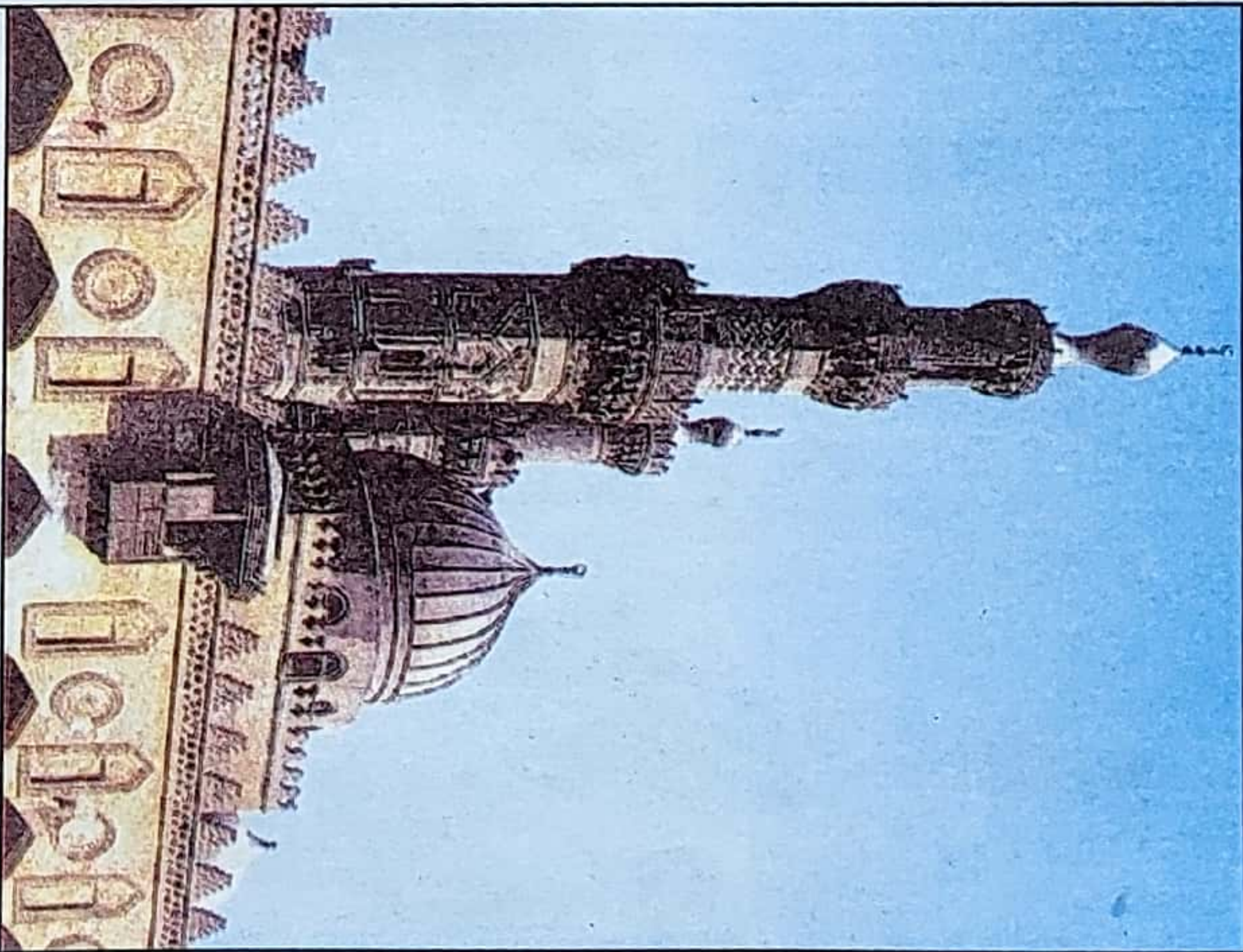
تصویر نمبر ۴۹ (۱۷) قاہرہ مصر کی جامع الازہر کی مسجد سلطان قایتبای کا مینار

تصویر نمبر ۵۰ (۱۸) لاہور پاکستان میں بادشاہی مسجد کا مینار
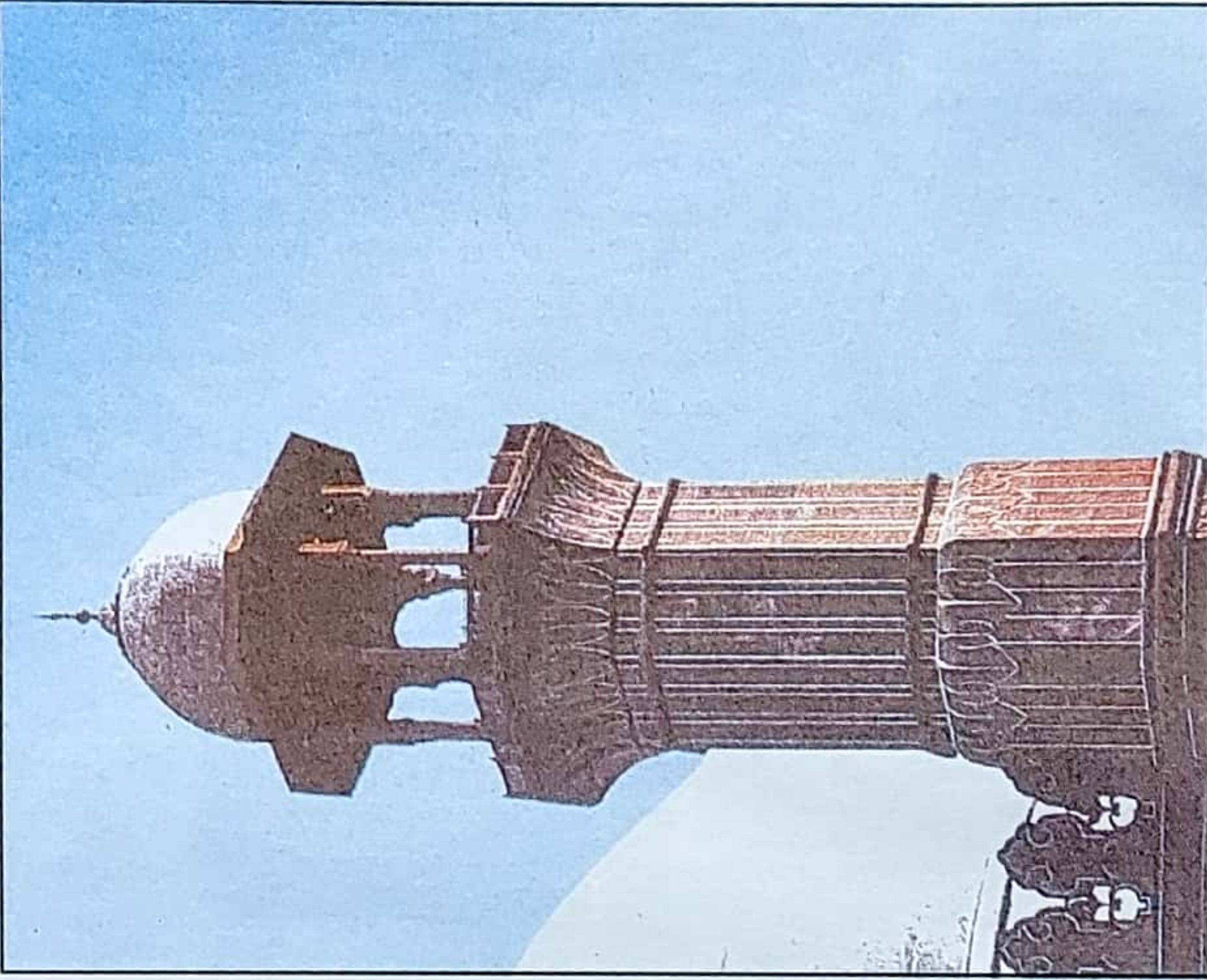
تصویر نمبر ۵۱ (۱۹) طرابلس لیبیا میں مسجد زاویہ قادریہ کا مینار
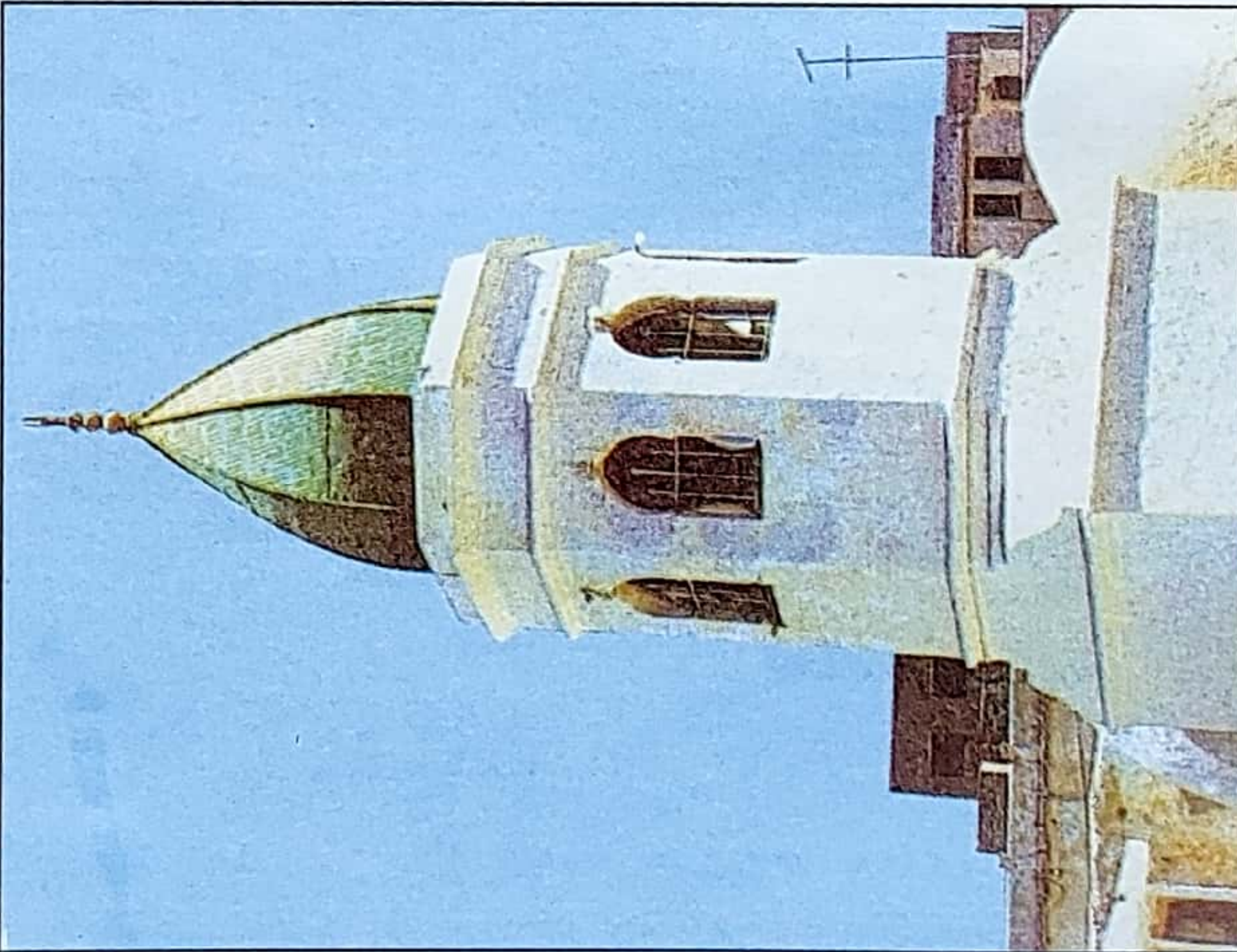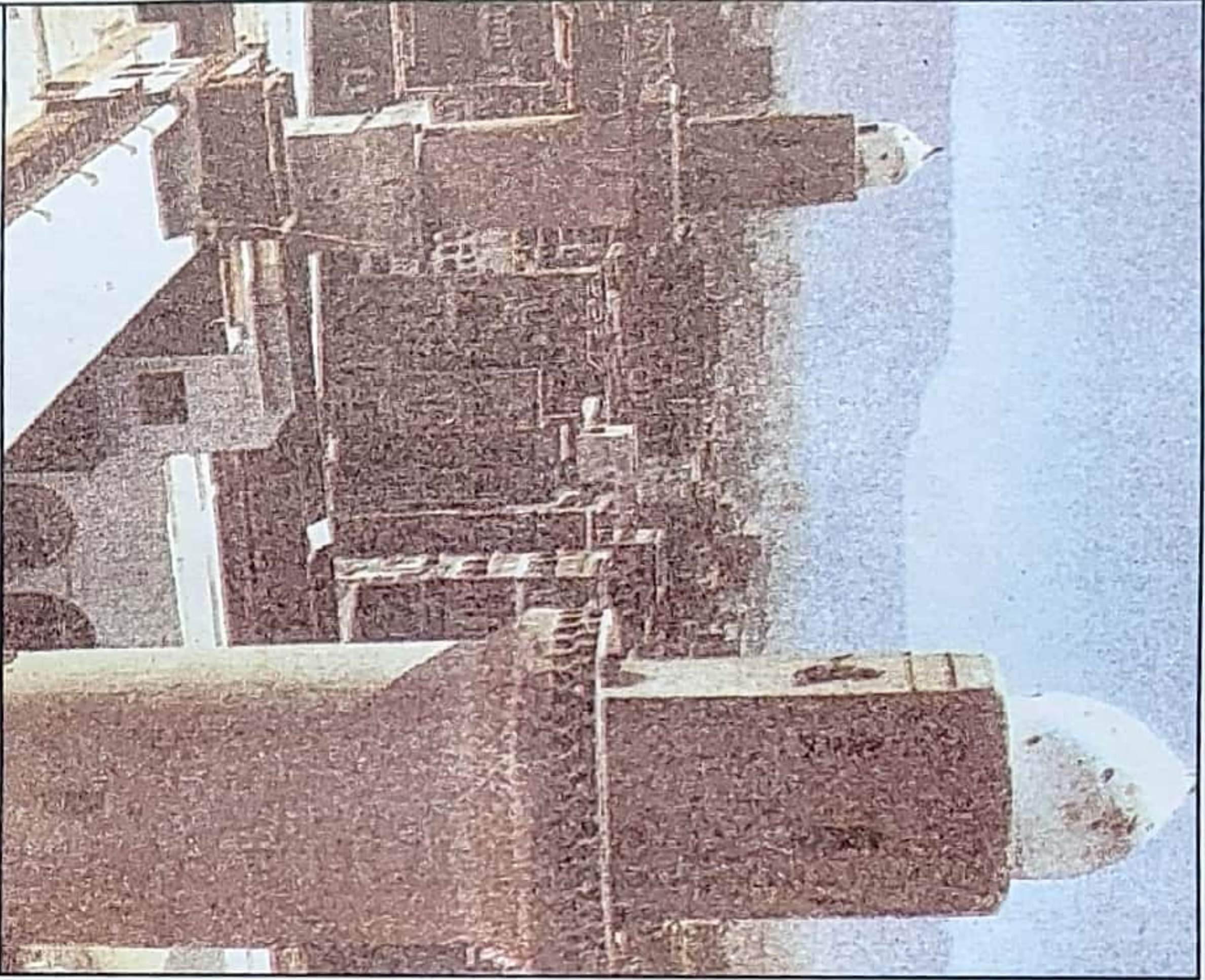
تصویر نمبر ۵۲(۲۰) صنعاء یمن میں مسجد کا مینار
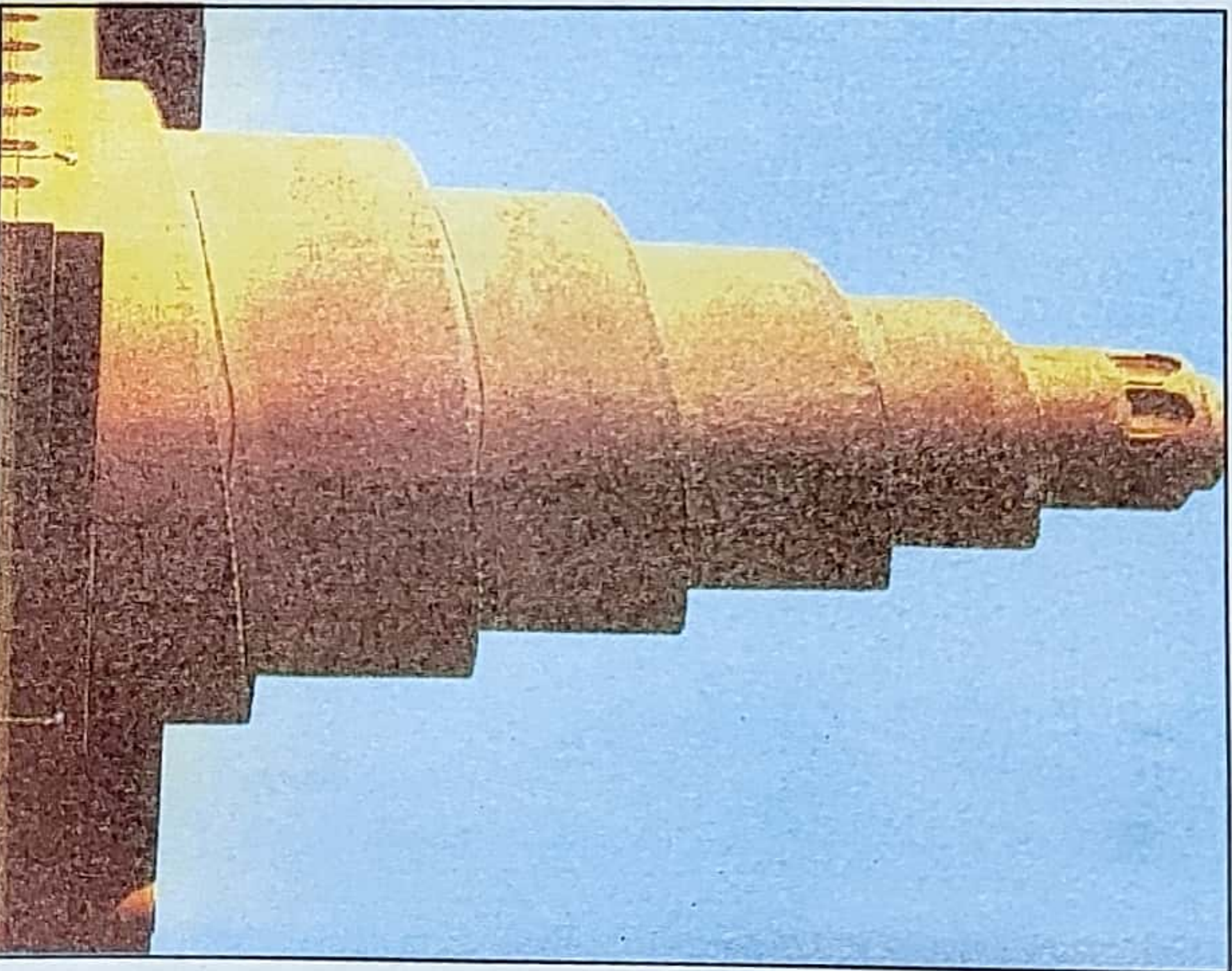
تصویر نمبر ۵۳(۲۱) سامراء عراق میں مسجد کا پیچدار مینار
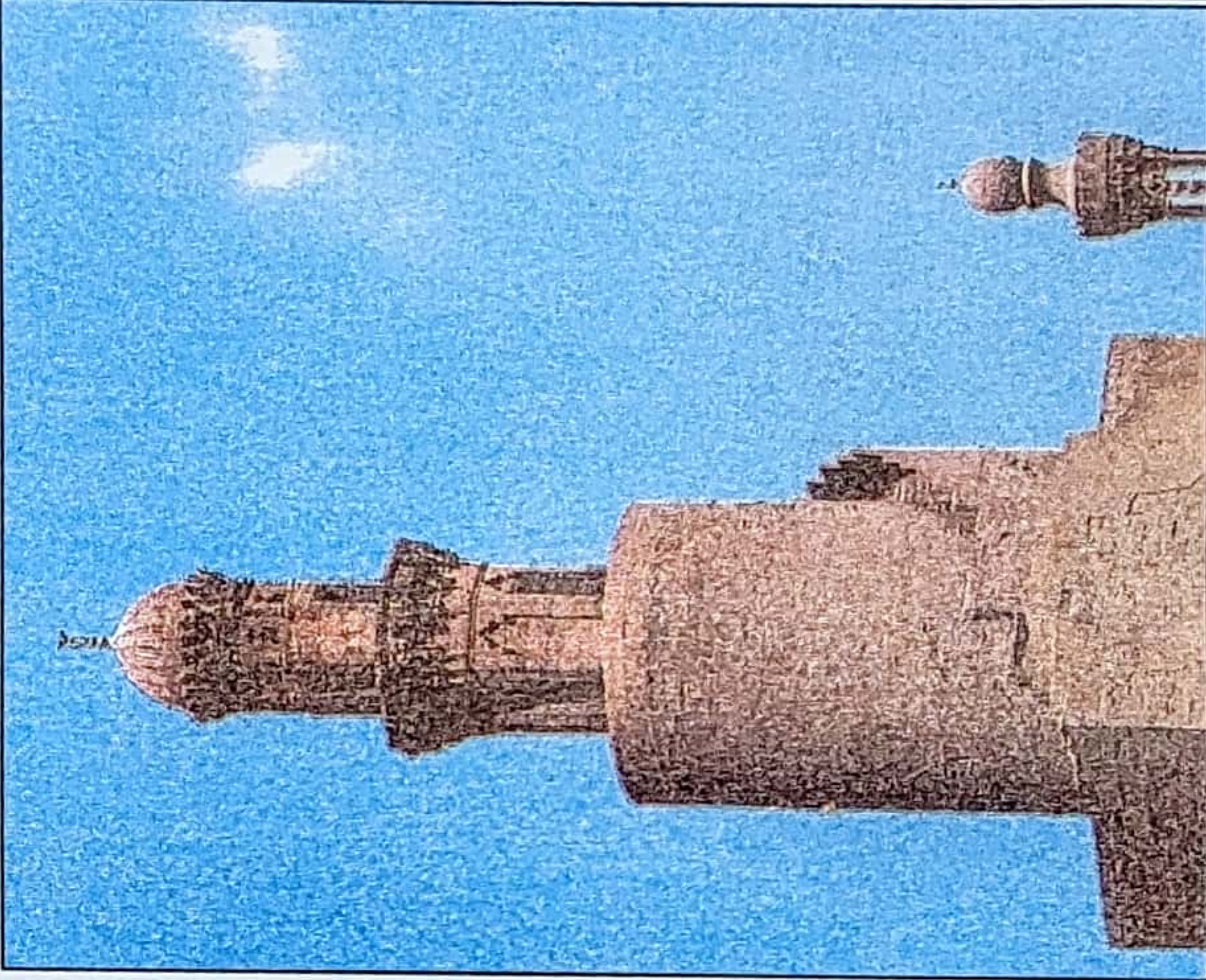
تصویر نمبر ۵۴ (۲۲) قاہرہ مصر میں مسجد ابن طولون کا مینار
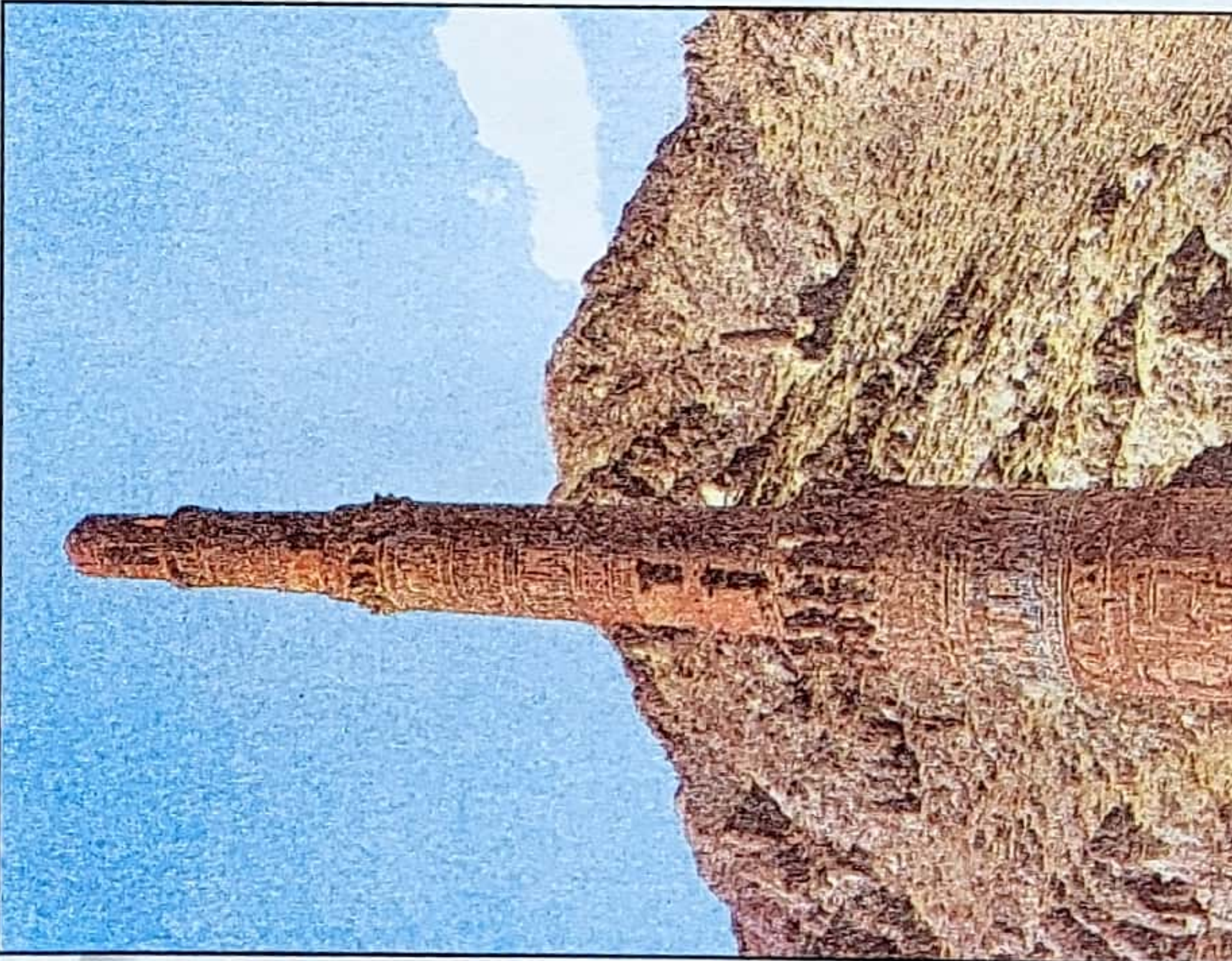
تصویر نمبر ۵۵ (۲۳) دشام، افغانستان میں مسجد گردیز کا مینار

تصویر نمبر ۵۶ (۲۴) ایک مسجد کا مینار
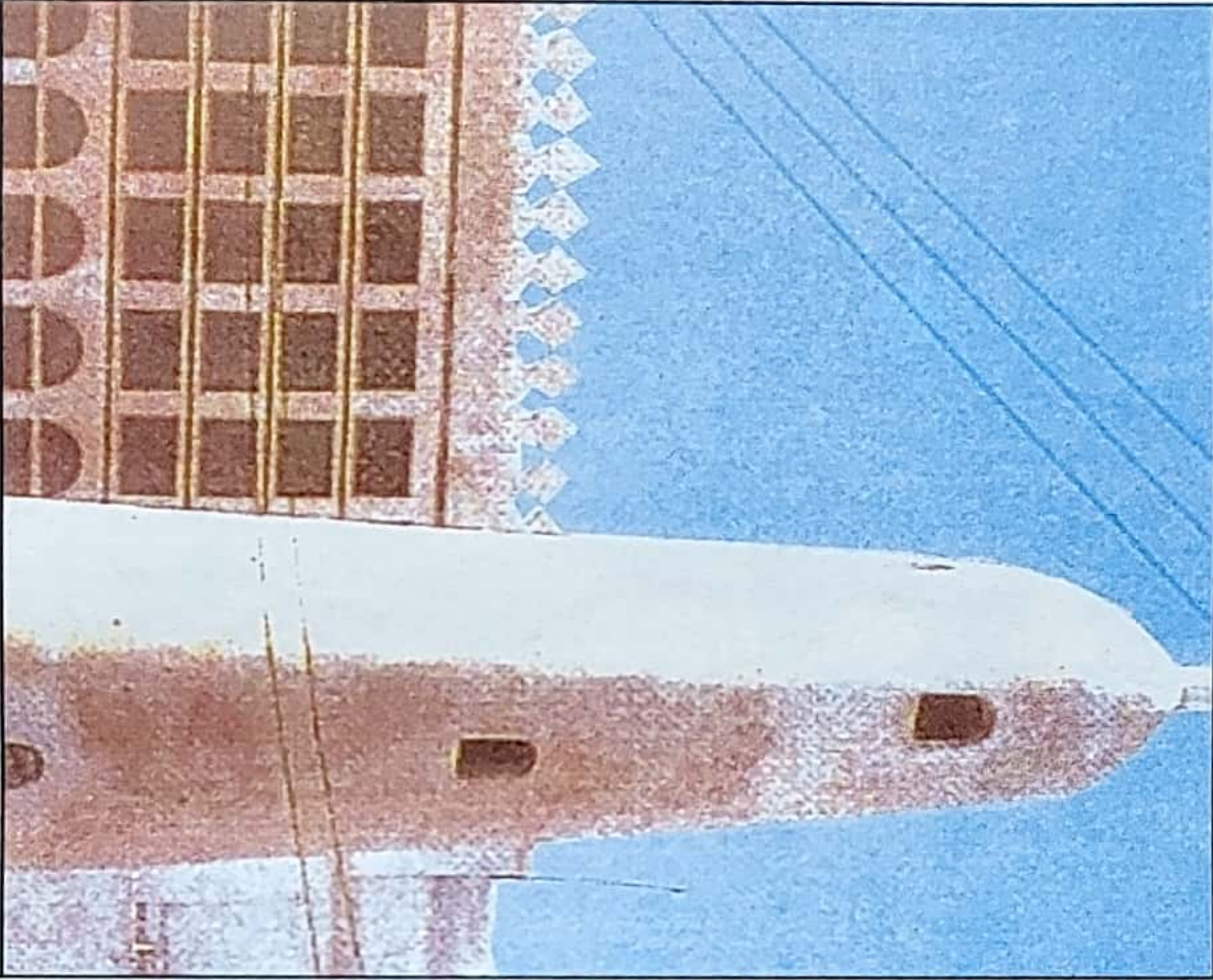
تصویر نمبر ۵۷ (۲۷) غزنی افغانستان میں مسجد سلطان بہرام کا مینار

تصویر نمبر ۵۸ (۲۶) خوارزم (خیوہ) ازبکستان میں مسجد السلام خوجہ کا مینار
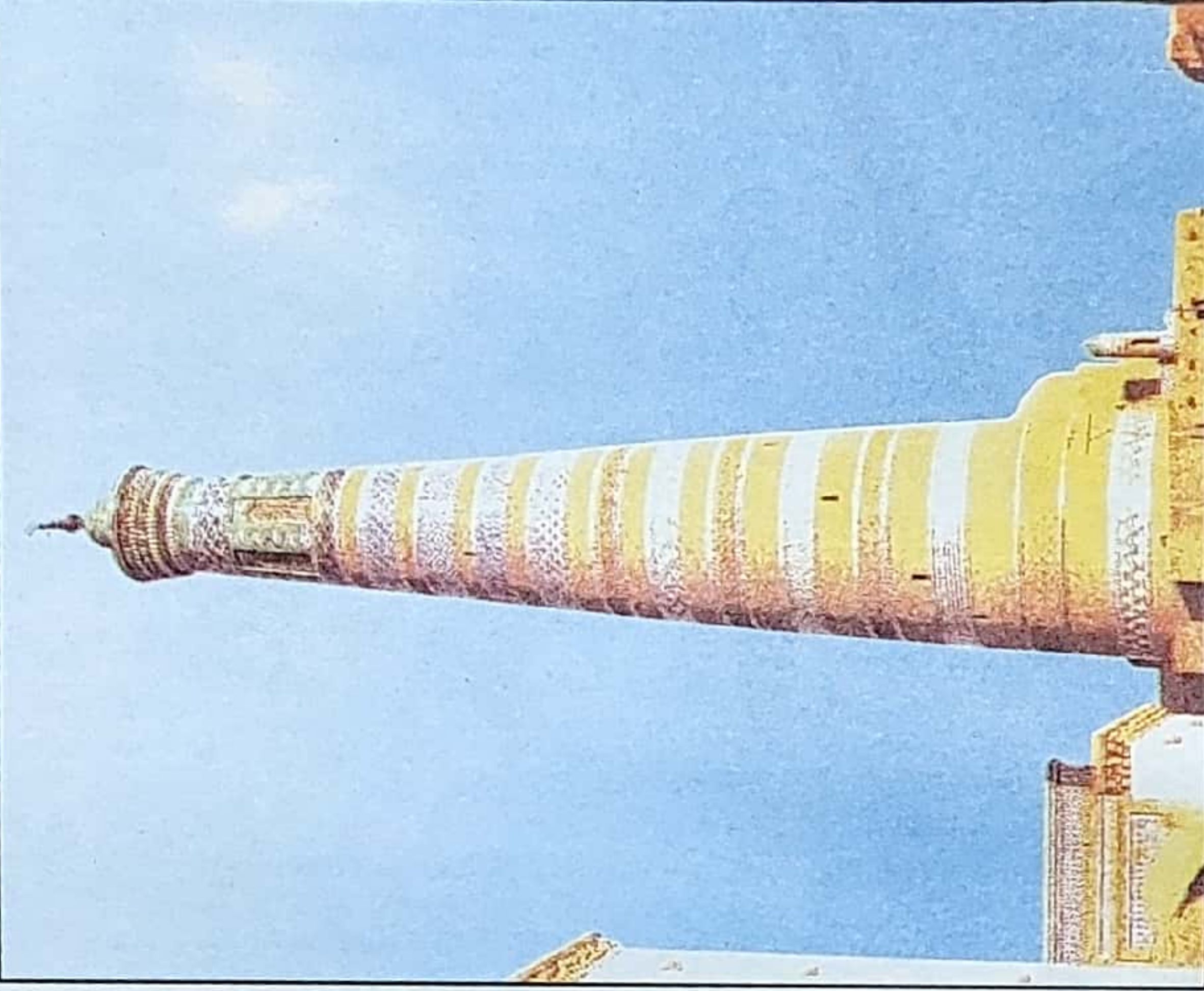
تصویر نمبر ۵۹ (۲۷) آگرہ ہندوستان میں ملکہ تاج محل کے مزار کا مینار
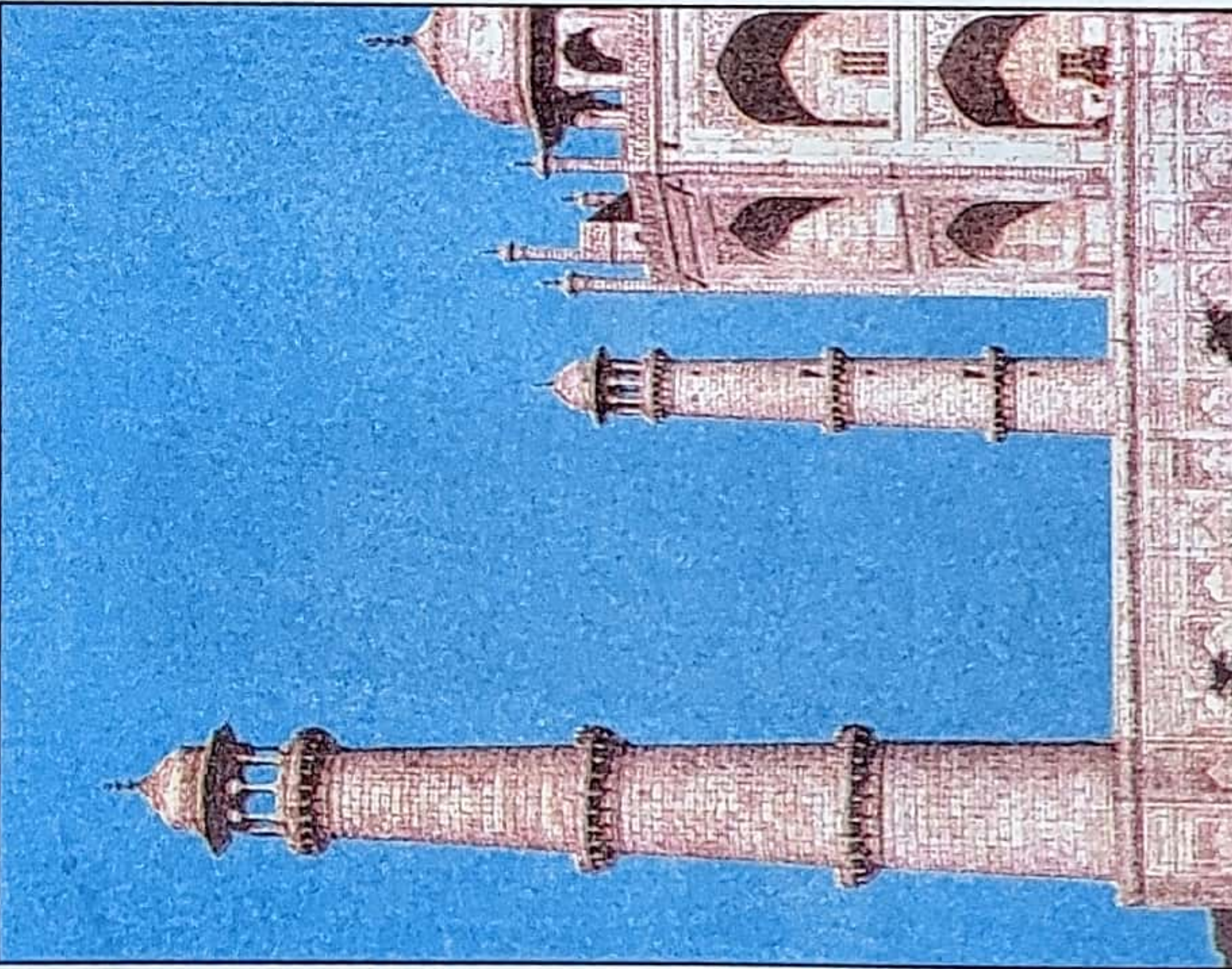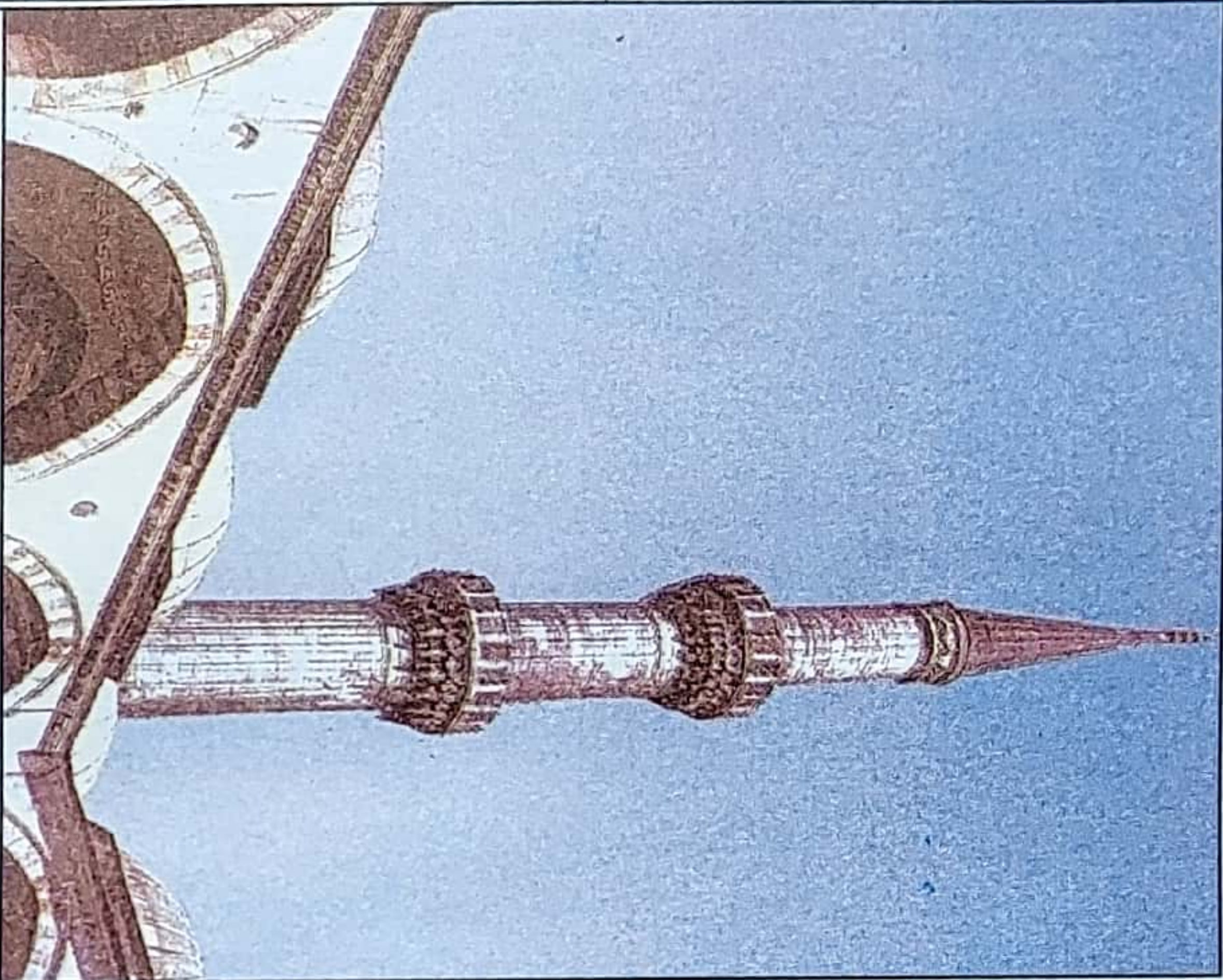
تصویر نمبر ۶۰ (۲۸) استنبول، ترکی میں مسجد احمدی کا مینار
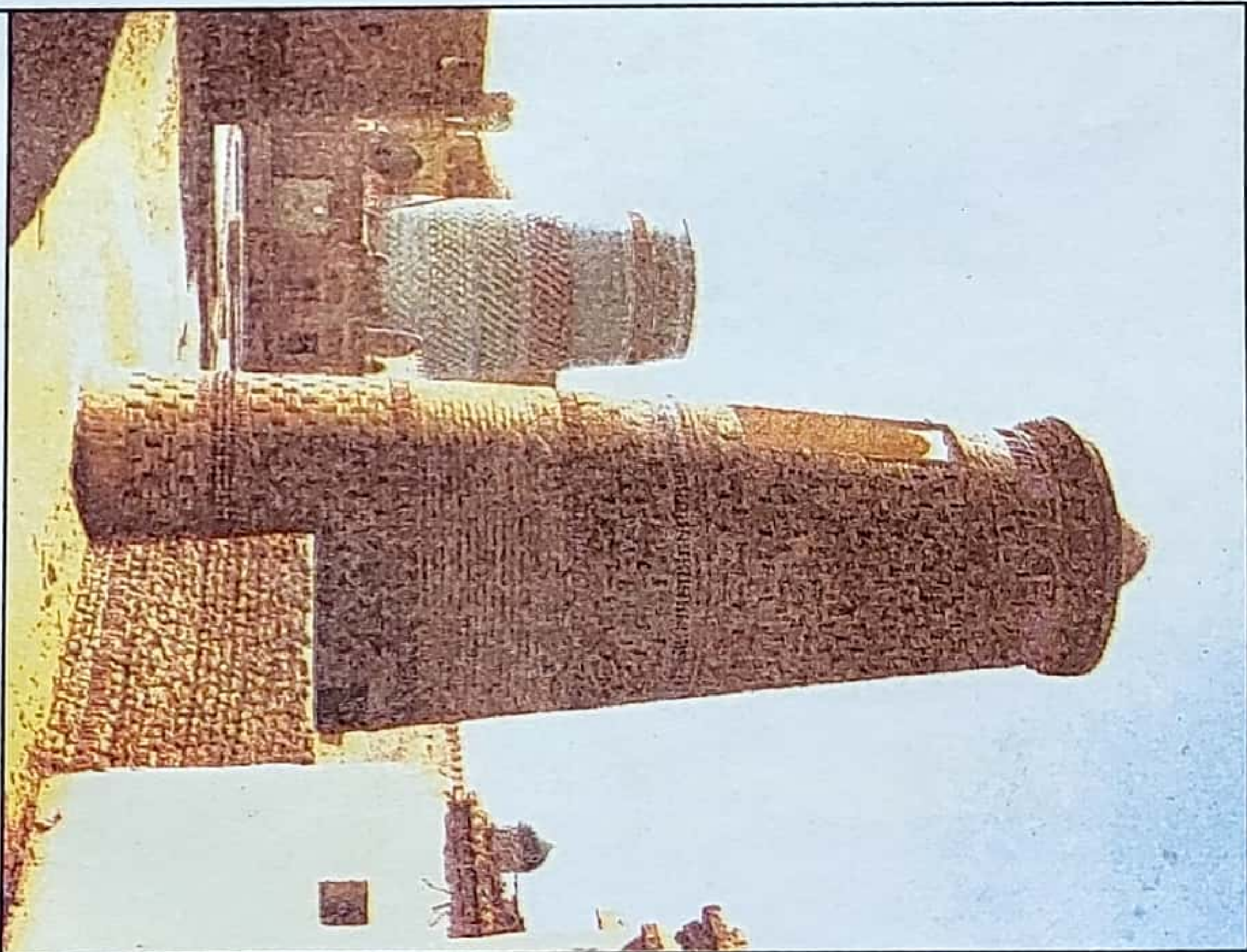
تصویر نمبر ۶۱ (۲۹) خوارزم (خیوہ) ازبکستان میں مسجد جمعہ کا مینار

تصویر نمبر ۶۲ (۳۰) سمرقند، ازبکستان میں مسجد بی بی خانم کا مینار
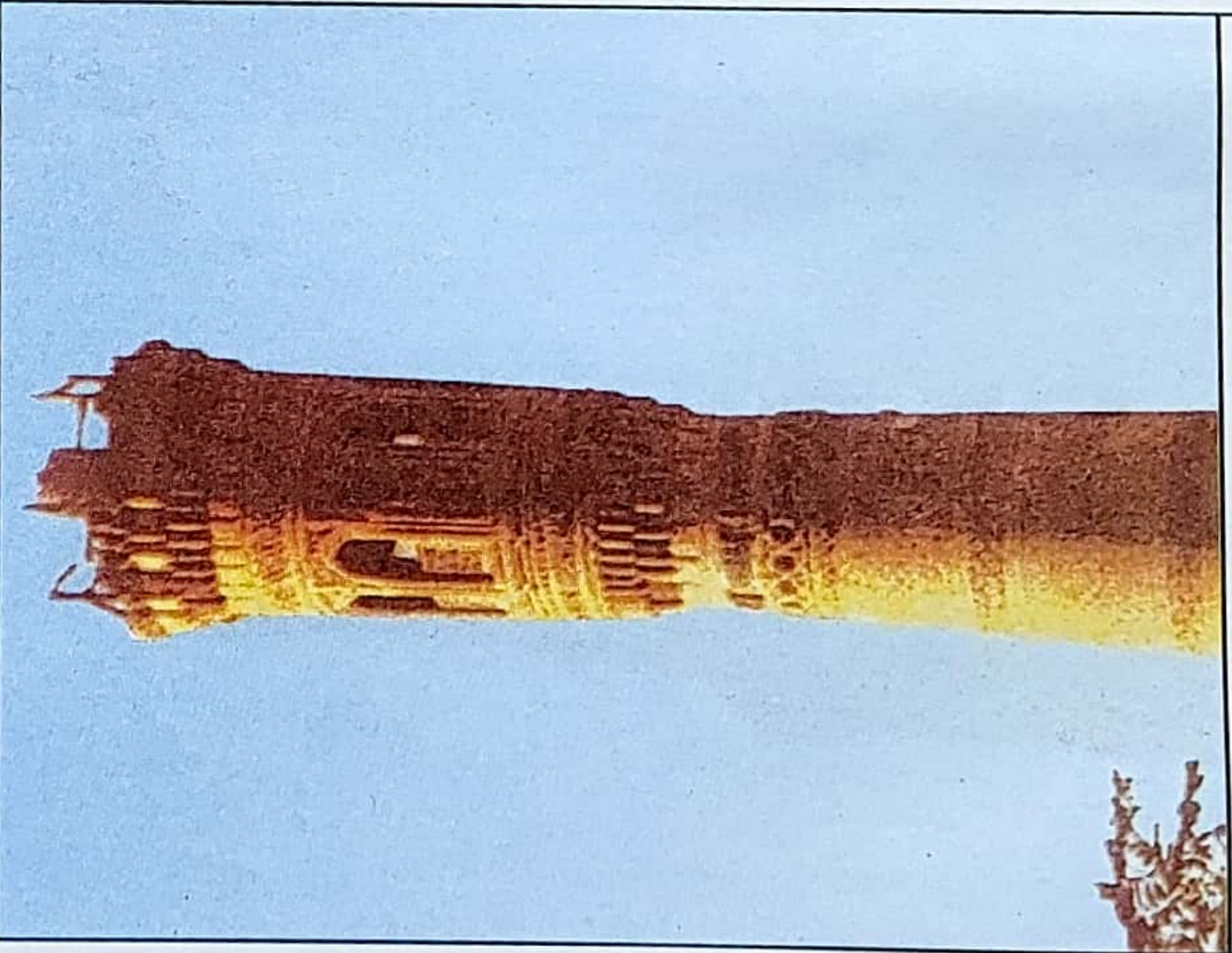
تصویر نمبر ۶۳ (۳۱) وابکنہ ازبکستان میں سنتی مینار
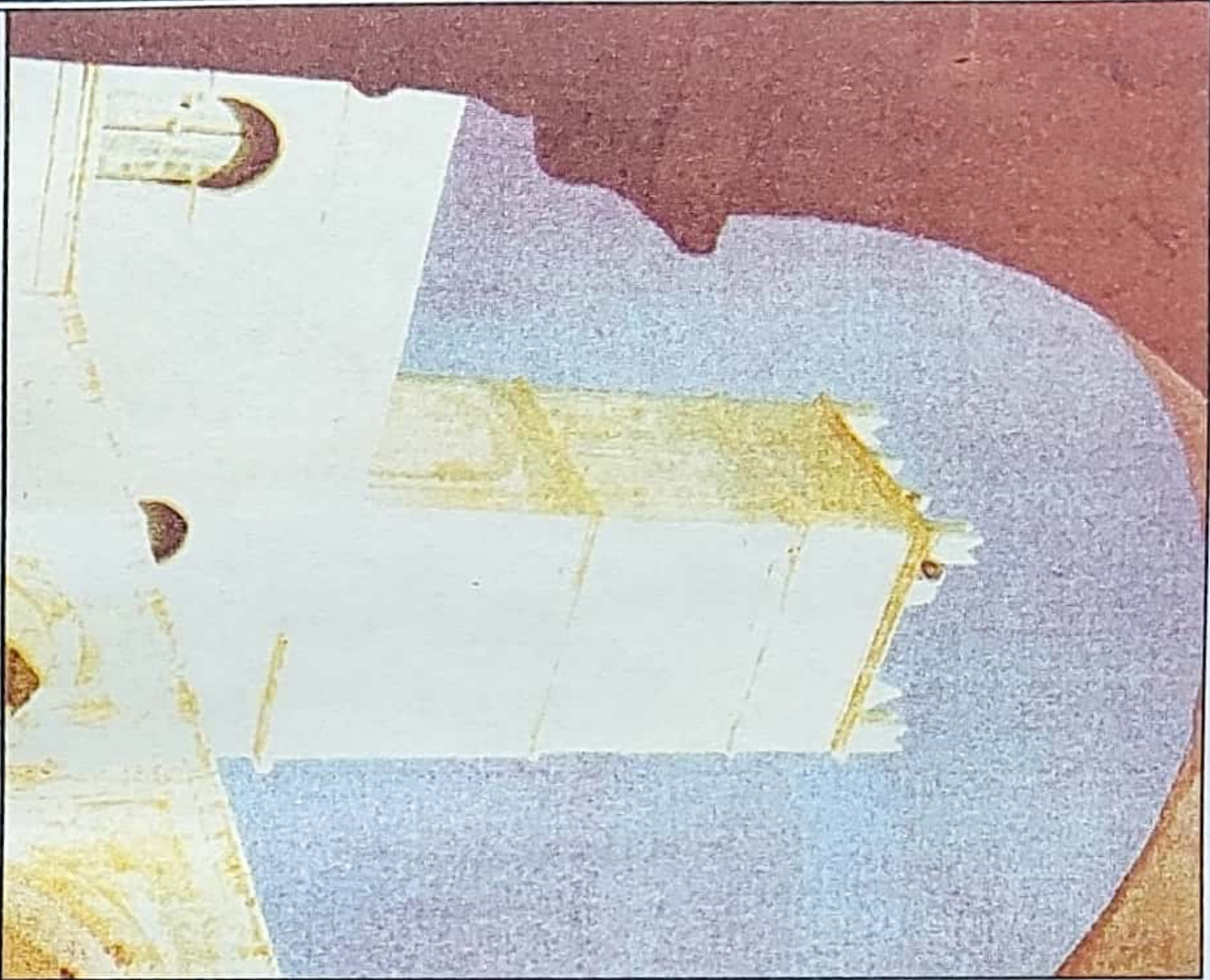
تصویر نمبر ٦٤ (٣٢) جنزور لیبیا میں مسجد زاویہ عمورہ کا مینار
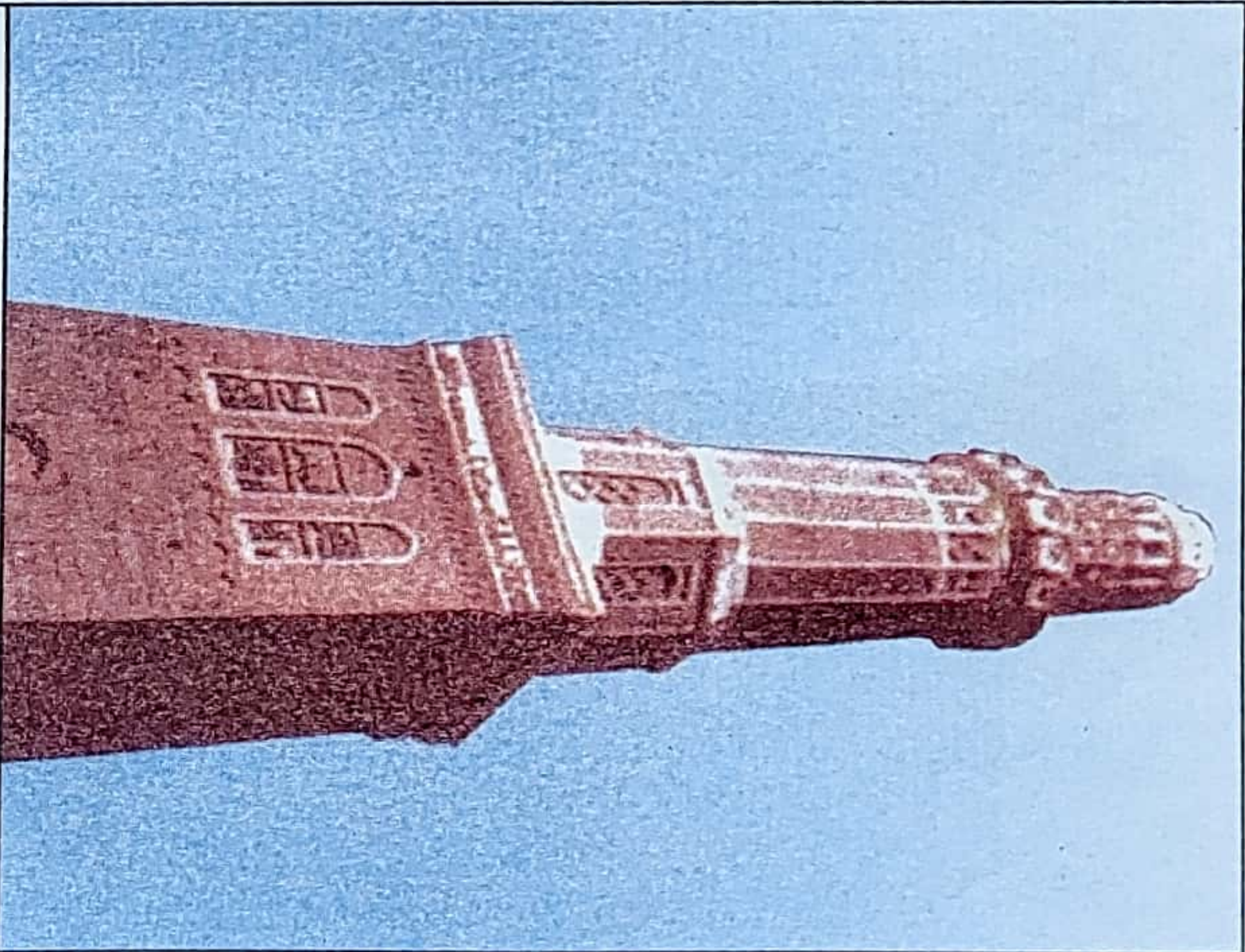
تصویر نمبر ٦٥ (٣٣) صنعاء یمن میں جامع مسجد کا مینار
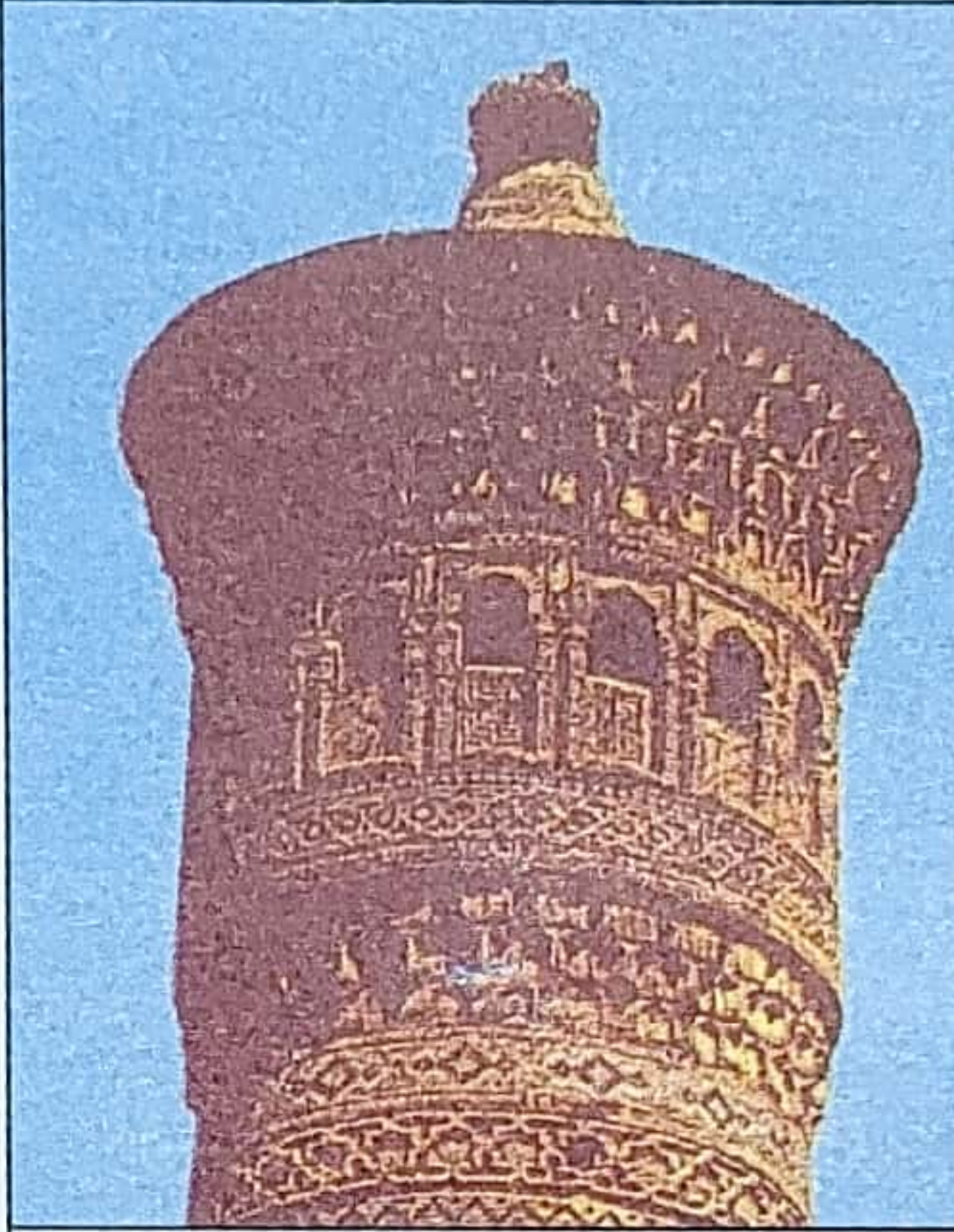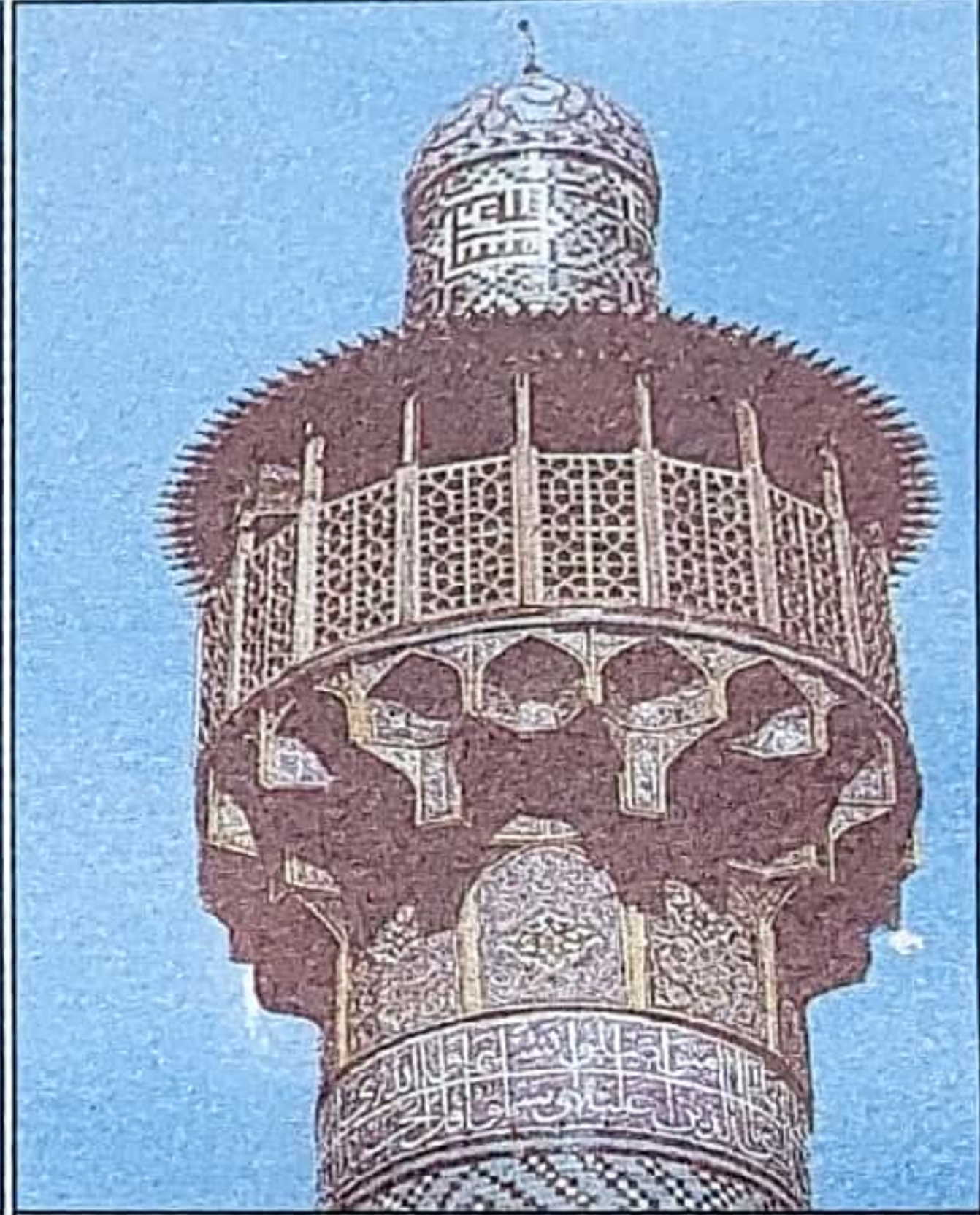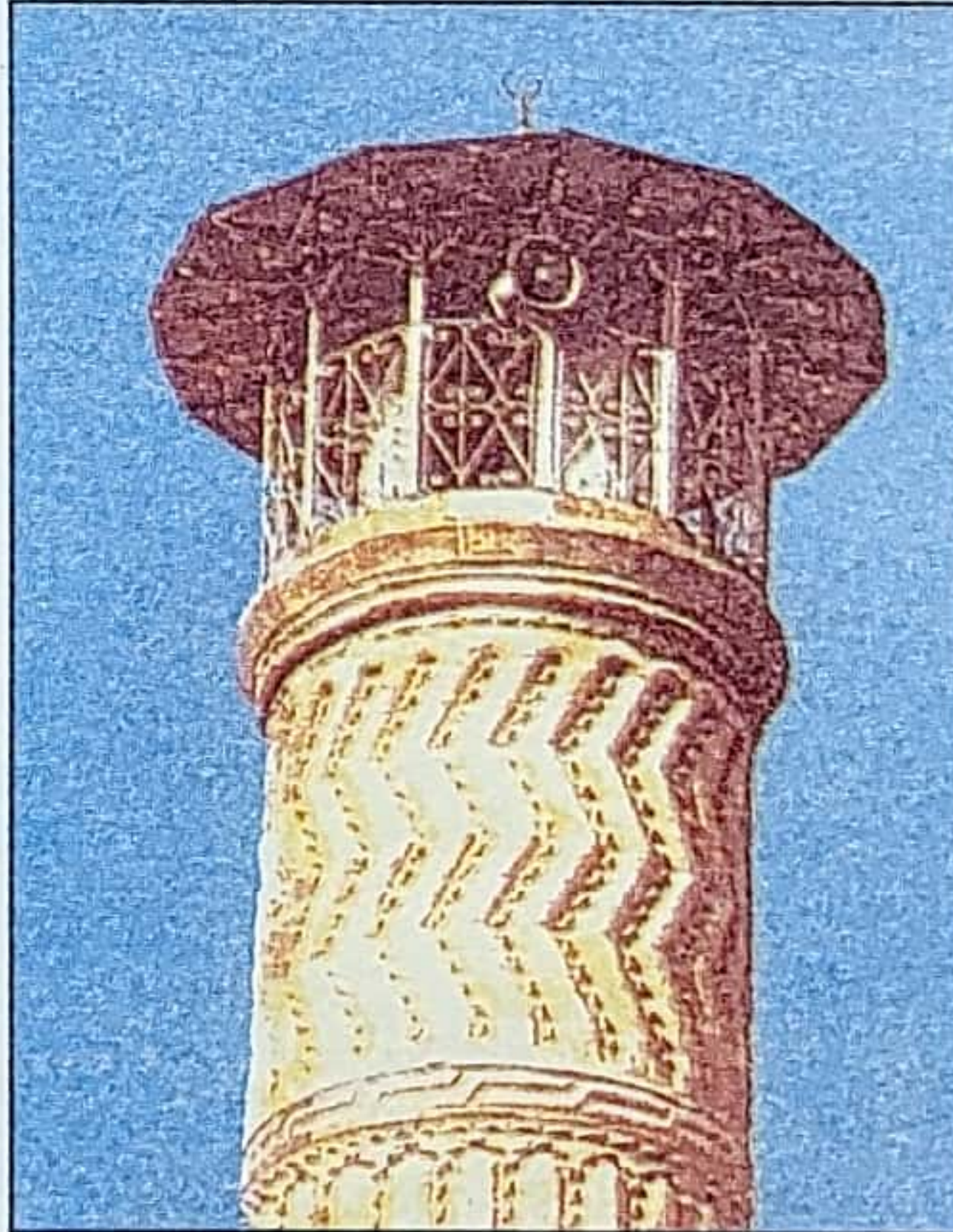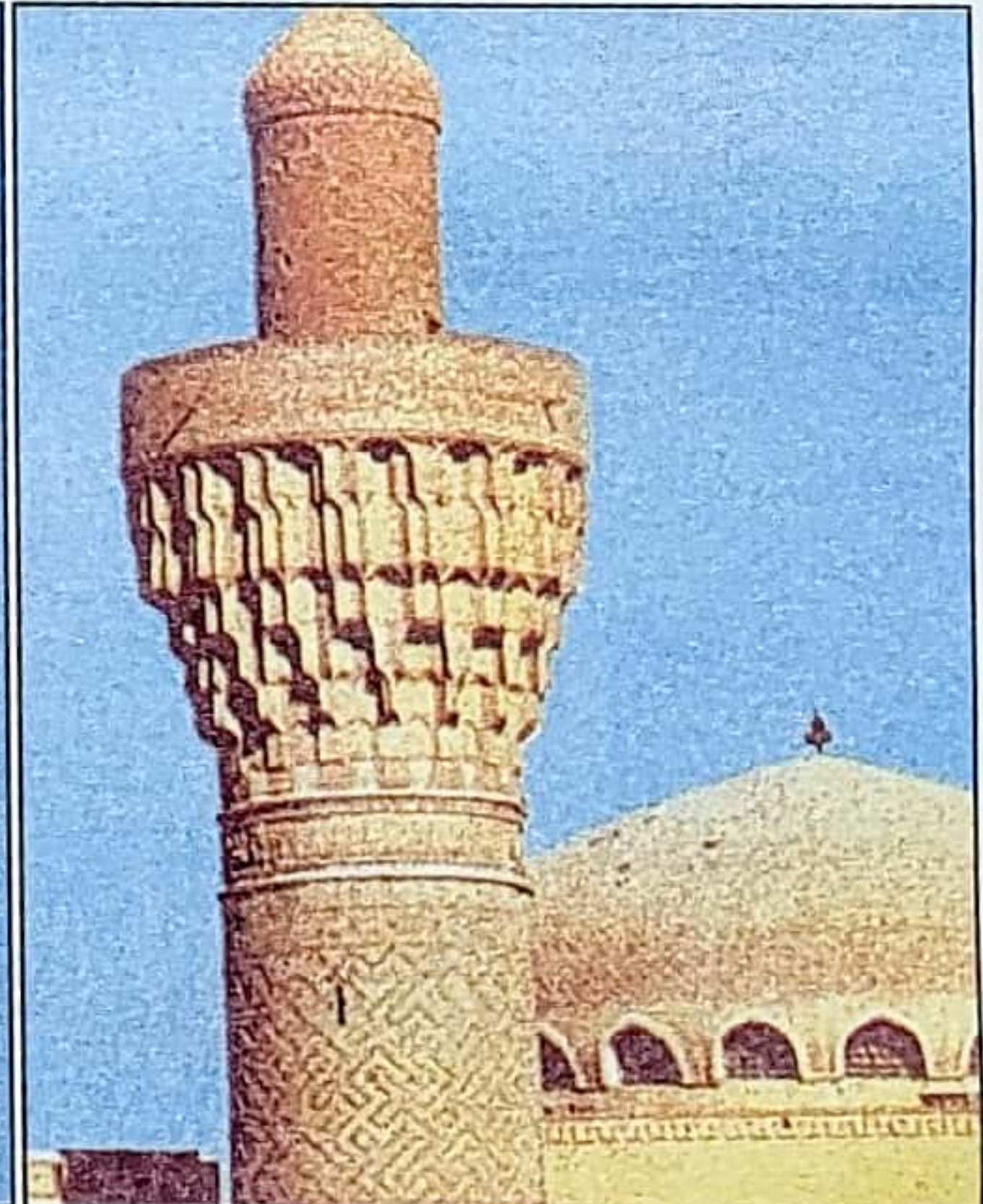
تصویر نمبر ۷۰ (۵) یزد کی جامع مسجد کا گلدستہ اذان
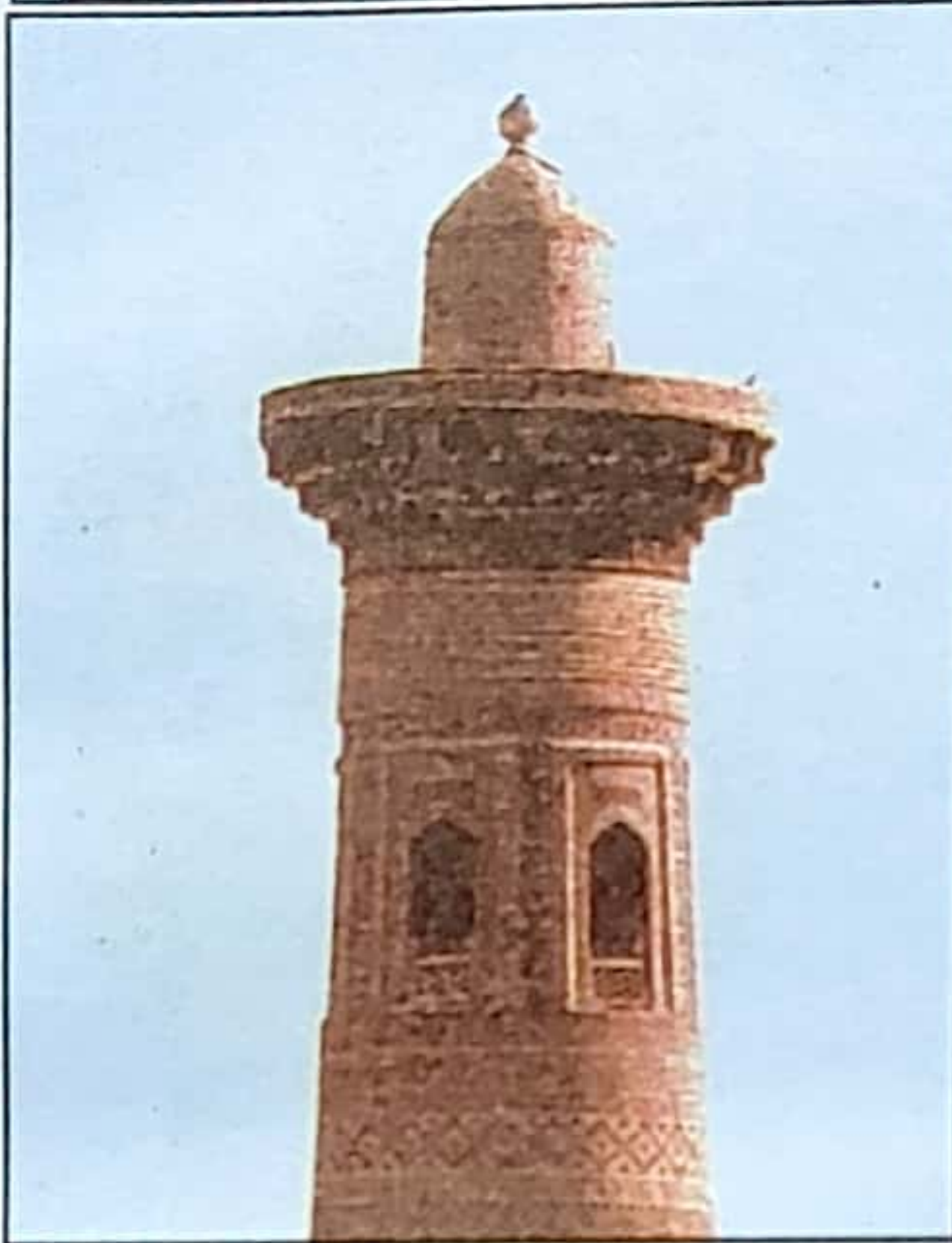
تصویر نمبر ۷۱ (۶) خیوہ (خوارزم) کی مسجد یارباٸی کا گلدستہ اذان

تصویر نمبر ۷۲ (۷) حلب کی مسجد زکریا کا گلدستہ اذان
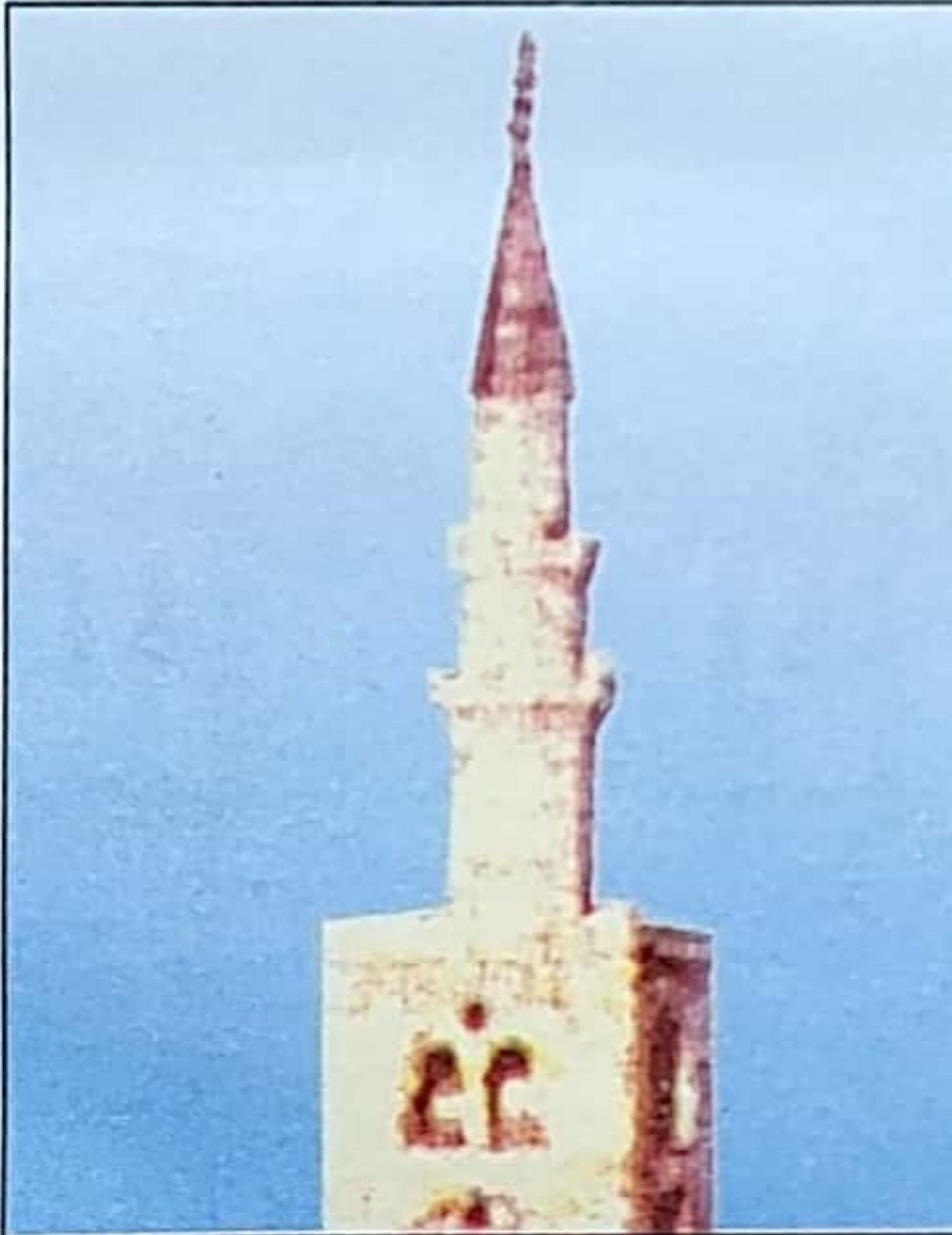
تصویر نمبر ۷۳ (۸) دمشق کی جامع مسجد اموی کا گلدستہ اذان
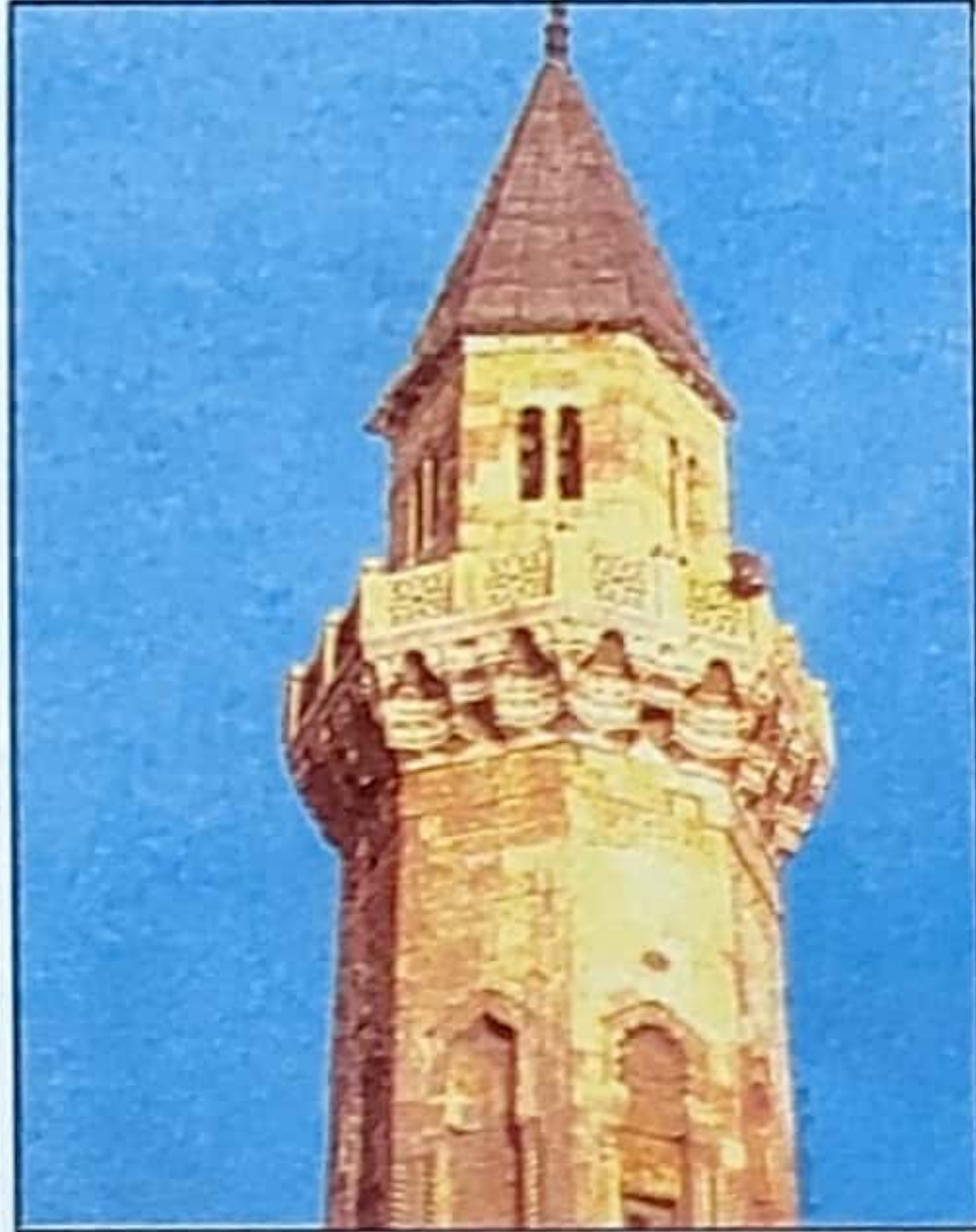
تصویر نمبر ۸۲ (۱) ہرات کی مسجد جمعہ کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۸۳ (۲) بخارا میں مدرسہ چار مینار کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۸۴ (۳) قاہرہ میں مسجد ابن قلاوون کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۸۵ (۴) قاہرہ میں جامع الازہر کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۸۶ (۵) لیبیا میں مسجد سیدی سالم کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۸۷ (۶) استنبول میں مسجد سلمانیہ کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۸۸ (۷) لیبیا میں جامع مسجد قرجی کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۸۹ (۸) قاہرہ میں فاطمی حکمران کی مسجد کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۹۰ (۹) آگرہ انڈیا میں اعتماد الدولہ کی مسجد کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۹۱ (۱۰) قاہر میں مسجد قایتبای کے مینار کی چوٹی

تصویر نمبر ۹۲ (۱۱) قم میں حضرت فاطمہ معصومہ کے مزار کے مینار کی چوٹی
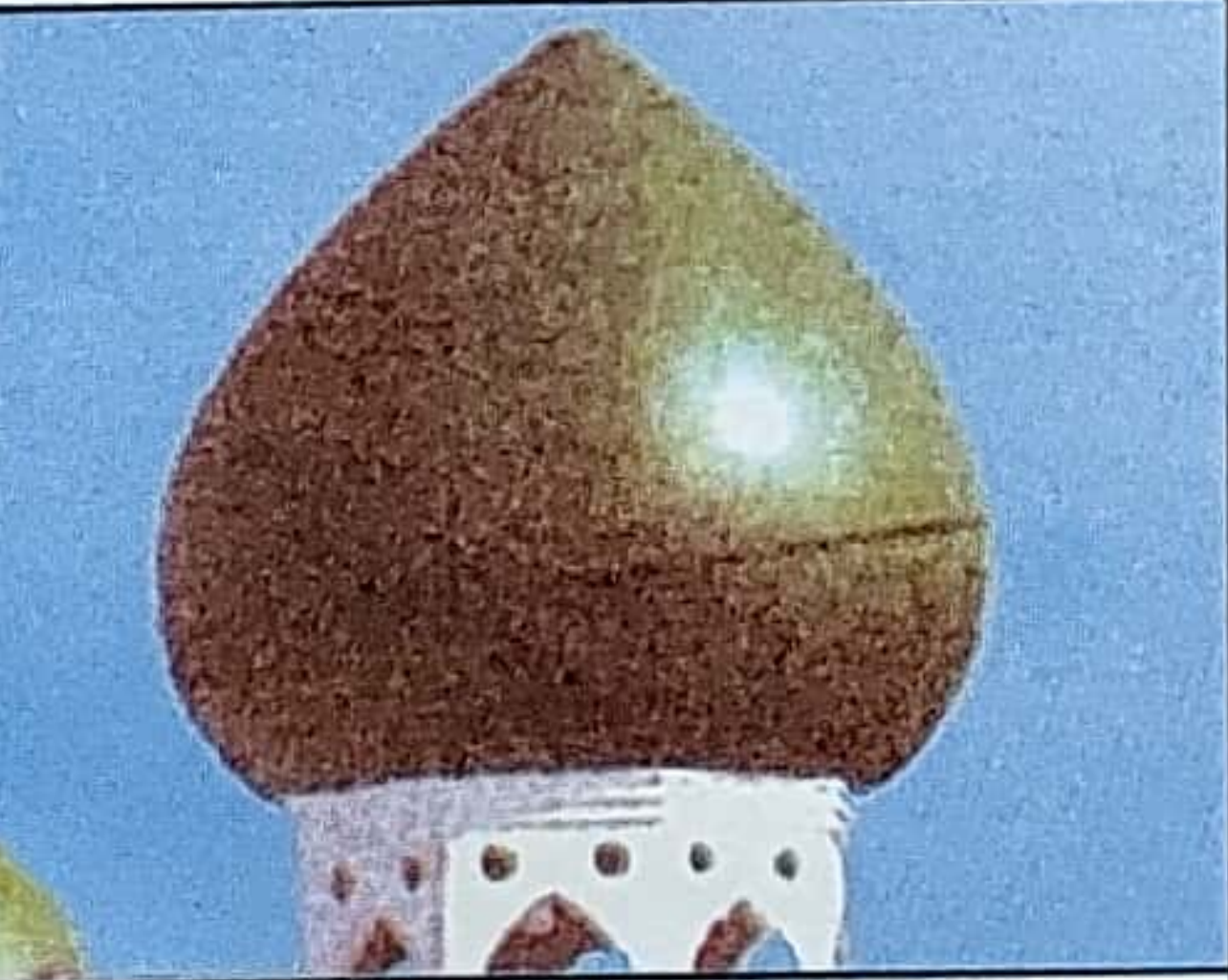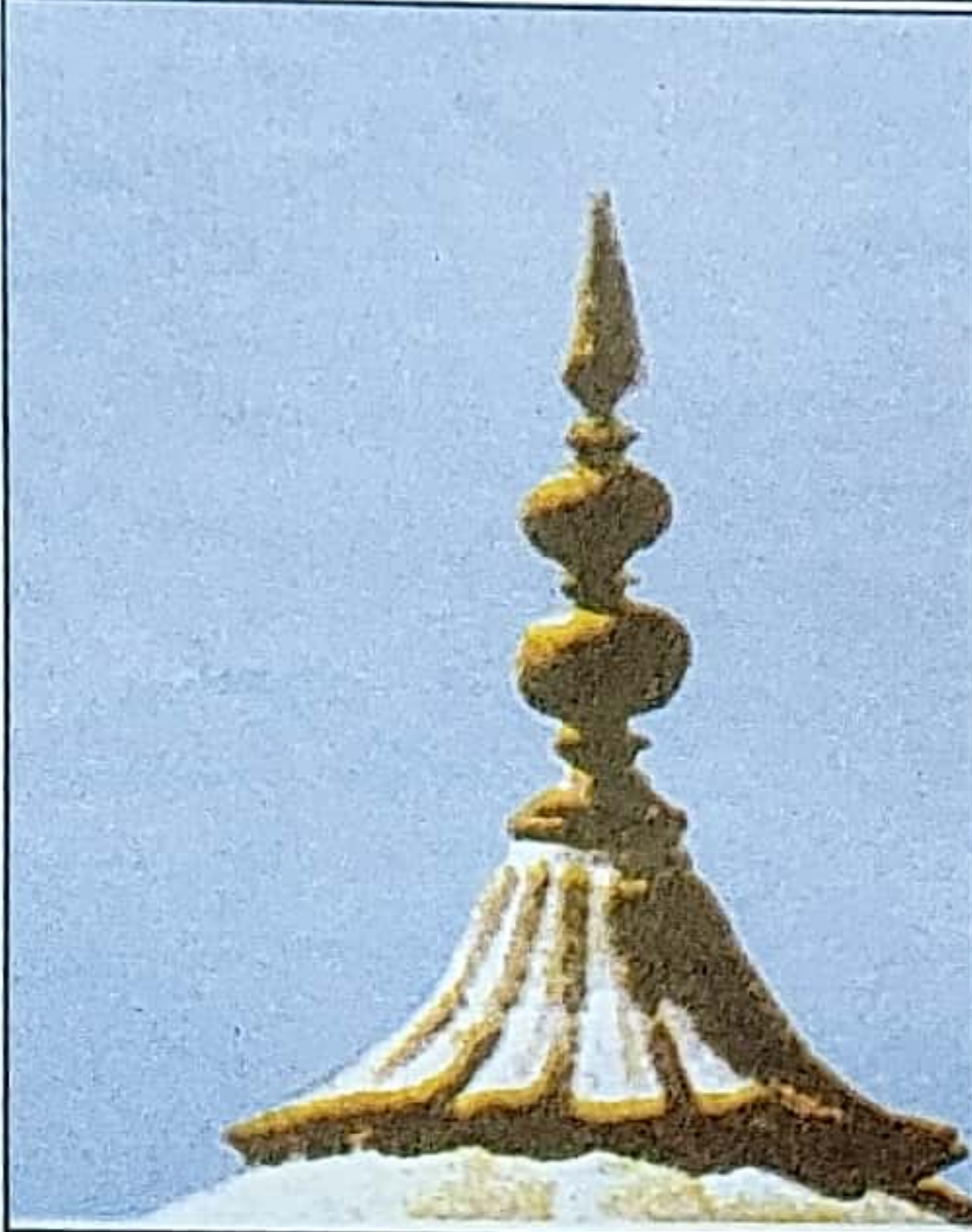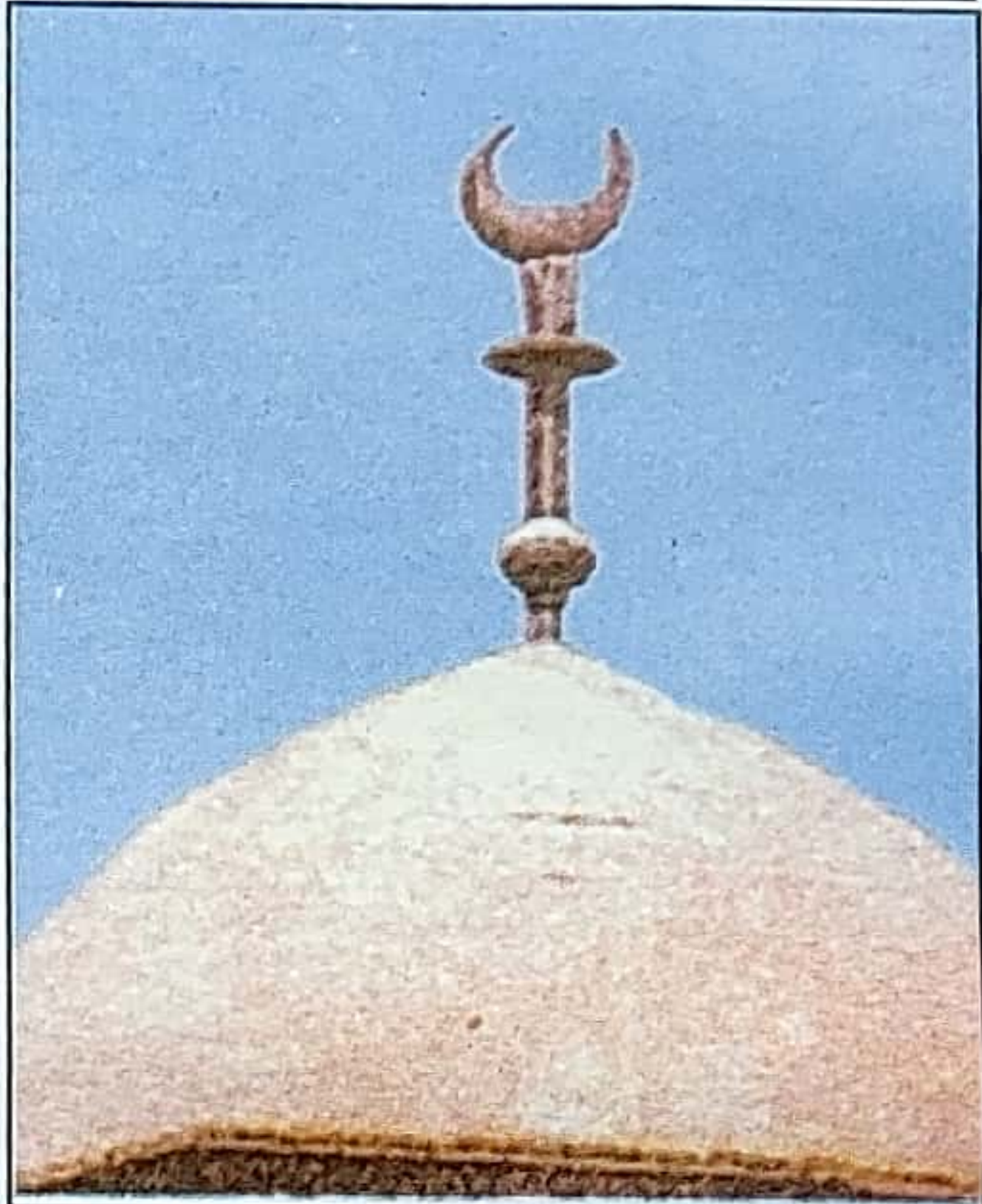
تصویر نمبر ۹۳ (۱۲) ویمبلڈن ۔ جنوبی لندن میں مسجد کے مینار کی چوٹی
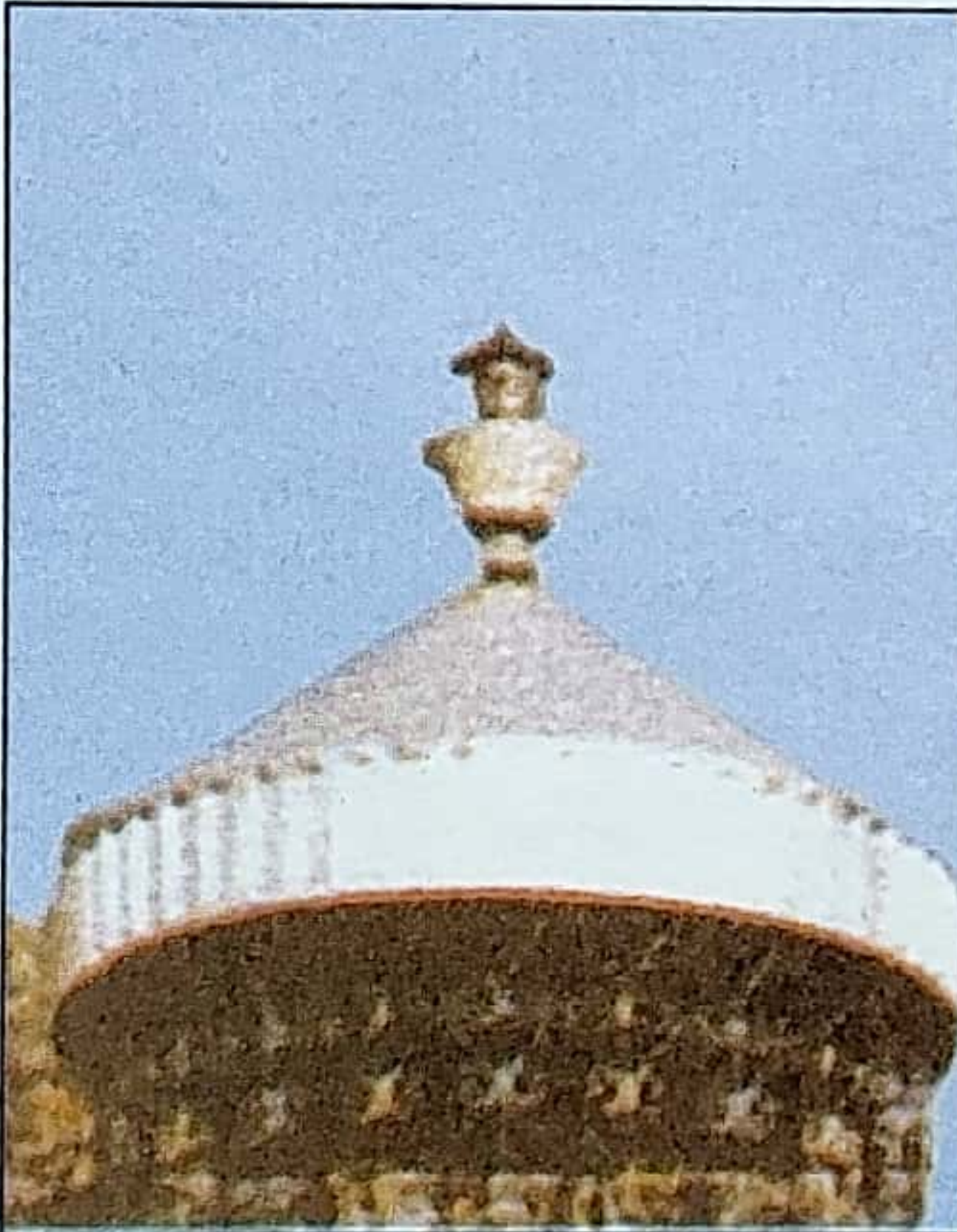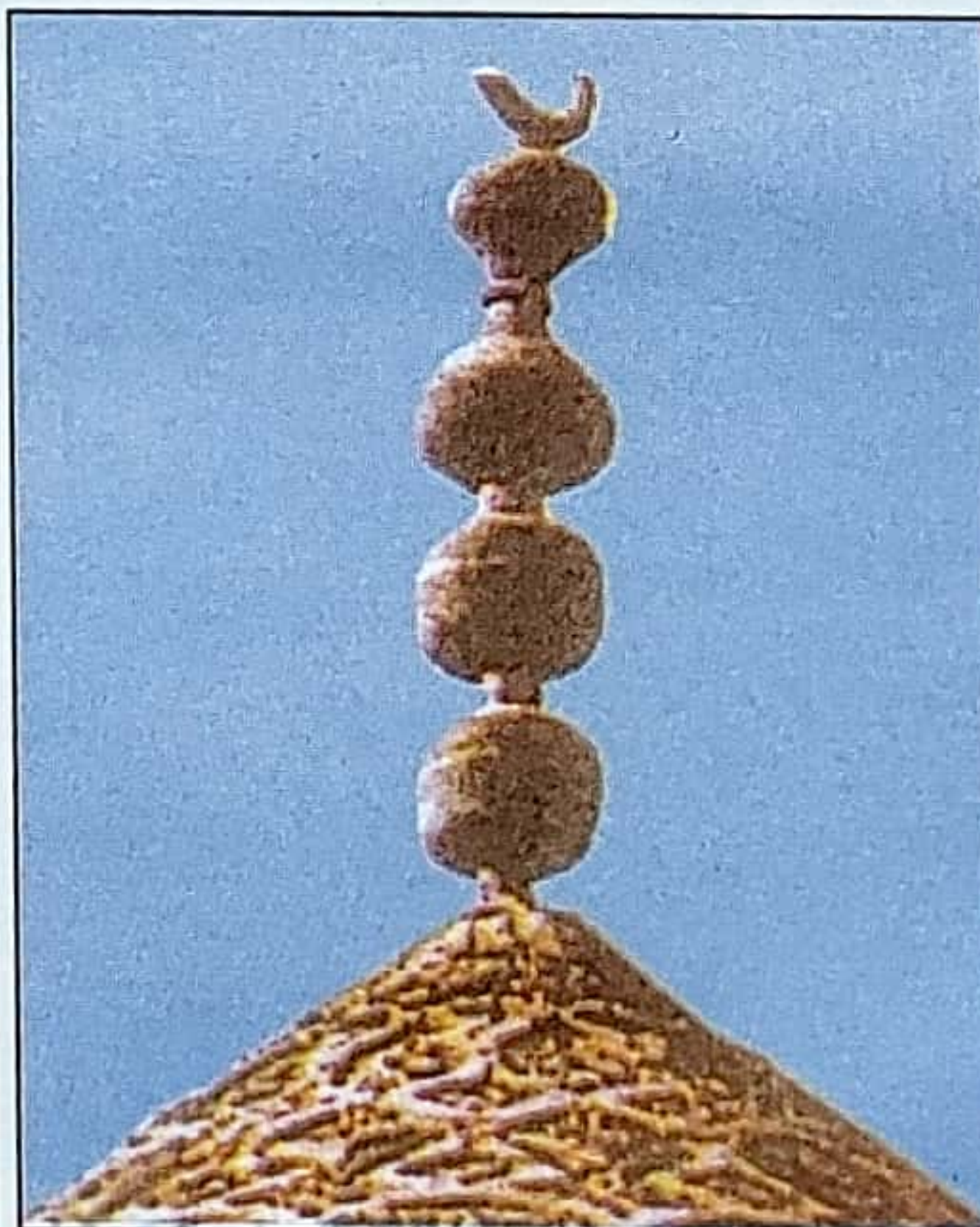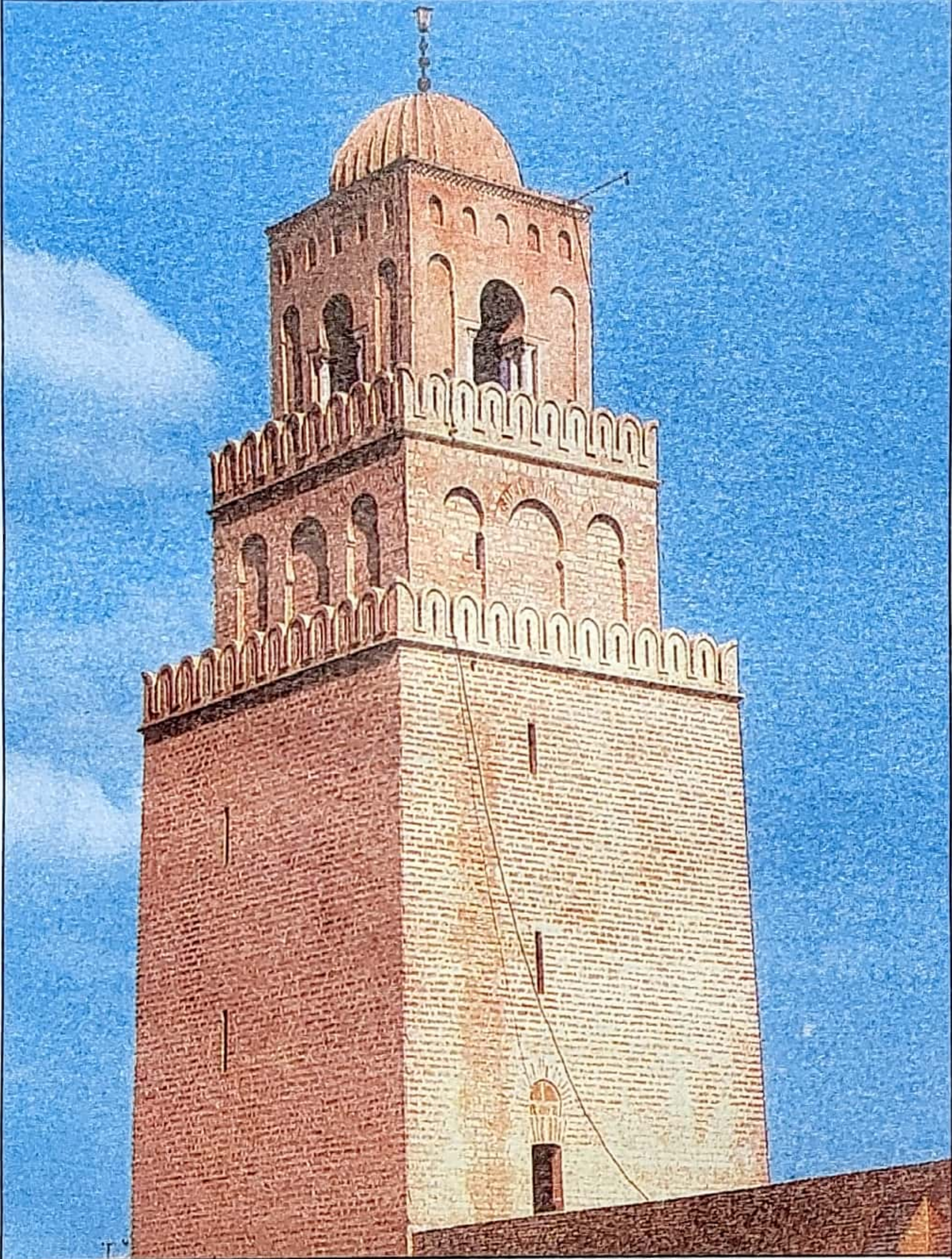
تصویرنمبر ۹۸(ا) تیونس میں جامع مسجد قیروان کا مینار
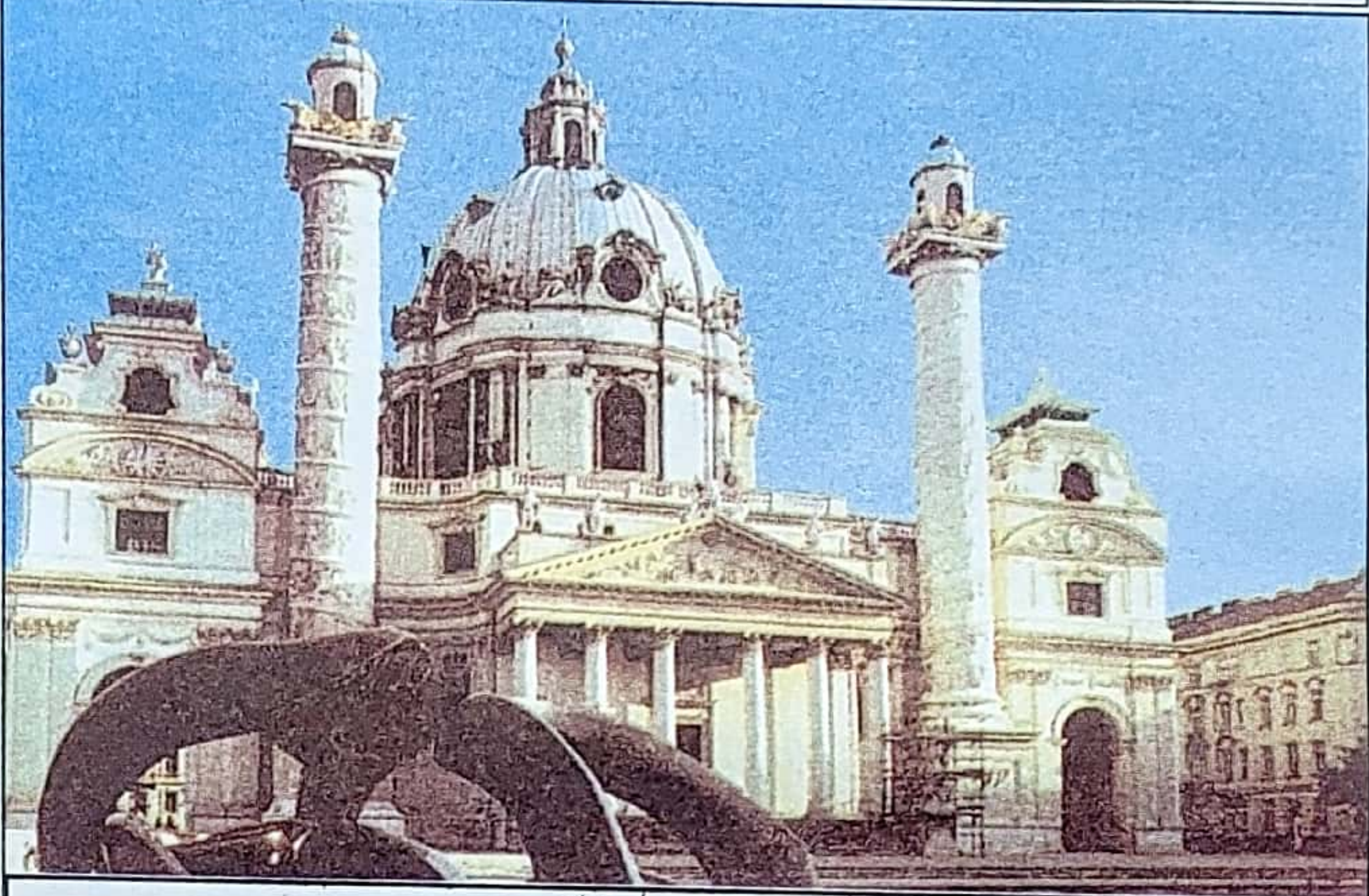
تصویر نمبر۹۹ (۲) چارلس کا کلیسا

تصویر نمبر۱۰۰ (۳) شاہی خیمہ
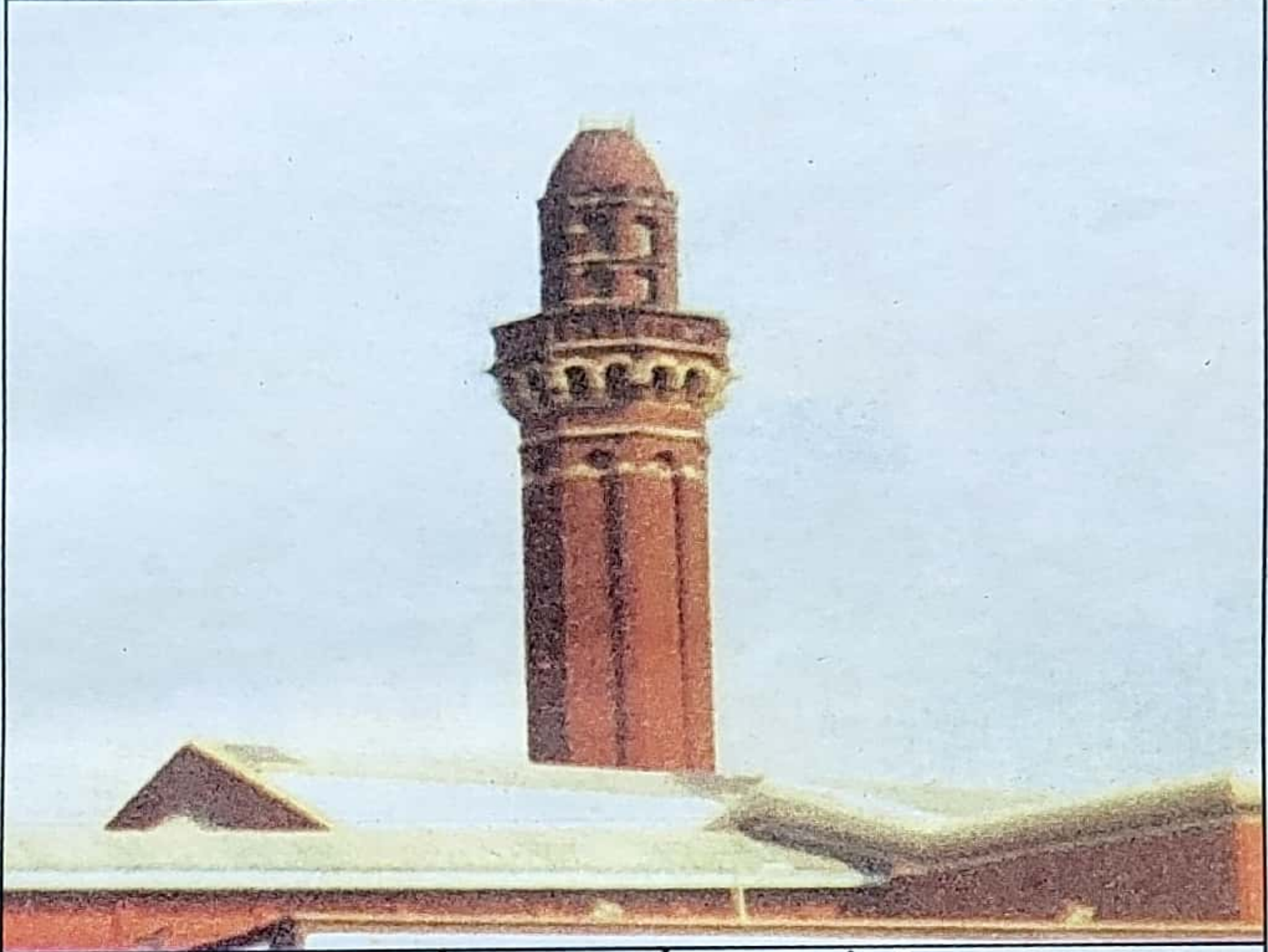
تصویر نمبر ۱۰۱ (۴)　مانچسٹر برطانیہ میں اسٹرنج ویز ٹاور
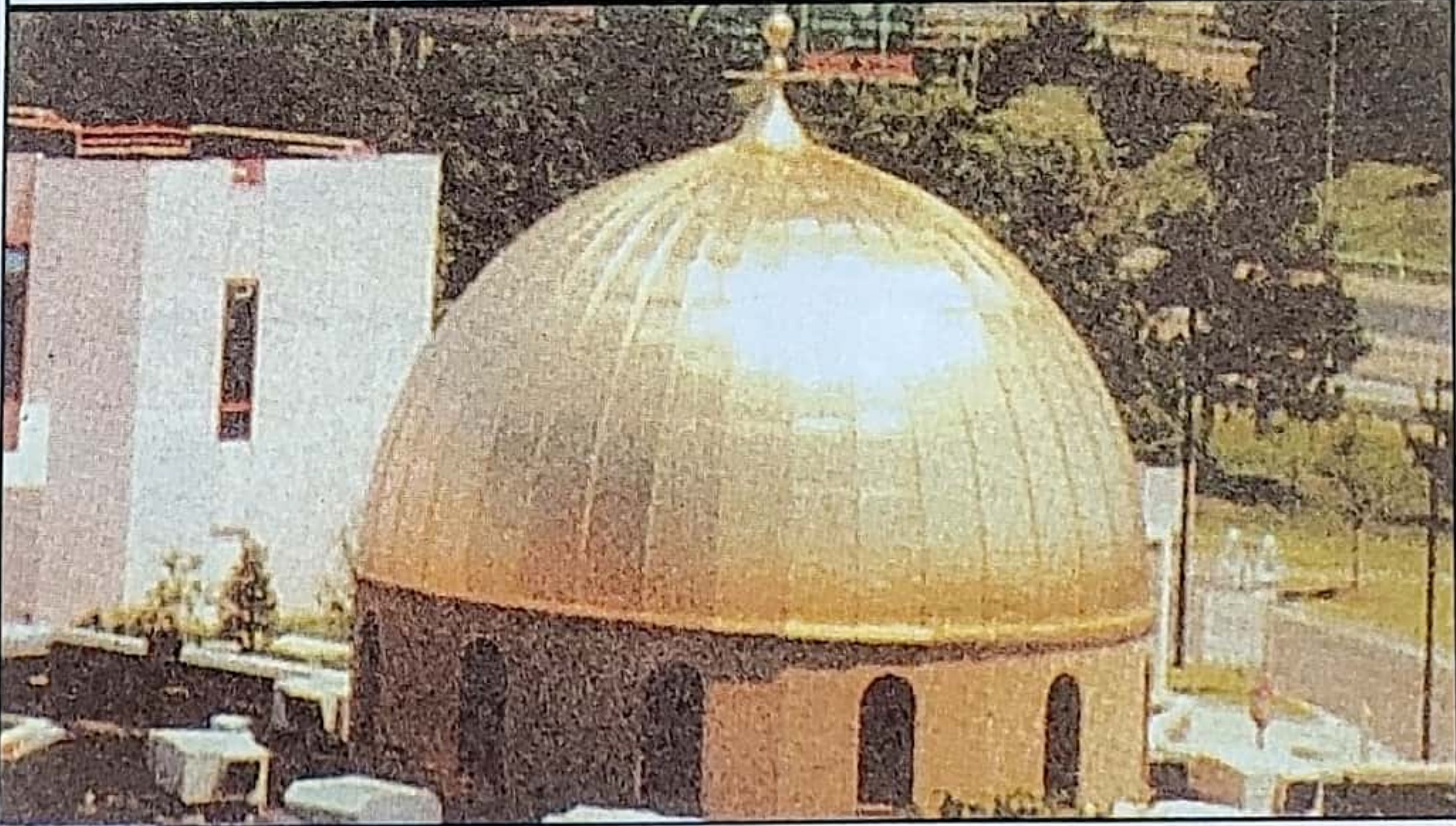
تصویر نمبر ۱۰۲ (۵)　سینٹ جاڈ ہاسپٹل
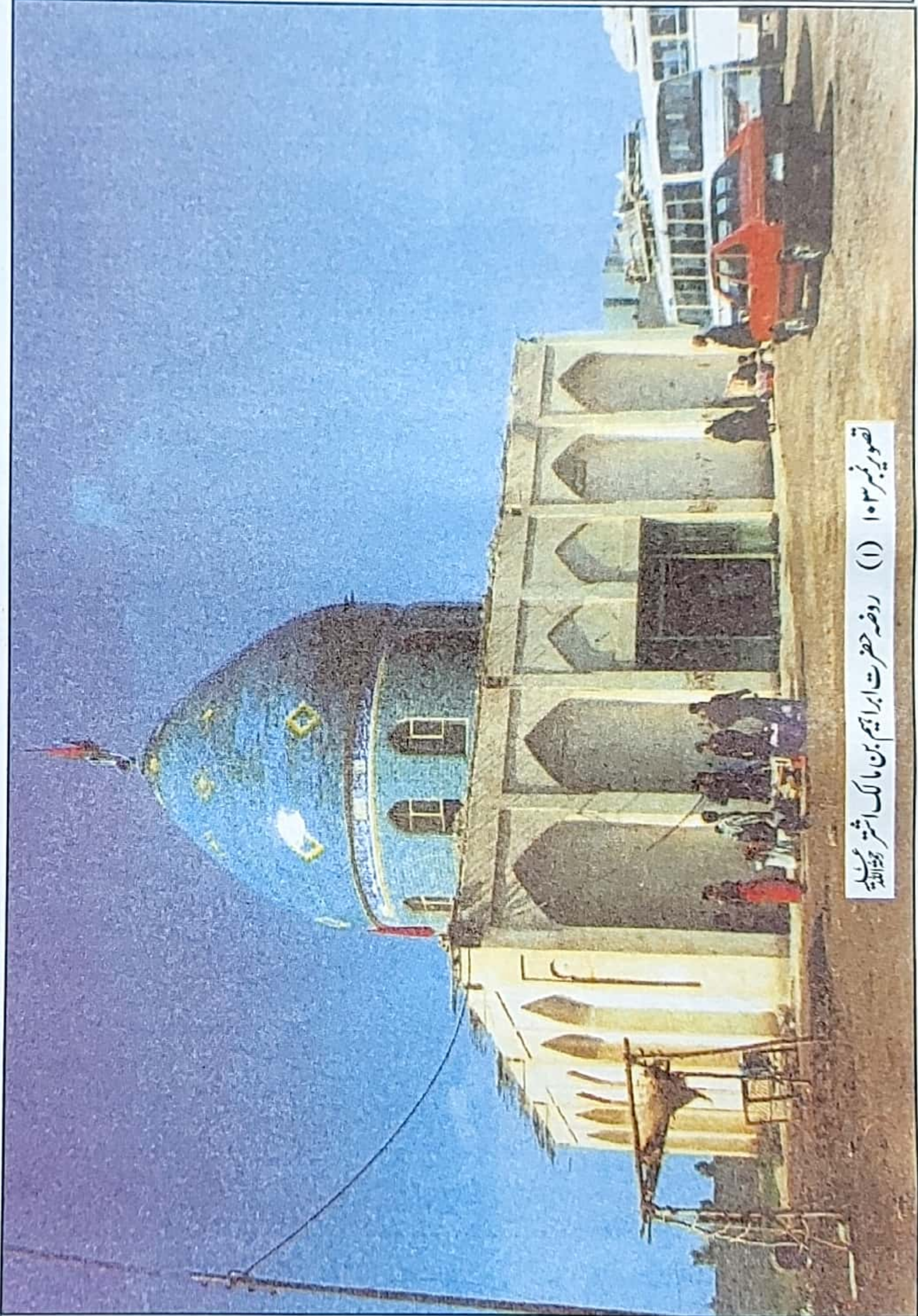
تصویر نمبر ۱۰۳ (ا) روضہ حضرت ابراہیم بن مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ

تصویر نمبر۱۰۴ (۲) روضہ ابراہیم بن مالک اشتر کا اندرونی منظر
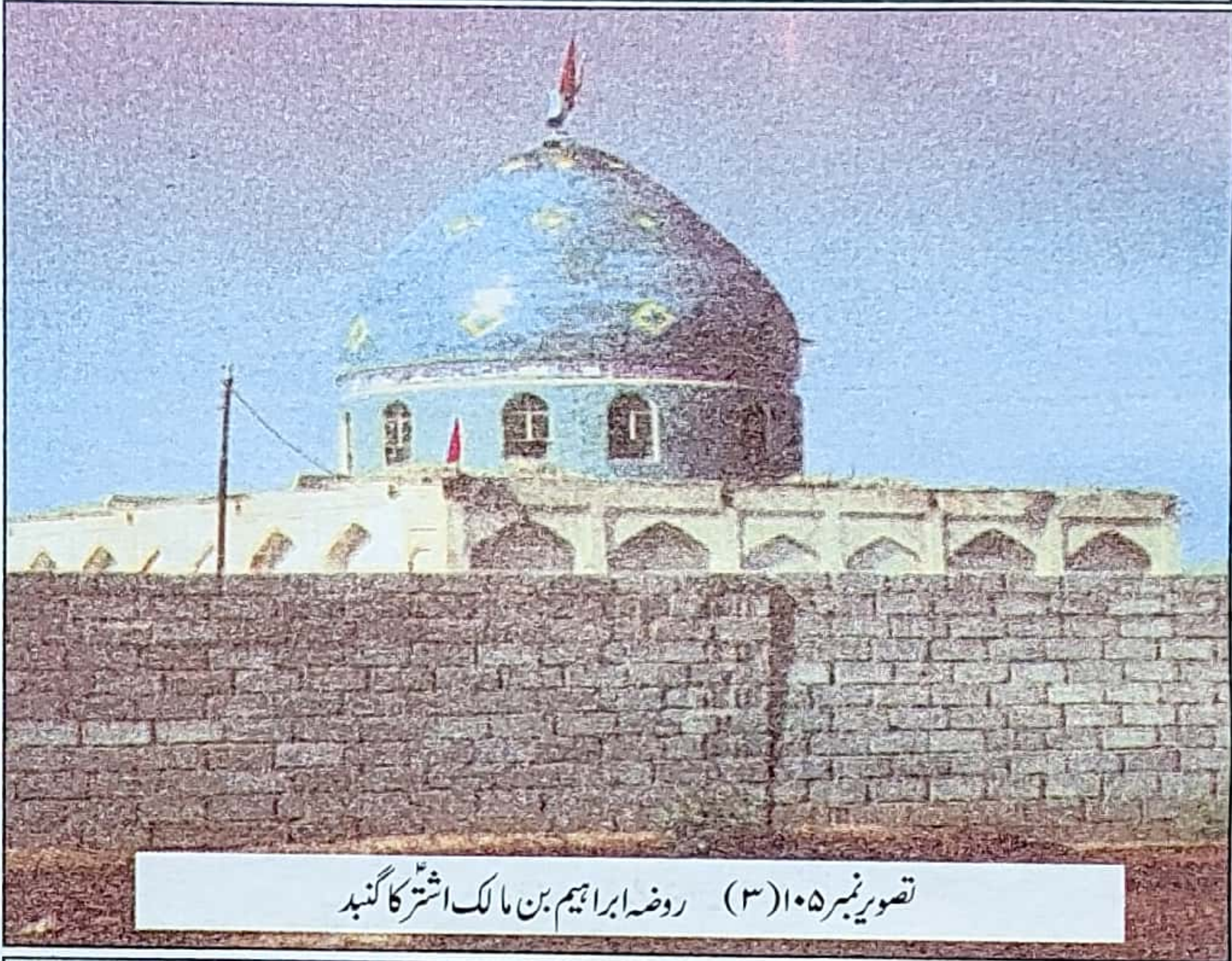
تصویر نمبر ۱۰۵ (۳) روضہ ابراہیم بن مالک اشترؒ کا گنبد
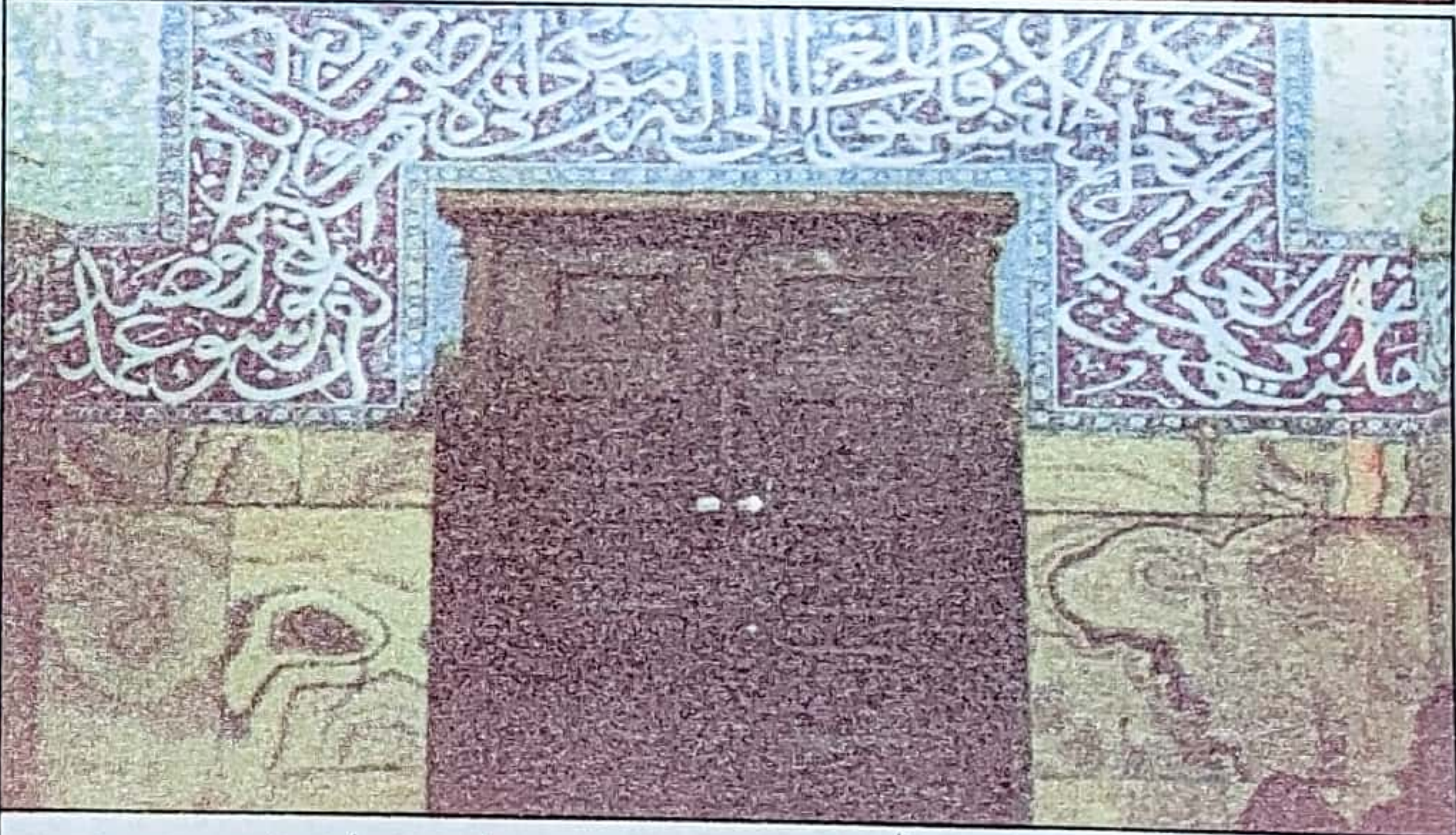
تصویر نمبر ۱۰۶ (۴) کربلا معلیٰ عراق میں روضہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام میں وہ جگہ جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مقام ام البنینؑ ہے۔

تصویرنمبر۱۰۷(۱) روضہ فرزندان مسلم بن عقیل
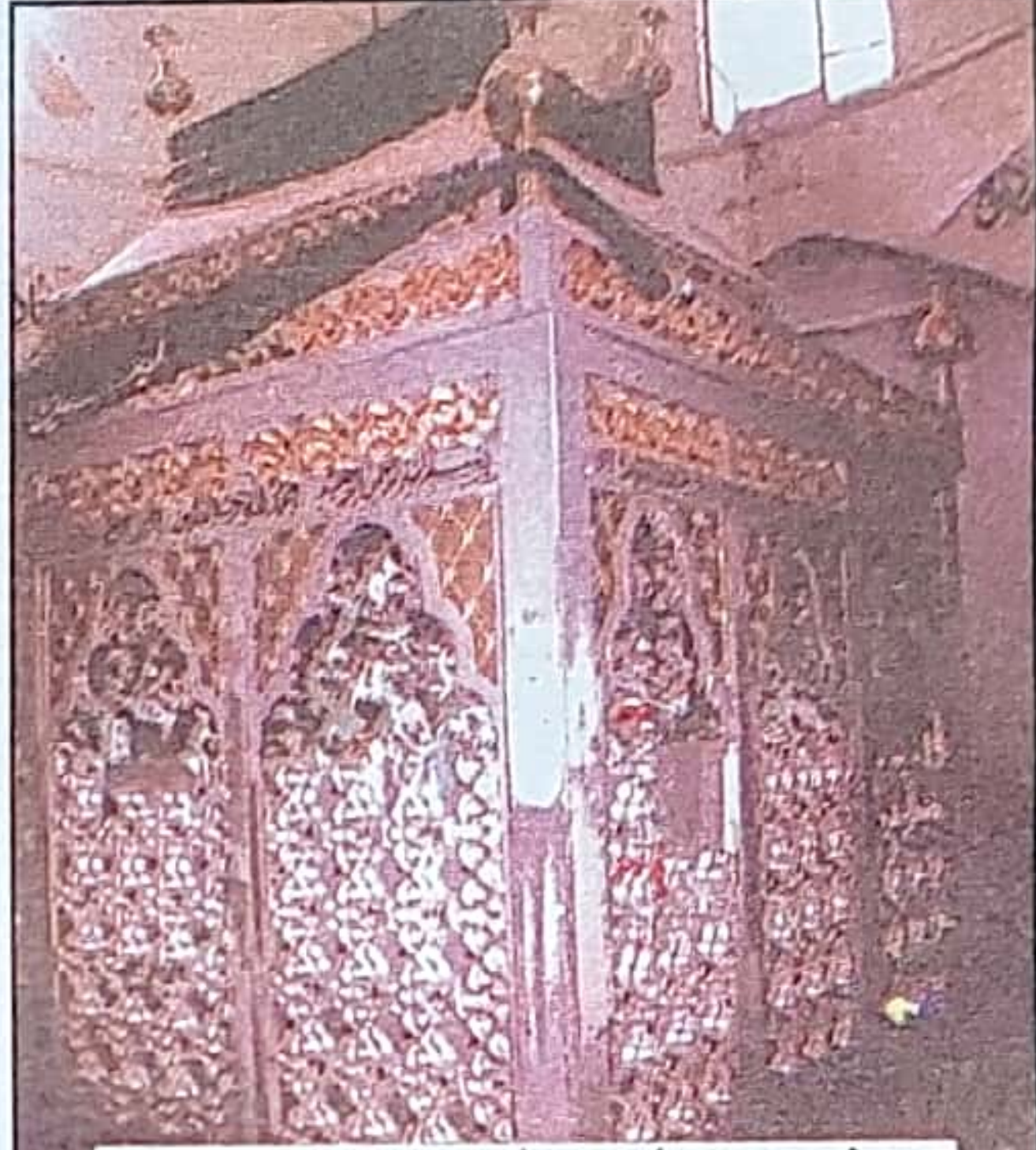
تصویرنمبر۱۰۸(۲) روضہ فرزندان مسلم کے گنبد

تصویر نمبر ۱۱۱ (۳) روضے کا ایک اور منظر

تصویر نمبر ۱۱۲ (۴) بکر بن علی کے مزار کا بیرونی دروازہ
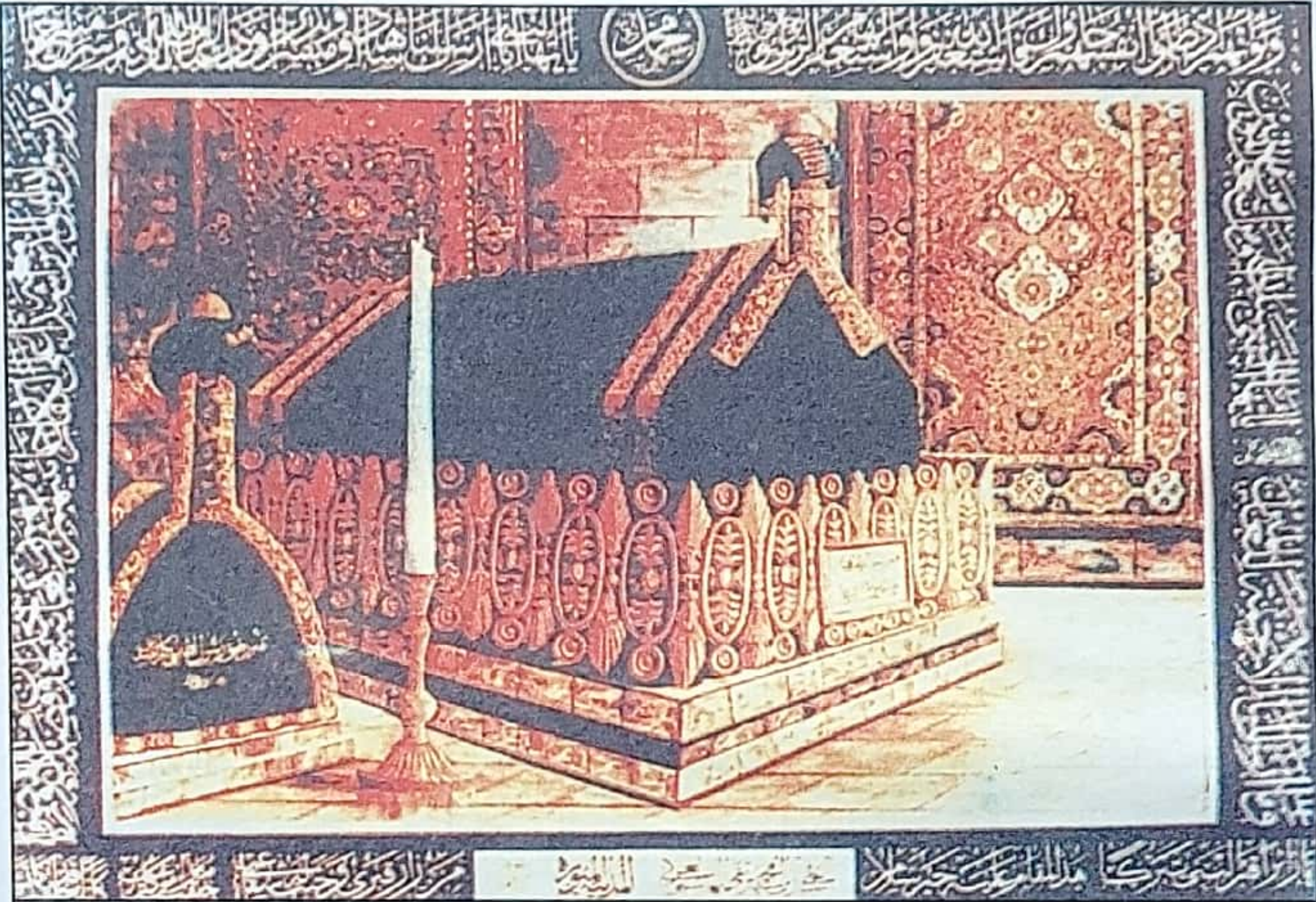
تصویر نمبر ۱۲۶ (۱۳) ۱۳۴۴ھ سے کچھ عرصہ پہلے لی گئی قبر رسولؐ کی تصویر
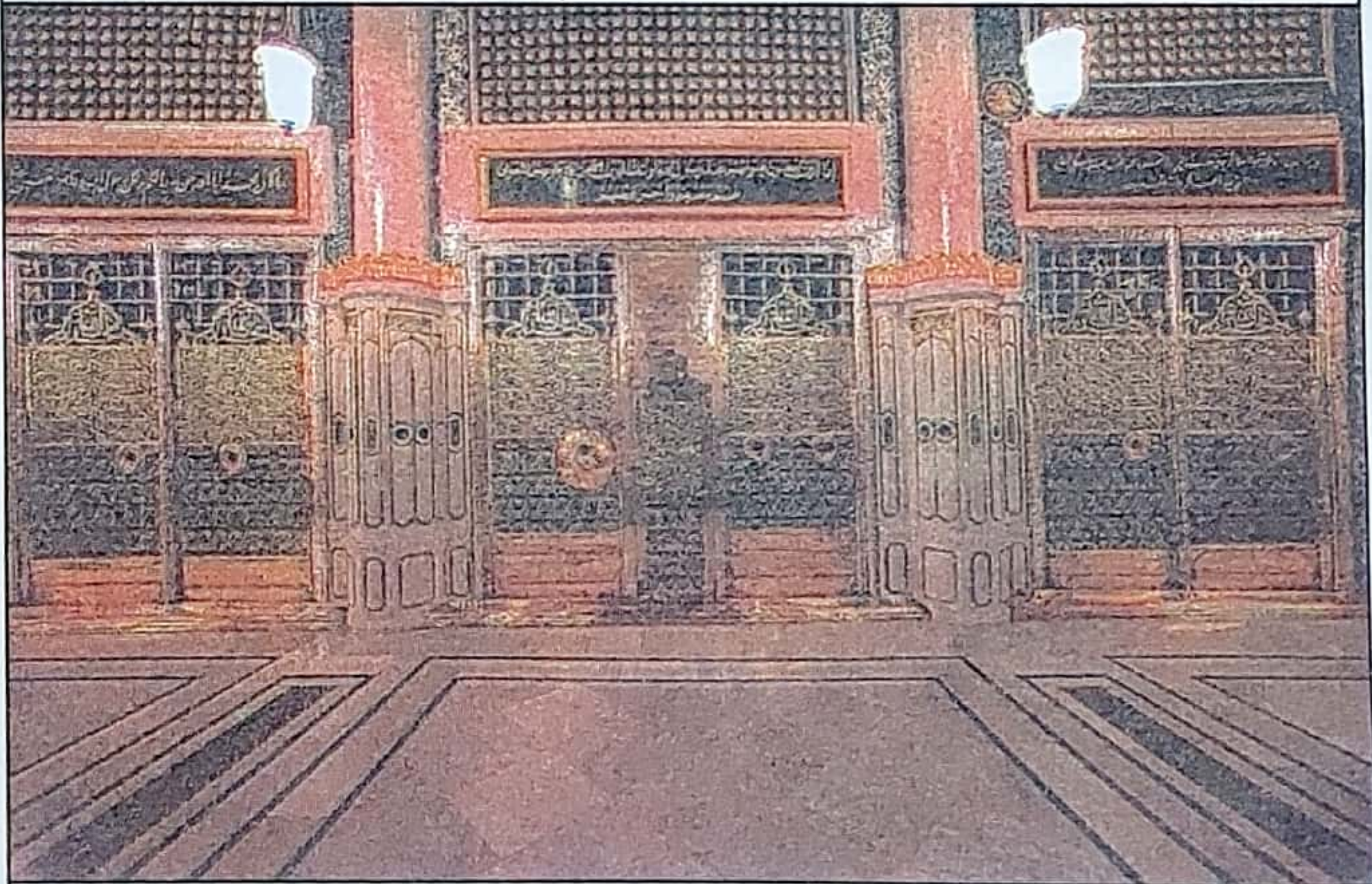
تصویر نمبر ۱۳۱ (۱۸) باب التوجہ یا باب التوبہ
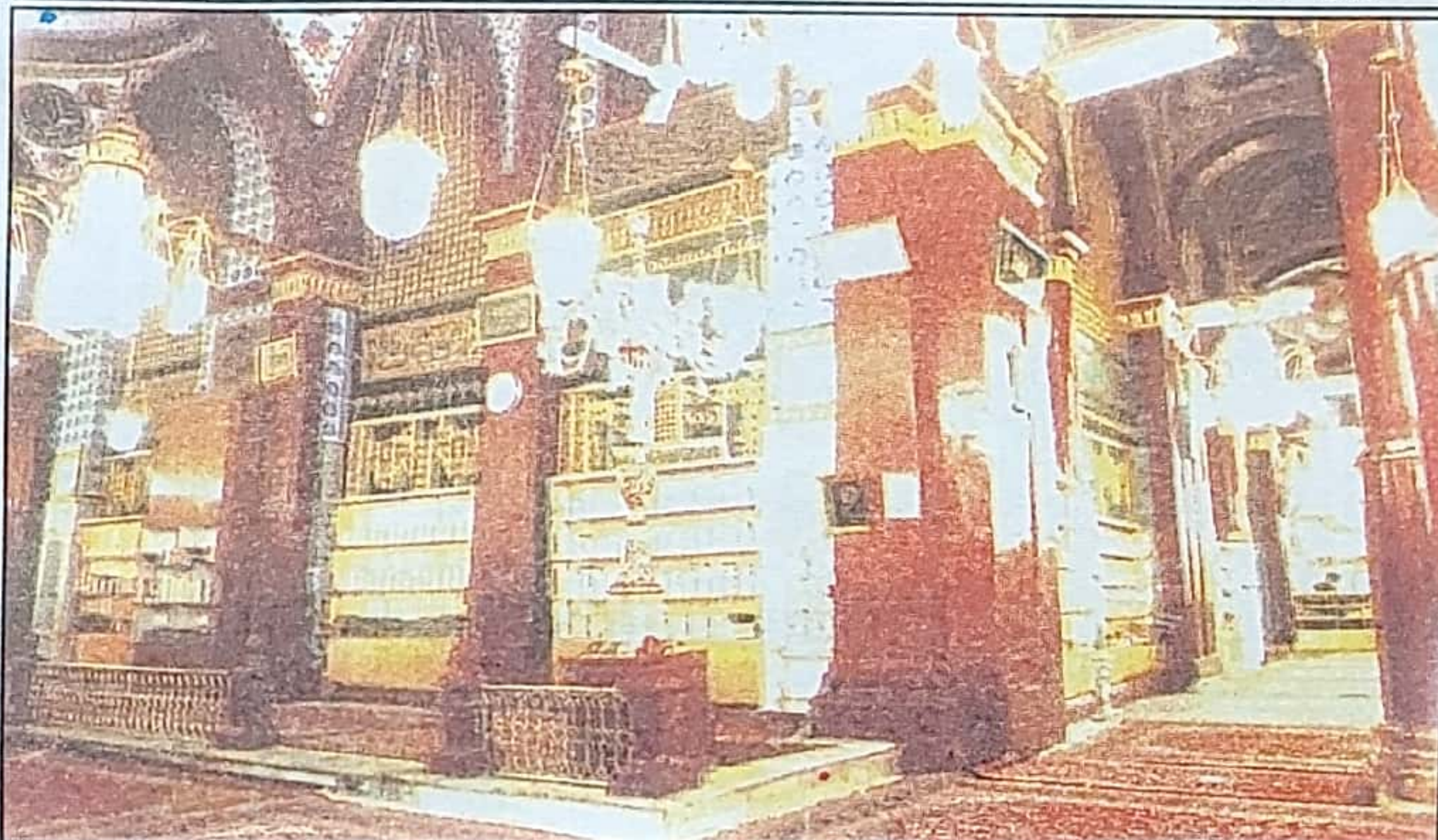
شکل نمبر ۱۳۲ باب التہجد یاباب الشامی
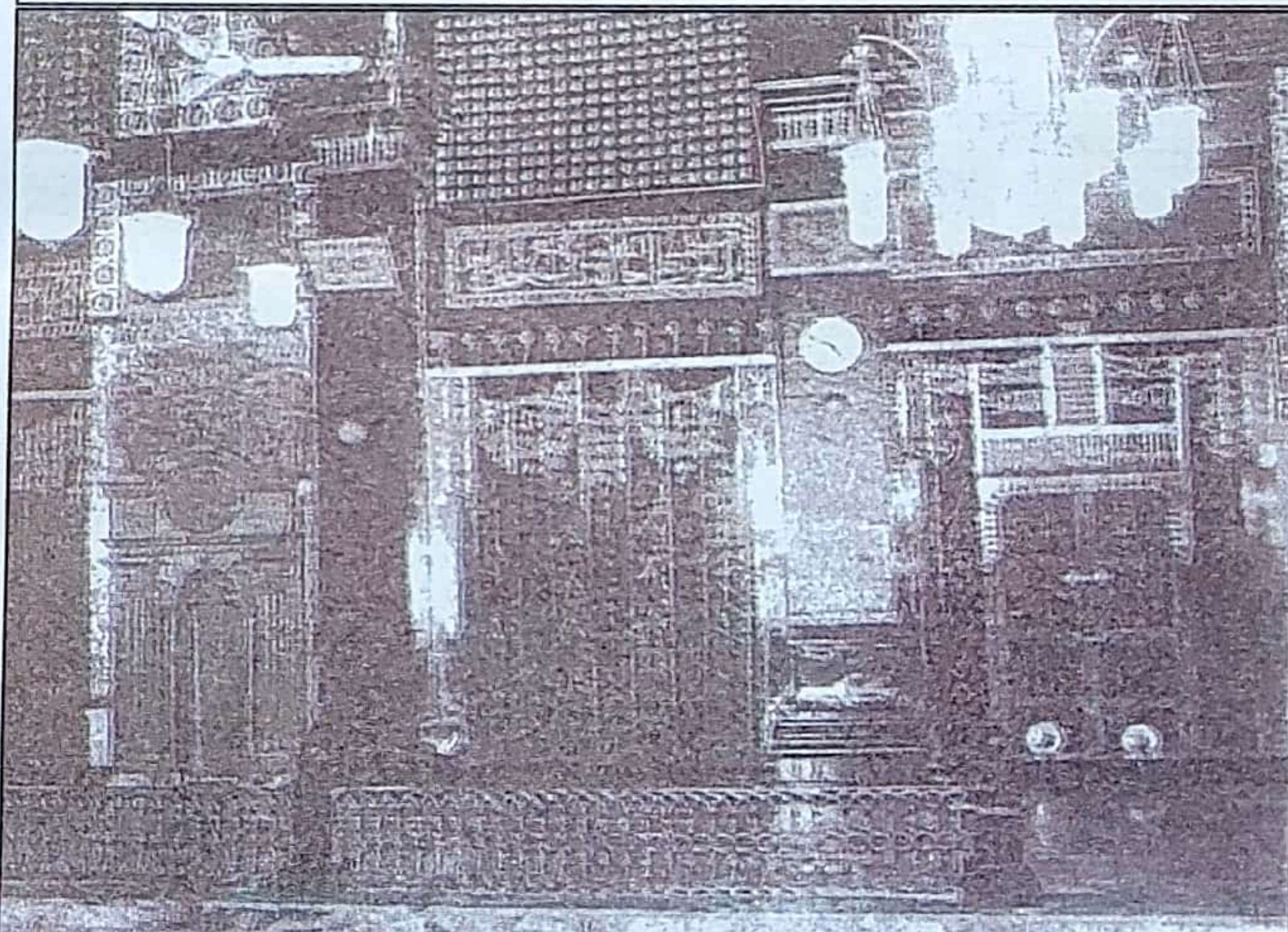
شکل نمبر ۱۳۳ باب التہجد یاباب الشامی
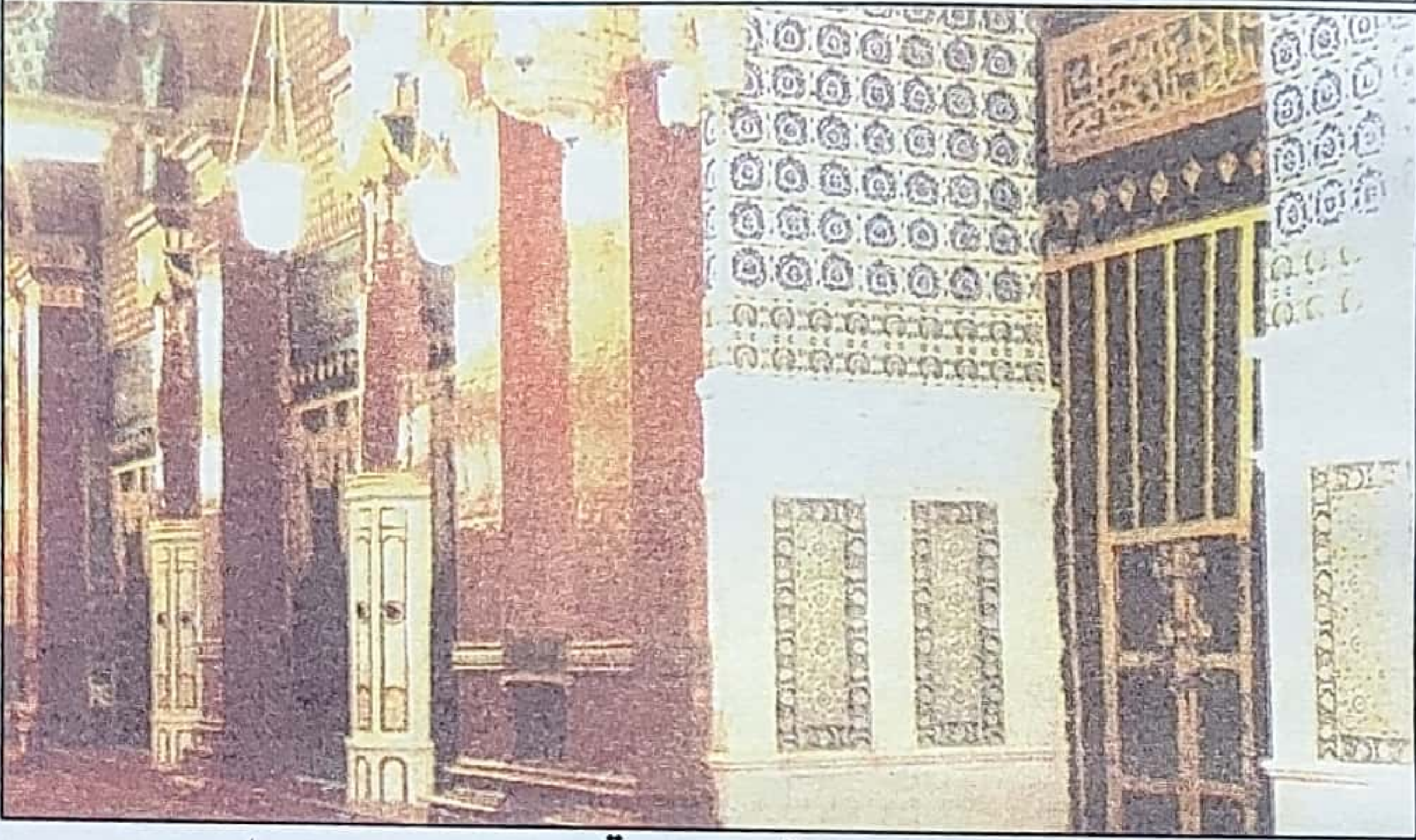
تصویر نمبر ۱۳۴ (۲۱) مینار کے مشرقی حصہ میں واقع دروازہ موسوم بہ "باب فاطمہ"

تصویر نمبر ۱۳۶ (۲۳) باب الوفود جسے بعض لوگ غلطی سے باب التوبہ کہتے ہیں

تصویر نمبر۱۴۳(۱) ضریح مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام

تصویر نمبر۱۴۴(۲) ضریح حضرت امام حسین علیہ السلام جب کہ اس پر چھپر بنایا گیا ہے
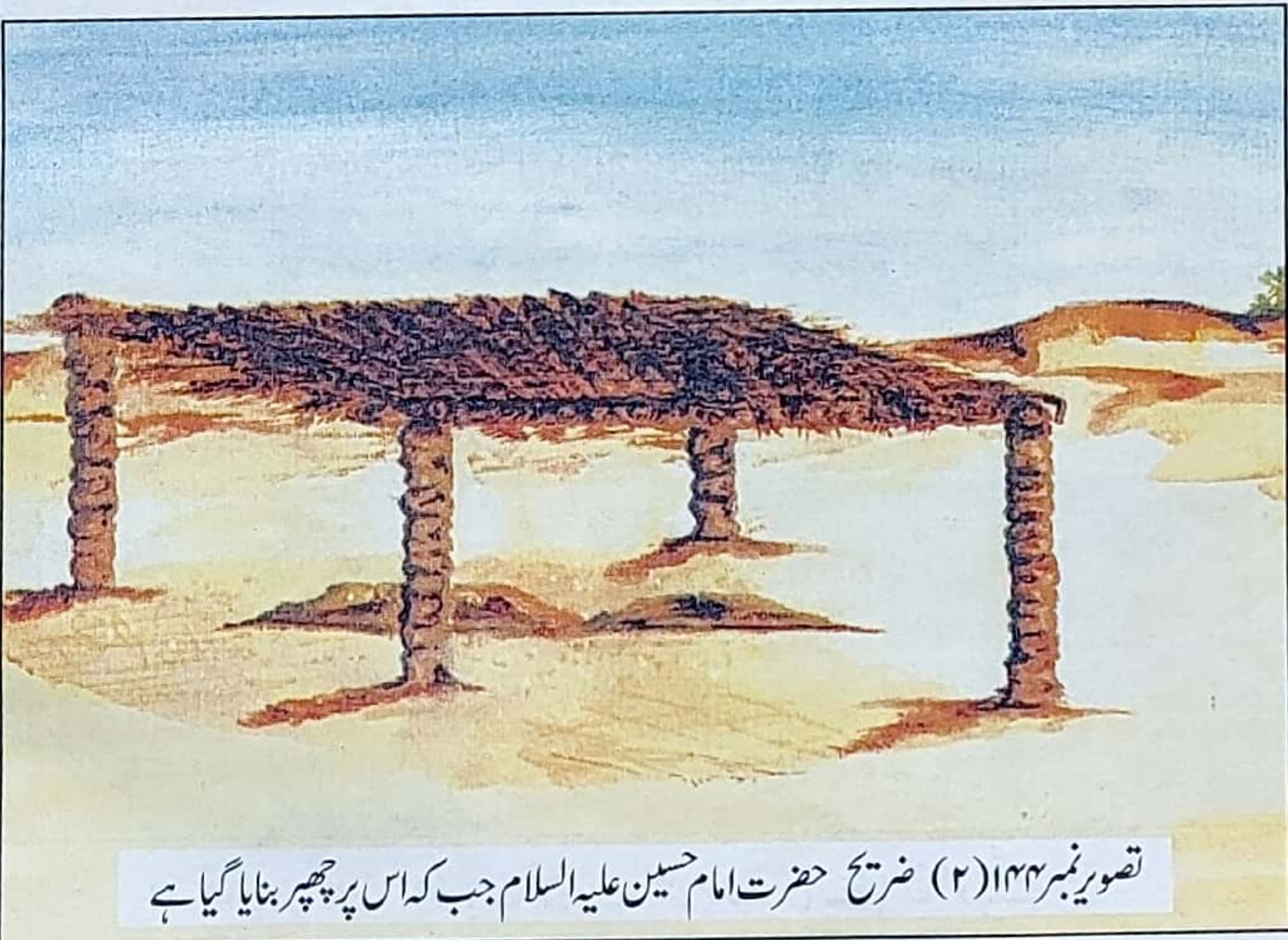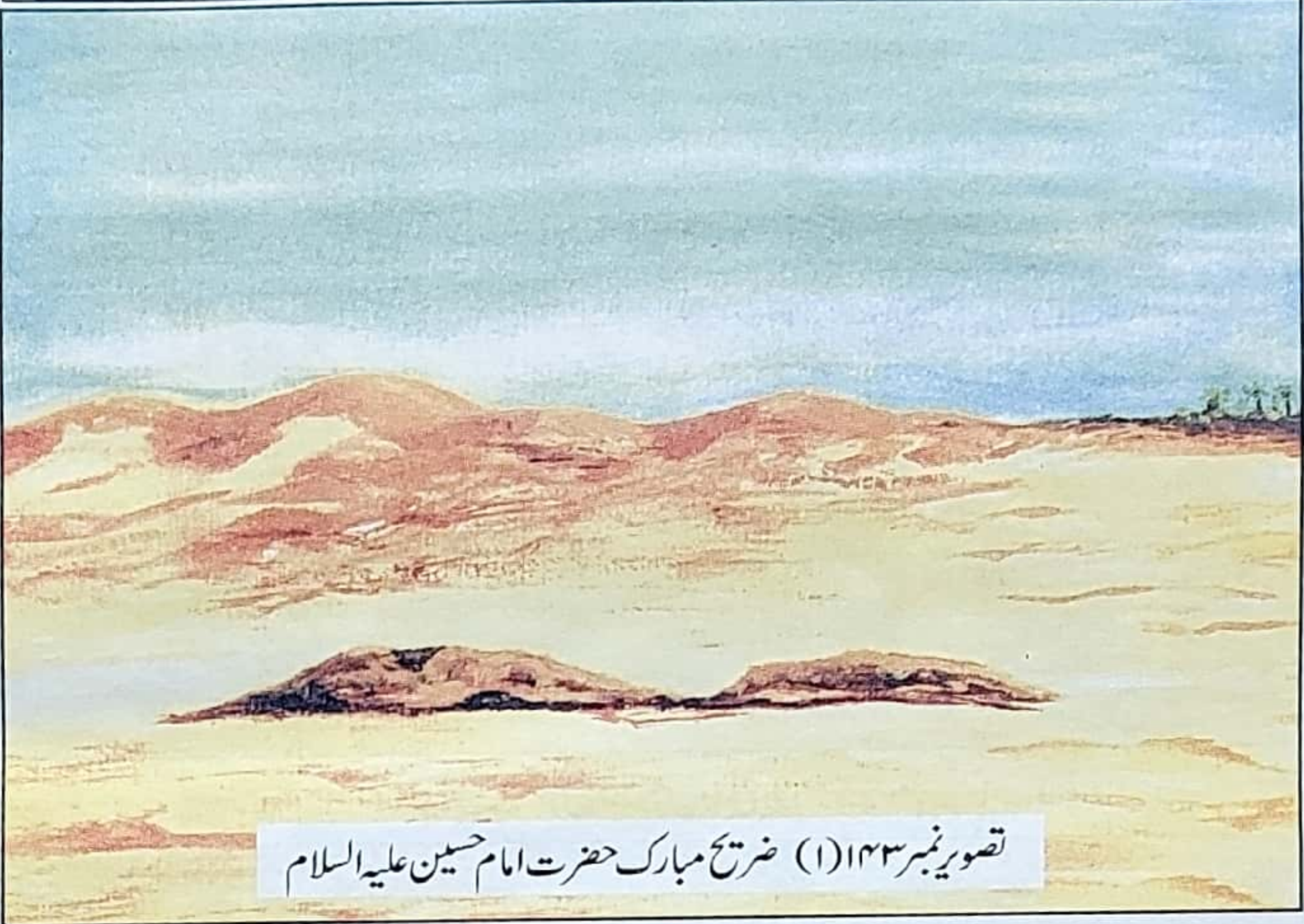
تصویر نمبر ۱۴۵ (۳) حضرت امام حسین علیہ السلام کی ضریح مبارک کی صندوق
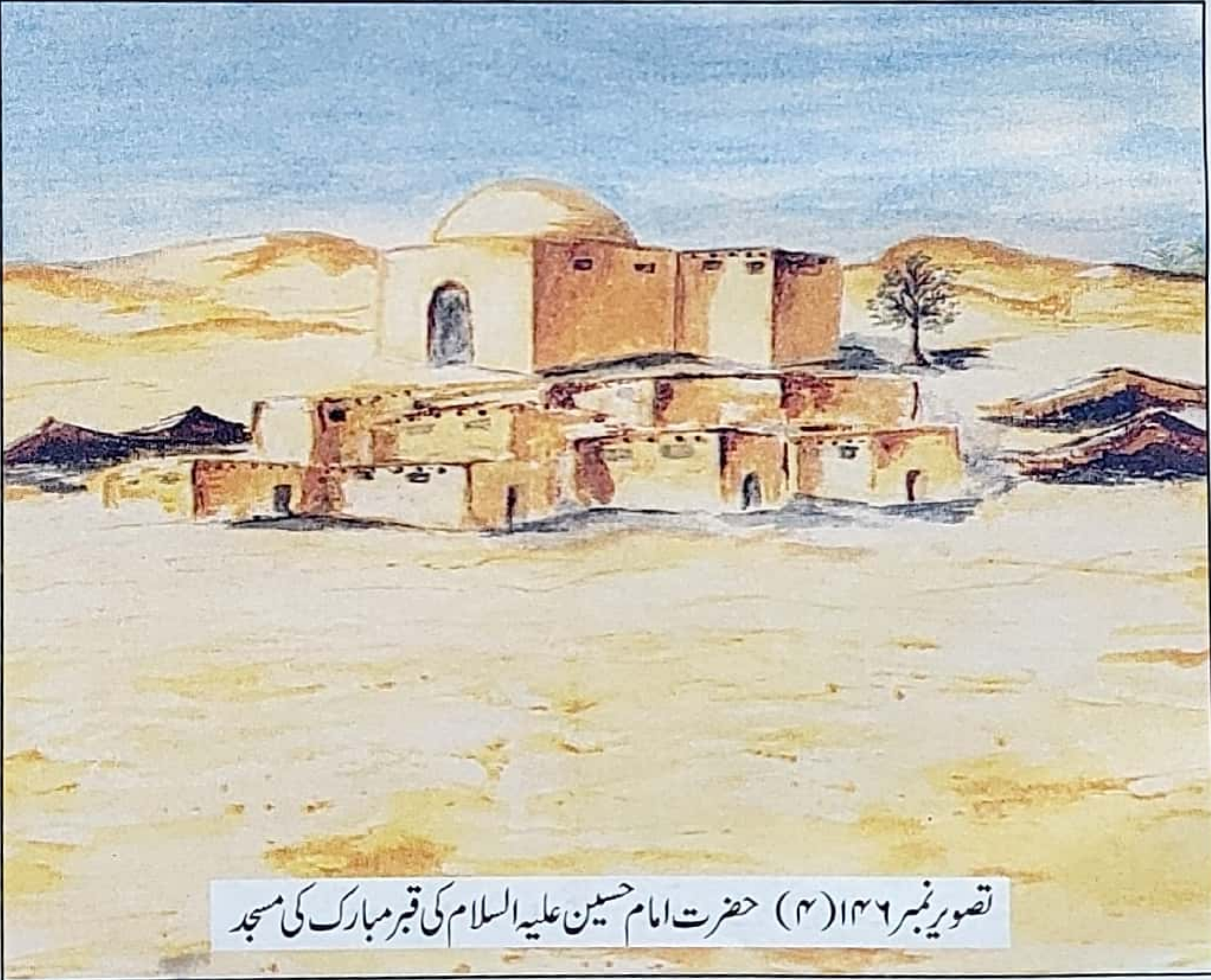
تصویر نمبر ۱۴۶ (۴) حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی مسجد
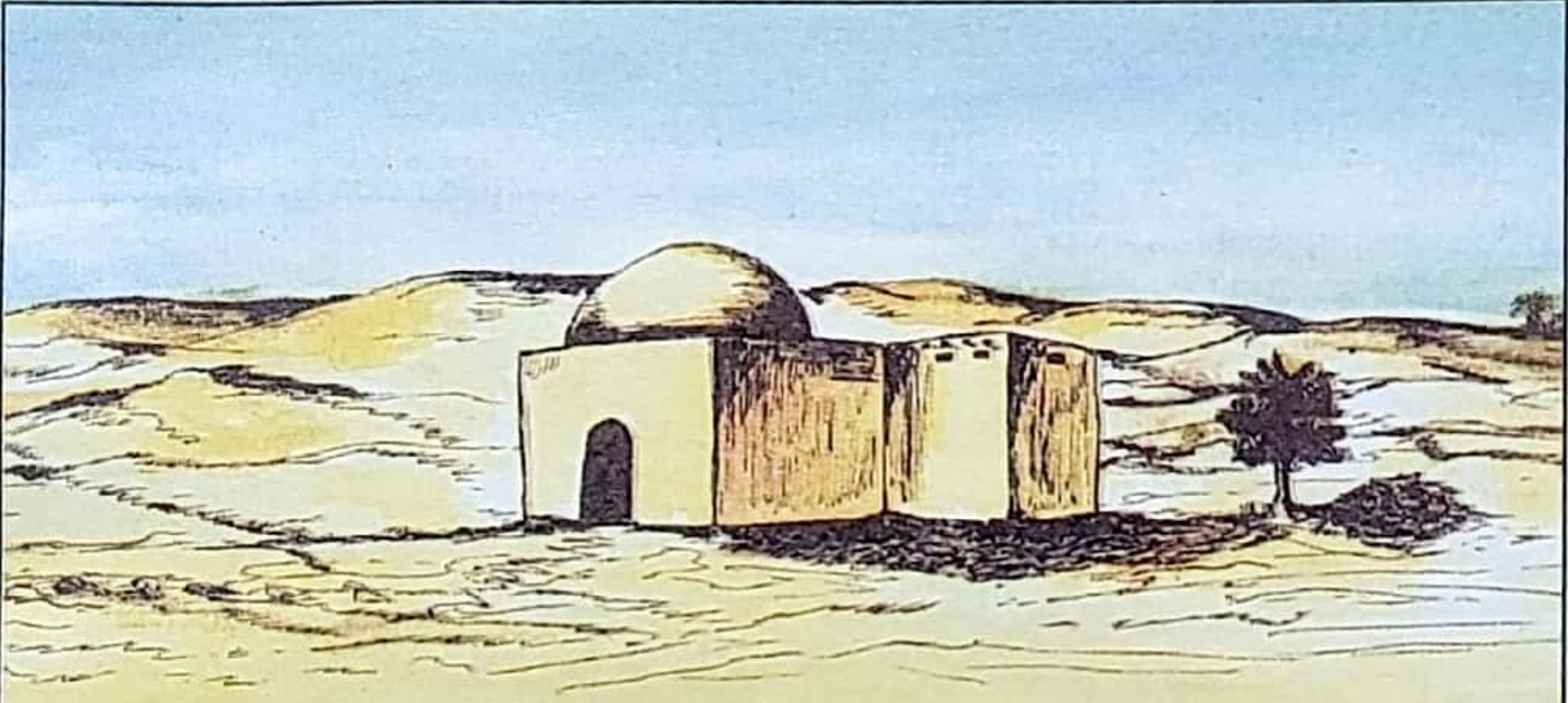
تصویر نمبر ۱۴۷ (۵) مختار نے مسجد کی دیواروں کے ذریعہ قبر مبارک کا احاطہ تعمیر کیا اور اس پر گچ اور اینٹوں سے دو دروازوں پر مشتمل گنبد تعمیر کیا۔
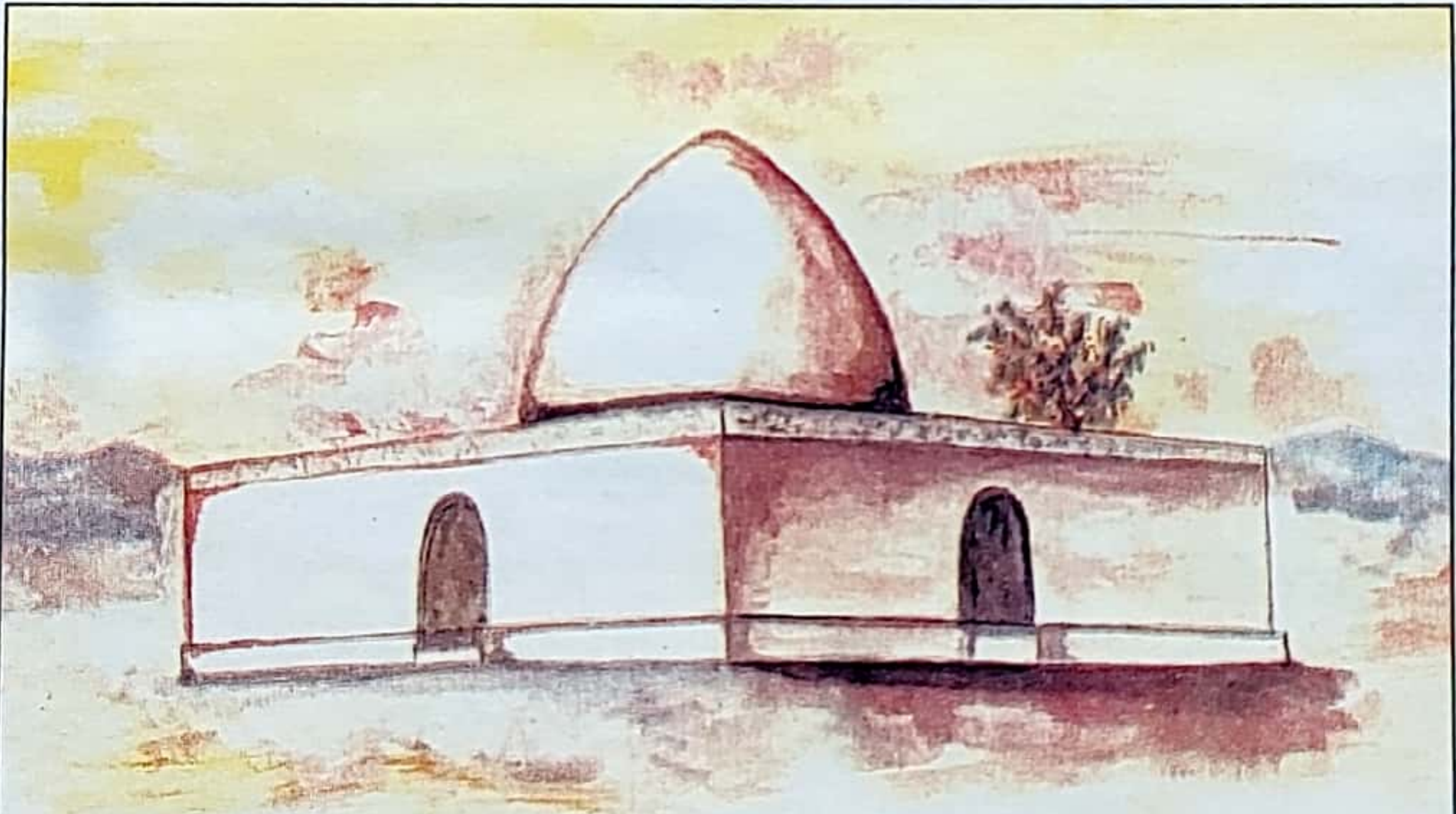
تصویر نمبر ۱۴۸ (۶) کلیدار کے تصور کے مطابق نقشہ
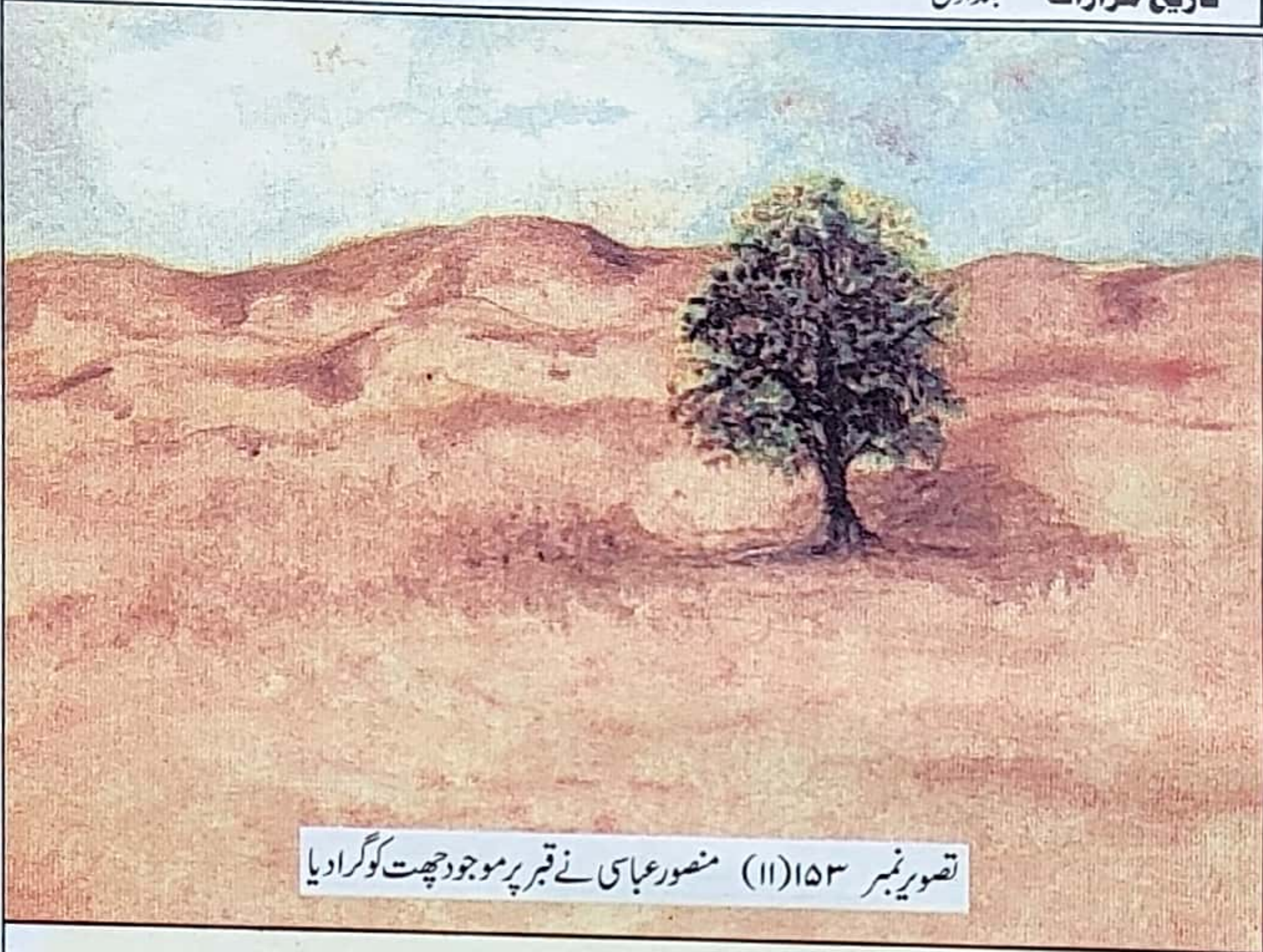
تصویر نمبر ۱۵۳(۱۱) منصور عباسی نے قبر پر موجود چھت کو گرادیا

تصویر نمبر ۱۵۶(۱۴) حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک

تصویر نمبر ۱۵۷ (۱۵) مزار مبارک پر ہل چلانے کے بعد مقام قبر کا تعین

تصویر نمبر ۱۵۸ (۱۶) سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک

تصویر نمبر۱۶۱(۱۹) مدرسہ عصندیہ اور مسجد راس الحسین علیہ السلام

تصویر نمبر۱۶۲(۲۰) سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی قبر مبارک